سلسلہ ندوۃ المصنفین

(۵۶)

اسلام کا نظامِ عفت و عصمت

نظامِ عصمت و عفّت کی جامعیت و اہمیت پر پہلی محققانہ کتاب جس میں عفت و عصمت اور ان کے لوازم کے ایک ایک گوشے پر بصیرت افروز و دل پذیر بحث کی گئی ہے اور اس نظام کی اسلامی خصوصیتوں کو اعتدال اور احتیاط کے ساتھ اُجاگر کیا گیا ہے

تالیف

مولانا محمد ظفیر الدین صاحب پورہ نوڈیہاوی

رفیقِ ندوۃ المصنفین

ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی

طبع چہارم

ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ اکتوبر ۱۹۷۸ء

تعدادِ طباعت

قیمت غیر مجلد پندرہ روپیے

قیمت مجلد

الجمعیۃ پریس دہلی

فہرستِ مضامین اسلام کا نظامِ عفت و عصمت

تعارف

عصمت و عفت وہ گوہرِ گرانمایہ ہے جس سے انسانیت کے تاج کی زیب و زینت ہے، یہ وہ جوہر ہے جس کی قیمت پہچاننے اور قدر کرنے سے انسانیت کو چار چاند لگتے ہیں اور اس کی بے قدری کرنے سے انسانیت پامال ہوتی ہے۔

اسلام نے دوسرے اخلاق و ملکاتِ فاضلہ کی طرح عفت و عصمت کی بھی قدر و قیمت پہچنوانے کی سعی بلیغ کی ہے، مختلف دلنشین پیرایوں سے اس کو ذہن نشین کرایا، پھر ایک مکمل قانون انسانوں کے سامنے رکھا، جس کی پابندی عصمت کے تحفظ کی ضامن و کفیل ہو سکے، اور عفت مجروح نہ ہونے پائے۔

لیکن آج مادی ترجیحات نے انسانوں کو روحانیت سے اس قدر دور کر دیا ہے کہ اخلاق و ملکاتِ فاضلہ کی آج کوئی قدر و قیمت نہیں رہ گئی ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کی دنیا فسق و فجور کی دنیا بن کر رہ گئی ہے۔

ان حالات میں بڑی ضرورت تھی کہ اسلام کا قانونِ عفت و عصمت مرتب و مجموع شکل میں پیش کیا جائے، ممکن ہے غفلت کا پردہ چاک ہو اور فسق و فجور کی شناعت اور اس کی بد انجامی معلوم کر کے کچھ تنبہ ہو۔

عزیزم مولوی محمد ظفیر الدین صاحب سلمہ اللہ مدرس مدرسۂ معینیہ، سابق ضلع مونگیر کو حق تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انھوں نے وقت کی اس ضرورت کا احساس کیا، اور اسلامی قانونِ عفت و عصمت پر انھوں نے ایک مبسوط اور نہایت قیمتی کتاب تصنیف کی۔

مصنف نے اس کتاب میں اسلام سے پہلے عورت کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچ اور عفت کا جو اخلاقی معیار مختلف مذاہب و ملل میں تھا اس کو مستند حوالوں سے بیان کرنے کے بعد، اسلام نے اس سلسلہ میں جو اصلاحی جد و جہد کی ہے، اور عفت کے معیار کو جس جس طرح بلند کیا ہے، اس کو نہایت تفصیل سے اور بہت دل نشین انداز میں بیان کیا ہے۔ اور اسی ضمن میں تاہل، کثرتِ ازدواج، کفاءت کے مسائل پر سیر حاصل اور بہت شافی بحث کی ہے۔

کتاب کے تعارف کے لیے میں انہی چند اشارات پر اکتفا کرتا ہوں اور اس تعارف نامہ کو دراز کرنے کے بجائے اس کو بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ خود اصل کتاب کا مطالعہ فرما کر مصنف کی کاوش و محنت کی داد دیں۔

آخر میں ندوۃ المصنفین کا شکریہ ادا کرنا بھی میں اس لیے ضروری خیال کرتا ہوں کہ اسی مجلس کی قدر دانی اور توجہ کی بدولت ہم کو اس مفید تصنیف سے استفادہ کا موقع مل رہا ہے۔

ابوالمآثر حبیب الرحمٰن الاعظمی

مئو۔ اعظم گڈھ

۲۴۔ جون سنہ ۵۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"نظامِ عفّت وعصمت"

دو سال گزرے کہ میں نے اس عنوان سے ایک مقالہ لکھنا شروع کیا تھا، جو رسالہ "برہان" دہلی میں چھپتا رہا، اُس وقت میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ مقالہ اہلِ علم میں اتنا پسند کیا جائیگا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے اُسے شرفِ قبول بخشا اور اربابِ فضل وکمال نے اس کو پسند کیا، اس وقت میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب بزرگوں اور اساتذۂ کرام نے اپنے خطوط میں اس مقالہ کو سراہا، اور مقالہ نویس کو حوصلہ افزا کلمات سے یاد فرمایا۔

اس سلسلہ میں حضرت علامہ مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی، حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی (مدظلہم) کے نام نامی خصوصیت سے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ بلکہ مفتی صاحب نے یہ بھی اطلاع دی کہ ناظرین برہان نے اس مقالہ کو پسند کیا۔

ان بزرگوں کی حوصلہ افزائی کے صدقہ میں ہمت بندھی اور ارادہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اس مقالہ کو کتابی شکل دینے کی سعی کی جائیگی۔ مگر مدرسہ کی پرشور زندگی میں اطمینان و سکون کا نصیب ہونا، بڑا پیچیدہ سوال تھا۔ اس زندگی کی تلخیوں اور حد سے بڑھی ہوئی پریشانیوں کا اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جن کو اس مصیبت سے کبھی دوچار ہونا پڑا ہے، پھر اُس وقت اور بھی جب وہ کسی دیہاتی مدرسہ کا مدرس اول ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ میں نے اطمینان وسکون کے حصول کی کتنی کوشش کی اور کیسی ناکامیابی ہوئی۔

باایں ہمہ مایوس نہ ہوا اور برابر فکر میں رہا، اسی اثناء میں حضرت علامہ گیلانی (دامت فیوضہم)

کا گرامی نامہ ملا، جس میں اور باتوں کے ساتھ یہ بھی تحریر فرمایا گیا تھا۔

"برہان میں آپ کے مضمون کا نیا شمارہ بھی نظر سے گزرا، جزاکم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔ وقت کی ایک بڑی ضرورت آپ اپنے اس محققانہ اور دلیرانہ مقالہ سے پوری فرما رہے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کسی مستقل رسالہ کی شکل میں آئندہ شائع ہو کر زیادہ مفید ثابت ہوگا۔"

اس تحریر کو نیک شگون سمجھا اور ارادہ کر لیا گیا کہ جس طرح زندگی گزر رہی ہے اسی حال میں کام شروع کر دیا جائے کیونکہ ایک عالم ربانی اور خدا رسیدہ بزرگ کی زبانِ قلم سے جو بات نکلی ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی تو پوری ہو کر رہیگی۔

میرے اس ارادہ کو اس وقت اور تقویت پہنچی جب حضرت العلامہ مولانا سید سلیمان[۱] صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خط ملا، جو حقیقت پر مبنی ہے۔

"آپ کا مضمون "نظام عفت" برہان میں نہیں پڑھا، یہ پرچہ میرے پاس نہیں آتا[۲]۔ بہر حال جو کچھ ہو سکے موجب اجر ہے۔ آج کل ایمان کے بعد جو چیز برباد ہوتی نظر آرہی ہے وہ عصمت ہی ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت کی خاطر جو کچھ کیا جائے وہ عین مطلوب و ماجور ہے۔"

بہر حال خدا پر بھروسہ کر کے میں نے کام شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں مجھے کافی محنت کرنی پڑی۔ بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ یہاں کتابیں نہیں، گنی چنی کتابوں سے کیا ہونا ہے، مگر اللہ کا شکر ہے ادھر اُدھر سے کچھ کتابیں فراہم ہو گئیں اور کام جاری رہا، اور اس طرح الحمدللہ

---

[۱] سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت اس ناچیز پر برابر رہی، افسوس ۲۲ اور ۲۳ نومبر ۵۳ء کی درمیانی شب میں آپ کا کراچی میں وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ بال بال آپ کی مغفرت فرمائیں اور تاقیامت رحمت الٰہی کی بارش آپ کی تربت کو سیراب کرتی رہے۔ منہ

[۲] بعد کو "برہان" سید صاحب مرحوم کے نام جاری کر دیا گیا تھا۔

وہ دن بھی آیا کہ جو کام نہایت پریشانی اور کس مپرسی کے عالم میں شروع کیا گیا تھا حسن و خوبی کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔

تکمیل کے بعد پہلے یہ مسودہ اپنے صوبہ کے نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی مدظلہ کی خدمت میں پیش کیا، مولانا موصوف پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور بعض ضروری مشوروں سے مستفید فرمایا، وہاں سے آکر میں نے یہ پورا مسودہ اپنے مربی خاص حضرت علامہ گیلانی مدظلہ کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے بھیج دیا۔ الحمد للہ کہ علامہ محترم نے اُسے نوازا، اور مسودہ کے دو تہائی حصہ کا ایک ایک حرف پڑھا اور اپنے قلم سے اصلاح فرمائی اور بقیہ تہائی حصہ کو سرسری پڑھا اور جگہ جگہ اپنا مشورہ لکھ کر واپس کر دیا، خود تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے خاص طور پر مسلسل تین چار دن آپ کے مسودہ کو بغور دیکھا اور مناسب مقامات پر کچھ ضرورت اگر محسوس ہوئی تو حسب اجازت رد و بدل بھی کر دیا۔"

اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ ان مراحل سے گزرنے کے بعد اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ حقیر مؤلف نے اپنی کد و کاوش کی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ ہاں اس کا اعتراف ہے کہ کتاب کسی کتب خانہ میں بیٹھ کر مرتب نہیں کی گئی ہے۔ کامیابی رب العزت کے ہاتھ ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ یہ حقیر خدمت قبول فرمائیں اور مؤلف کے لیے زاد آخرت بنائیں خدا کرے مسلمان اور دوسرے حضرات اس کتاب کو پڑھیں اور مستفید ہوں رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

اخیر میں اخی المکرم حضرت الاستاذ مولانا عبد الرحمٰن صاحب مدظلہ کی خدمت میں حسن عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی تعلیم و تربیت اور دعا نے آدمی بنایا۔

محمد ظفیر الدین غفرلہ

صالحہ منزل، دار العلوم معینیہ سانخہ ضلع مونگیر

۶۔ دسمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

انسان مجموعۂ اضداد ہے۔ خیر و شر، محبت و عداوت اور ملکیت و شیطنت دونوں پہلوؤں کا حامل ہے۔ انسانی صلاحیتوں کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اسے خلیفۃ اللہ فی الارض کا شرف بھی حاصل ہوا، اور انسانوں ہی میں سے وہ برگزیدہ ہستیاں منصۂ شہود پر آئیں جنھیں ہم انبیاء و رسل (علیہم السلام) کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اور وہ بھی آدم ہی کے گھرانے کے بچے تھے جو ہامان و شداد، فرعون و نمرود بن بن کر وہ سب کچھ کرتے رہے جس کے خیال سے آج بھی ہم کانپ اُٹھتے ہیں۔

رحمتِ الٰہی

مگر رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس کی رحمت کا ہاتھ ہمیشہ بڑھتا رہا، اور ہر زمانہ میں غیب سے کچھ ایسے ساز و سامان مہیا ہوتے رہے، جن سے بگاڑ، سنوار اور فساد، صلاح کی شکل اختیار کرتا رہا۔ اس سلسلہ میں خاتم المرسلین رسول رب العلمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو رحمۃ للعالمین بنا کر ارحم الراحمین نے انسانی نسلوں کے درمیان لا کھڑا کیا، اور خالقِ کائنات کی طرف سے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[1] کا اعلان کر کے قرآن آخری دستور العمل کی حیثیت سے بنی آدم کے سپرد کیا گیا، جو انسانی زندگی کے لیے ہمہ گیر، جامع نظامِ حیات پر مشتمل ہے۔ کوئی شعبہ آدمی کی زندگی کا ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اس کتاب میں راہ نمائی نہ کی گئی ہو۔ دوسرے مسائل و مباحث سے اس وقت بحث نہیں ہے، بلکہ کہنا چاہتا ہوں:

---

[1] آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

نظام نسل انسانی | کہ کائنات انسانی کی بقا اور اس کے تحفظ کے لیے رب العزت نے توالد و تناسل کا سلسلہ جو جاری کیا، مرد اور عورت کے نام سے دو جنس پیدا کیں، باہم دونوں میں جذب و کشش کے فطری جذبات ودیعت کیے گیے، ہر صنف میں دوسری صنف کی طلب کا تقاضا محفوظ کیا گیا، اسی کا نتیجہ ہے کہ ان میں ہر ایک دوسرے کو اپنی تسکین کا ذریعہ سمجھنے پر مجبور ہے، اور یہ ایک واقعہ ہے، ہر ایک کی زندگی دوسرے کے بغیر نامکمل اور ادھوری بن کر رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد، کامل مرد رہتے ہوئے، عورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، اسی طرح عورت، عورت کے لباس میں رہتے ہوئے مرد کے بغیر مطمئن زندگی نہیں گزار سکتی، مگر انسان جلد باز اور عجلت پسند واقع ہوا ہے، اس نے زندگی کے اس اجتماعی شعبہ میں بھی افراط و تفریط پیدا کی اور جنسی خواہشوں کی راہوں میں بھی ان قدرتی نشان زدہ حدود سے ہٹتا رہا جن سے تجاوز میں خود انسانیت اور انسانی نسلوں کی بربادی تھی۔

پس اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں فطرت کے حدود پر انسانیت کو کھینچ کھینچ کر پہنچایا، وہیں جنسی میلان کی راہوں میں بھی اعتدال کا جو فطری و طبعی نقطہ ہو سکتا تھا اس پر چاہا کہ حدود سے ہٹنے والوں کو واپس کیا جائے، آئین و قوانین کا ایک مستقل ضابطہ ہی اس سلسلہ میں عطا کیا گیا ہے۔ ہم ایک خاص رنگ میں اسی "ضابطہ حیات" کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جن دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اپنے رسول کی عظمت اور آخرت کا خوف ہوگا، ان کی اصلاح کا ذریعہ یہ معروضات بن جائیں۔

اسلام سے پہلے عورتوں کی حیثیت
اور اُن کی عِفّت و عِصمت کی بربادی

واقعہ یہ ہے کہ "اسلام" کے جس زمانہ میں اس شعبہ زندگی کے آئینی دفعات کو لوگوں کے سامنے رکھا تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ رشتۂ ازدواج کا جو بنیادی مقصد تھا وہ بھلایا جا چکا تھا، اس

اور آسودگی کی اس کیفیت سے قلوب خالی ہو چکے تھے جو زن و شو کو ایک حقیقت بنا دیتی ہے، باہمی محبت و رافت کا وہ حال ختم ہو چکا تھا جس سے دو خاندانوں اور دو جانوں میں یگانگت اور تعاون کا جذبہ پروان چڑھتا ہے، اور نہ کوئی اور نیک اثر اس رشتہ کا باقی رہ گیا تھا۔ اللہ اللہ ازدواجی ہنگامہ آرائیوں کی "روح" عفت و عصمت تک ایک بے قیمت چیز ہو چکی تھی، چھلکے رہ گئے تھے، مغز غائب ہو چکا تھا۔

عورتوں کی مظلومیت

ہر جگہ صنف نازک (عورتیں) مردوں کے ظلم و جور کی شکار بنی ہوئی تھیں۔ مرد، مرد نہیں، بلکہ نازک و کمزور صنف کے مقابلہ میں جنگل کا درندہ تھا۔ کرۂ زمین کی انسانی بستیوں کا یہ عام حادثہ تھا۔ اس سلسلہ میں شائستہ و ناشائستہ، متمدن و غیر متمدن اقوام و افراد میں سچ پوچھیے تو چنداں فرق باقی نہ رہا تھا، چوپاؤں اور گھر کے دوسرے سامانوں کی طرح عورتیں بیچی اور خریدی جانے لگیں۔ مرد عورت پر اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے جبر اور تشدد پر اتر آیا، حدیہ ہے کہ عورتوں کو بدکاری کے پیشہ تک اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا یعنی اپنی ہوس رانیوں کا ذریعہ بنانے کے ساتھ زرکشی کا ذریعہ بھی مردوں نے ان غریب عورتوں کو بنا لیا تھا۔

جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان ایک مخلوق سمجھی جانے لگی تھی، جن کا مقصد نسل انسانی کی ترقی اور مرد کی خدمت کرنا تھا اور یہی وجہ تھی کہ لڑکیوں کی پیدائش باعث ننگ و عار تھی، پیدا ہونے کے ساتھ ان کو زندہ درگور کر دینا، اسی کو بعضوں نے اپنی شرافت و افتخار کا اقتضا قرار دے رکھا تھا، جاہلیت کی تاریخ کے اس خاص حصہ کے متعلق قرآن ہی سے جو معلومات حاصل ہوتے ہیں عبرت کے لیے تو وہی کافی و وافی ہیں۔

بچیوں کی پیدائش کا باپ پر اثر

باپ کے دل میں لڑکی کی ولادت کی خبر جس اثر کو پیدا کرتی تھی، قرآن میں اسی کی اطلاع ان الفاظ میں دی گئی ہے:

إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ	ان میں سے جب کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جائے تو سارے دن
وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَىٰ	اس کا چہرہ بے رونق رہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہے، جس (تولد دختر)

مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ کی خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے (اور اس

اَیُمْسِکُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ سوچ میں پڑ جائے کہ ذلت برداشت کرکے اس کو رکھے یا مٹی میں

فِی التُّرَابِ. (النحل-۷) گاڑ دے (تاکہ ذلت سے نجات ملے)

اجمالاً اسی کا اعادہ دوسری جگہ بایں الفاظ میں کیا گیا ہے

اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ ان میں سے جب کسی کو اس چیز کی خبر دی جائے جس کو وہ اللہ

لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ تعالیٰ سے مخصوص کرتا ہے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (زخرف-۲) رہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔

جاہلی ذہنیت کی بوالعجبیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن ہی میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک طرف فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بھی جاہلیت والے مانتے تھے، یعنی "مقدس دیویوں" کا عقیدہ بھی ان میں پایا جاتا تھا، اور دوسری طرف ان میں ہر ایک لڑکیوں کے باپ بننے کی ذلت کو برداشت کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھا، اسی "فرضی تضاد" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں پوچھا گیا ہے:

اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور

مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ خود فرشتوں کو بیٹیاں بنائی ہیں۔ بیشک تم بڑی سخت بات

قَوْلًا عَظِيْمًا (بنی اسرائیل-۴) کہتے ہو۔

اور خبر کے رنگ میں اسی کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا گیا ہے:

يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں سبحان اللہ اور اپنے

مَّا يَشْتَهُوْنَ. (النحل-۷) لیے چاہتی چیز۔

بچیوں کا بے رحمانہ قتل

یہ احساس تھا جاہلیت میں غریب لڑکیوں کے متعلق، پھر کونسا تعجب ہے اگر اکثر لوگ اس ذلت سے بچنے کے لیے بچیوں کو مار ڈالتے ہوں۔ انہی سنگ دلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ، بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ اور جس وقت لڑکی سے جو زندہ درگور کردی گئی تھی پوچھا جائے

(التکویر-۱) کہ وہ کس قصور کے بدلے ماری گئی۔

علاوہ ذلت و رسوائی کے قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاشی دشواریوں کا غلط احساس بھی "قتل اولاد" کے جرم کا لوگوں کو مجرم بنائے ہوئے تھا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں حکم دیا گیا:

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ. (الانعام-۱۹)	اپنی اولاد کو ناداری کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا. (بنی اسرائیل)	اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو، کیونکہ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بیشک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہی غیر فطری حرکات کی وجہ سے عورتوں کی تعداد جاہلیت میں گھٹتے ہوئے اس حد کو پہنچ گئی تھی، جو حال ہندوستان کی بعض قوموں میں "دختر کشی" کی ظالمانہ رسم نے پیدا کر دی ہے۔ یعنی بھاری بھاری قیمتیں ایک ایک عورت کی ان کو ادا کرنی پڑتی ہیں اور یوں "نسوانی وجود" کو ان میں بھی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے، جیسے عرب جاہلیت کی بعض روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ "بیوی" کو بڑی قدر کی نگاہ سے وہ دیکھتے تھے۔ لیکن اس کا مطلب وہی تھا کہ اس کے حاصل کرنے میں کافی قیمت صرف کرنی پڑتی ہے

عفت و عصمت کی بربادی مگر جاہلیت کے جس دور کے لوگوں پر قرآن میں اس حکم کے نافذ کرنے کی ضرورت ہوئی یعنی

لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. (نور-۴)	اپنی لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور نہ کرو، بالخصوص اس وقت جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں (سوچو تو یہ صرف اس لیے کہ تم کو دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ حاصل ہو جائے۔

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "نسوانیت" کا مقام ان کی نظروں میں کیا تھا؟

بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں عورتیں رہن بھی رکھی جاتی تھیں۔ محمد بن مسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں جب کعب بن الاشرف کے یہاں گیا اور غلّہ قرض دینے کی درخواست کی، تو اس نے کہا:

قال ارھنونی نساء کم قالوا کیف نرھنك نساءنا وانت اجمل العرب (بخاری باب قتل کعب بن الاشرف)	اس نے کہا تم اپنی عورتوں کو میرے پاس گرو کر دو، ان قرض طلب کرنے والوں نے کہا آپ کے یہاں ہم اپنی عورتیں کیسے گرو کر سکتے ہیں جبکہ آپ عرب میں سب سے خوبصورت ہیں۔

اس واقعہ سے بھی اندازہ لگائیے کہ عورتیں کتنی مظلوم تھیں، اور ان کی عصمت کتنی سستی خیال کی جاتی تھی۔ جاہلیت میں نکاح کا نام تو ضرور تھا، مگر اس کی حالت کیا تھی، کہنا چاہیے اس کی اکثر صورتیں زنا کی تھیں، ورنہ اتنی بات تو بہر حال ہے کہ عورت کی عفت و عصمت کی کوئی قدر نہ تھی۔

جاہلیت کے نکاح اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں:۔

(۱) ایک طریقہ تو یہی تھا جو آج کل رائج ہے۔

(۲) اپنی منکوحہ بیوی سے مرد کہتا کہ حیض کا خون تیرا جب بند ہو جائے، تو پاکی حاصل کرنے کے بعد تو فلاں مرد کے پاس چلی جا، اور اس سے فائدہ حاصل کر، یعنی اس غیر مرد سے ہم بستر ہو۔ اور اتنی مدت شوہر اپنی اس عورت سے علیحدہ رہتا، جب تک اس کی عورت کو غیر مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا، چنانچہ جب غیر مرد کا حمل نمودار ہو جاتا، اب اگر شوہر کی خواہش ہوتی تو اپنی بیوی کے پاس جاتا، ایسا جاہلیت میں اس لیے کرتے تھے کہ لڑکا نجیب ہو، اس کو نکاح استبضاع کہا جاتا تھا، گویا "تخم" حاصل کرنے کا یہ ایک طریقہ تھا۔

(۳) تیسری شکل یہ تھی کہ ایک عورت کے پاس متعدد مرد آتے اور لطف اندوز ہوتے، مگر ان کی تعداد دس سے کم ہوتی، عورت کو جب حمل ظاہر ہوتا، بچہ پیدا ہوتا اور پیدا ہوئے کچھ دن گزر جاتے، تو یہ

عورت اُن تمام مردوں کو قاصد کے ذریعہ بلا بھیجتی، کوئی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ جب سب جمع ہو جاتے، یہ عورت کہتی، تم اپنے معاملے سے واقف ہو کہ میرے پاس وطی کے لیے آیا کرتے تھے۔ میرے بچہ پیدا ہوا ہے، اے فلاں شخص! یہ تیرا بچہ ہے، تم اپنی پسند سے اس کا کوئی نام رکھو، چنانچہ یہ لڑکا اس شخص کا ہو جاتا تھا جس کا عورت نام لیتی۔ مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

(۴) کچھ عورتیں ایسی تھیں جن کے دروازوں پر جھنڈے گڑے رہتے، یہ بازاری پیشہ ور عورتیں تھیں، جس کا جی چاہتا ان کے پاس جاتا، جب ان کے کوئی بچہ پیدا ہوتا، تو تمام لطف اندوز ہونے والے جمع ہوتے اور قیافہ شناس بلایا جاتا اور وہ اپنے علم پر جانچ کر اس بچہ کو ان مردوں میں جس کا کہہ دیتا وہ بچہ اسی کا ہو جاتا، مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ ان صورتوں کو بیان کر کے فرماتی ہیں کہ تمام ناجائز صورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بند کیا۔

فلما بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالحق ← محمد رسول اللہ صلعم جب حق لے کر مبعوث ہوئے تو آپ نے هدم نکاح الجاھلیۃ کلہ الا نکاح الناس الیوم۔ جاہلی نکاحوں کو بند کیا، صرف اس نکاح کو باقی رکھا جو آج رائج ہے۔ (بخاری مصری کتاب النکاح ج ۳ ص۱۹)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں عورتوں کی عصمت و عفت اپنی قدرتی قدر و قیمت سے محروم ہو چکی تھی، جہاں اپنی رضامندی سے شوہر ہی اپنی بیویوں کو اجنبی مردوں سے تخم حاصل کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، اسی سے اندازہ کیجیے کہ عورت اور اس کی عفت و عصمت کے متعلق جاہلی احساسات، دناءت و رذالت کے کن حدود تک پہنچ چکے تھے، واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد یہ سمجھتا تھا کہ عورت مہر کے عوض میرے ہاتھ بک گئی، اور یہی وجہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے بعد وہ مال متروکہ بن جاتی تھی۔

نسوانی ناموس کا حشر غیر اقوام میں

یہ تو آپ نے جاہلیت کی ظلمت میں عرب کا حال دیکھا، اب بتانا ہے کہ عرب سے باہر عورتوں کے ساتھ اور ان کی عفت و عصمت کے ساتھ کیا سلوک برتا جاتا تھا، اس

سلسلہ میں ایک مشہور غیر مسلم ڈاکٹر گستاؤلی بان کی شہادت ملاحظہ فرمائیے "یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے..... اگر کسی عورت کا بچہ خلافِ فطرت پیدا ہوتا، تو اس کو مار ڈالتے تھے[1]

اسپارٹا میں اس بدنصیب عورت کو جس سے کسی قومی سپاہی کے پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی مار ڈالتے تھے، جس وقت کسی عورت کے بچہ ہو چکتا تھا تو فوائد ملکی کی غرض سے اُسے (عورت کو) دوسرے شخص کی نسل لینے کے لیے اس کے خاوند سے عاریتاً لے لیتے"[2]

یونانی اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن کے زمانہ میں بھی بجز طوائف کے کسی عورت کی قدر نہیں کرتے تھے[3]

"عہد قدیم" کے باب واعظ میں لکھا ہے "جو کوئی خدا کا پیارا ہے، وہ اپنے کو عورت سے بچائیگا ہزار آدمیوں میں سے میں نے ایک خدا کا پیارا پایا ہے، لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی، جو خدا کی پیاری ہوتی"[4]

روم میں "مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی..... جس کا معاشرت میں کوئی حصہ نہ تھا..... اور شوہر کو پورا حق اس کی جان پر بھی حاصل تھا۔ اور یہی حال یونان کا تھا"[5]

یہودی قانون توریت استثنار باب ۲۵ نمبر ۵ تا ۱۰ میں ہے:۔

"اگر دو بھائی یکجا رہتے ہوں، اور ان میں سے ایک بے اولاد مر جائے، تو اس متوفی کی بیوی کا بیاہ کسی اجنبی سے نہ کیا جائے بلکہ اُس کے شوہر کا بھائی اس سے خلوت کرے اور اسے اپنی بیوی بنائے اور بھاوج کا حق اُسے ادا کرے، اور یوں ہوگا کہ پہلوٹھا جو اس سے پیدا ہو، تو اس کے متوفی بھائی کے نام کا شمار ہوگا، تاکہ اس کا نام اسرائیل سے نہ مٹ جائے، اگر یہ شوہر بننے سے انکار کرے تو اس کے بھائی کی بیوی بجوں کے سامنے، اس کے نزدیک اپنے پاؤں کی جوتی نکالے اور اس کے منہ پر تھوک دے اور جواب دے اور کہے کہ اس شخص کے ساتھ جو اپنے بھائی کا گھر نہ بنائے یہی کیا جائے گا اور اسرائیل میں اس کا نام یہ رکھا جائے کہ یہ اس شخص کا گھر ہے جس کا جوتا نکالا گیا"[6]

---

[1] تمدن عرب ص ۲، ۳ [2] ایضاً ص ۳ [3] ایضاً ص ۳، ۴ [4] ایضاً [5] ایضاً [6] حاشیہ اسلام کے سیاسی نظریے

کتاب مقدس میں لکھا ہے "عورت موت سے زیادہ تلخ ہے۔"[1]

ہندو قانون ہندوؤں کے قانون میں عورت اور اس کی عفت و عصمت کی کیا قدر تھی، اس سلسلہ میں پہلے "ستیارتھ پرکاش" مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج کے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

"بیاہ آٹھ قسم کا ہوتا ہے: ایک براہم، دوسرا دیو، تیسرا آرش، چوتھا پرجاپت، پانچواں آسُر چھٹا گاندھرب، ساتواں راکشش، آٹھواں پیشاچ ــــ ان بیاہوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) دولہا دلہن کامل برہمچاری، پورے فاضل دھارمک اور نیک سیرت ہوں، ان کا باہم رضامندی سے بیاہ ہونا "براہم" کہا جاتا ہے۔

(۲) بڑے یگ میں عمدہ طور پر یگیہ کرتے ہوئے داماد کو زیور پہنی ہوئی لڑکی دینا "دیو"

(۳) دولہا سے کچھ لے کر دواہ ہونا "آرش"

(۴) دونوں کا بیاہ دھرم کی ترقی کے لیے ہونا "پرجاپت"

(۵) دولہا دلہن کو کچھ دے کر بیاہ کرنا "آسُر"

(۶) بے قاعدہ، بے موقع کسی وجہ سے دولہا دلہن کا بارضی میل ہونا "گاندھرب"

(۷) لڑائی کر کے جبراً یعنی چھین جھپٹ کر یا فریب سے لڑکی حاصل کرنا "راکشش"

(۸) سوئی ہوئی یا شراب وغیرہ پی کر بے ہوش ہوئی، یا پاگل لڑکی سے بالجبر ہم بستر ہونا "پیشاچ" بیاہ کہلاتا ہے۔"[2]

خاندان کی یا چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی کا رواج ہندوستان قدیم کا ایک جانا پہچانا رواج ہے۔[3] منوسمرتی ادھیائے ۹ نمبر ۵۹ کا خلاصہ یہ ہے:

"برہمنوں کے یہاں نیوگ کا رواج ہے کہ اولاد کے نہ ہونے کی صورت میں خسر وغیرہ کے حکم کو پا کر عورت رشتہ دار سے، یا دیور سے اولاد حسب دلخواہ حاصل کرے۔"[4]

---

[1] تمدن عرب۔ ص ۳۰۳ [2] ستیارتھ پرکاش باب ۴ ص ۱۱۷۔ ۱۱۸ [3] تمدن عرب صفحہ ۳۴۸ [4] حاشیہ اسلام کے معاشی نظریے ص ۲۱۸

"ستیارتھ پرکاش" میں ہے:-

"بانجھ عورت ہو تو آٹھویں برس (بیاہ سے آٹھ برس تک عورت کو حمل نہ ٹھہرے) اور ہو کر مرجائے تو دسویں برس، جب جب اولاد ہو، تب تب لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو گیارہویں برس تک۔ اور جو بدکلام ہونے والی ہو تو جلدی ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کرلے۔"[1]

"ویسے ہی اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہیے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کرا اولاد پیدا کرکے اسی بیاہے خاوند کی وارث اولاد کرے۔"[2]

جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو، تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ "اے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنے والی عورت! تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر، کیونکہ اب مجھ سے اولاد نہ ہوسکیگی۔ تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کرکے اولاد پیدا کرے، لیکن اس بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے ——— ویسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو تب اپنے خاوند کو اجازت دے ..... کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کیجیے۔"[3]

نیوگ کے اور بھی بیسیوں مواقع اس کتاب میں مذکور ہیں۔ یہ تو شادی بیاہ کا حال تھا اب عورت کی ذات کے متعلق بھی سُنیے:-

"ہندوؤں کا قانون کہتا ہے: تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ، ان میں سے کوئی اس قدر خراب نہیں، جتنی عورت۔"[4]

"منو کا قانون کہتا ہے عورت صغرسنی میں باپ کی مطیع ہے، جوانی میں شوہر کی، اور شوہر کے بعد اپنے بیٹوں کی، اور اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے اقرباء کی، کیونکہ کوئی عورت ہرگز اس لائق نہیں کہ خود مختار طور پر زندگی بسر کرسکے۔"[5]

---

[1] ستیارتھ پرکاش باب ۴ ص ۱۵۲ و ۱۵۳ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۵۲ [4] تمدن عرب ص ۳۷۳ [5] ایضاً

ظہور اسلام سے پہلے ہندوستانی مقنن قدیم نے اس بے اعتباری کو صاف ظاہر کیا ہے کہ کسی عورت کو زانیہ کہنے کے لیے اس قدر کافی ہے کہ وہ کسی مرد کے ساتھ اتنی دیر علیحدہ رہی ہو جتنی دیر میں انڈا تلا جا سکتا ہے۔[1]

مسیحی قانون ترتولیان مسیحیت کے ابتدائی دور کا امام ہے، وہ مسیحی تصور کی ترجمانی ان لفظوں میں کرتا ہے:

"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجر ممنوع کی طرف لیجانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی، اور خدا کی تصویر، مرد کو غارت کرنے والی ہے۔"[2]

کرائی سوسٹم جو ایک بڑا مسیحی امام شمار کیا جاتا ہے، عورت کے حق میں کہتا ہے:

"ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارتگر دلربائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے۔"[3]

عورتوں سے متعلق مروجہ فقرے عورتوں کے متعلق مختلف ملکوں میں جو مروجہ مثالی فقرے ہیں اُن سے بھی عورتوں کی قدر و منزلت پر روشنی پڑتی ہے:

روسی مثل ہے "دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے"

اطالیوں کا قول ہے "گھوڑا اچھا ہو یا بُرا، اُسے مہمیز کی ضرورت ہے، عورت اچھی ہو یا بُری اُسے مار کی ضرورت ہے۔

اسپینی زبان میں مثل ہے "بُری عورت سے بچنا چاہیے، مگر اچھی صورت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔"[4]

غیر مذاہب میں ازدواجی تعلقات اسلام سے پہلے مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق کو اخلاق و روح اور اس کی ترقی کے لیے رکاوٹ تسلیم کیا جاتا تھا۔ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی تحریر فرماتے ہیں اور حوالہ کے ساتھ لکھتے ہیں۔

"اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب تھے، ان سب میں عورت کو اور عورت و مرد کے ازدواجی

---

[1] تمدن عرب ص ۳۴۲، [2] پردہ از مولانا مودودی ص ۱۲، [3] ایضاً [4] دیکھیے تمدن عرب ص ۳۰۳۔

تعلق کو بہت حد تک اخلاق و روح کی ترقی مدارج کے لیے لائق و مانع تسلیم کیا گیا تھا ہندوستان میں بودھ، جین، ویدانت، جوگ اور سادھوپن کے تمام پیرو اسی نظریے کے پابند تھے، عیسائی مذہب میں تجرد اور عورت سے بے تعلقی ہی کمال روحانی کا ذریعہ تھا[1]

یہ سارے اقتباسات اس لیے نقل کرنے کی زحمت برداشت کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ عورتوں کی عفت و عصمت اور خود ان کی ذات کے متعلق مذاہب و ادیان کی ماننے والی امتوں کا حال کیا ہو گیا تھا۔

اسلام کی اصلاحی جد وجہد عورتوں کے حق میں

ان ہی گھنگھور گھٹاؤں میں اسلام کا آفتابِ عالمتاب طلوع ہوا، اور اس نے اپنی نورانی کرنوں سے اس "ظلمت کدہ" دنیا کو "صبح سعادت" سے ہم آغوش کیا، بچھڑی ہوئی انسانیت خاک دھول سے اٹھائی گئی، سینہ سے لگائی گئی اور مظلوموں کو سر اٹھانے کا موقع ملا۔

افراط و تفریط ختم ہوئی، اعتدال کے فطری نقطہ پر اسلام نے انسانوں کو لاکر کھڑا کر دیا، جس کا جو حق تھا، وہی حق اس کو دلایا گیا، جور و ستم کی چکیوں میں پسنے والی صنف نازک (عورت) کو بھی پوری قوت کے ساتھ اسلام نے اپنے دامنِ حمایت کے سایہ میں لیا، ناموسِ نسوانی کی قدر و قیمت کے سوال کو زندہ کیا گیا، اس راہ میں کسی قسم کی چشم پوشی روا نہ رکھی گئی، بدکاری اور بے آبروئی کے جتنے سرچشمے تھے، ایک ایک کر کے بند کیے گئے، ازدواجی تعلقات کے آئین و قانون حدود میں لاکر جنسی میلانات کو اعتدال و ضابطہ کا پابند بنایا گیا، اور نسلِ انسانی کے اضافہ کی صحت بخش طریقے نافذ کیے گئے، عائلی زندگی خوشگوار ماحول کے قالب میں ڈھالا گیا۔ بجائے لعنت کے عورت رحمت و سکینت کا مظہر ٹھرائی گئی، ترکِ نکاح کی راہبانہ نظریہ کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ازدواجی زندگی پر زور دیا گیا، اور اسے ضروری قرار دیا گیا۔

---

[1] سیرت النبی جلد ششم۔ ص ۱۷۱۔

عورتوں کی حیثیت کا اعلان پہلا قرآنی مشورہ نسوانی حقوق کے سلسلہ میں جس کا اعلان کیا گیا یہ تھا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي	اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم سب کو ایک
خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ	جاندار سے پیدا کیا۔ اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا	اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں
وَنِسَاءً (النساء ۱)	

حاصل جس کا یہی ہوا کہ مرد اور عورت ایک ہی سرچشمہ کی دو موجیں ہیں "انسانیت" کی حد تک دونوں میں کمی و بیشی کے خیالات کا تعلق واقعہ سے نہیں، بلکہ صرف وسوسہ سے ہے۔

اس آیت میں بھی حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ عورت جس کو مرد انسانیت سے خارج سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے از سرتا پا غلط ہے، ان دونوں کی ایک ہی جان سے پیدایش ہے اور پھر انہی سے مرد و عورت کی یہ بہتات ہے، عورت کوئی جداگانہ الگ مخلوق نہیں، وہ بھی انسان ہی ہے، جیسے مرد انسان ہیں۔ عورت و مرد دونوں کا منبع و مخرج ایک ہی ہے، پھر ان دونوں میں تفاوت ذاتی کیونکر ہو سکتا ہے، بلکہ اس نسبت سے ہر ایک کو دوسرے کی قربت پر فخر کرنا چاہئے اور اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھنا چاہیے۔ بلکہ مشہور قرآنی آیت

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ	اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے
وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ	پیدا کیا، اور تمہاری ذاتیں برادریاں بنائیں تاکہ تم
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ	ایک دوسرے کو پہچان سکو، ورنہ اللہ کے نزدیک تم میں
أَتْقَاكُمْ (الحجرات ۲)	بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے۔

سے جہاں دوسرے نتائج پیدا ہوتے ہیں، وہیں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ کوئی مرد ایسا نہیں ہے جس کی پیدائش میں عورت کی شرکت نہ ہو، ایسا مرد جو صرف مرد ہی سے پیدا ہوا ہو اس کا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟ پھر مرد کو کیا حق ہے کہ مردوں کو تو باعزت اور عورت کو حقیر و ذلیل سمجھے، انسانی جسم کی بناوٹ میں مرد کے ساتھ عورت کا حصہ بھی شریک ہے، بلکہ طبی تحقیقات سے

تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت ہی کا حصہ اس کی تعمیر میں زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ اللہ، اللہ! عورت جب ماں بن کر بچے کو اپنے پیٹ میں رکھتی ہے، پھر اُسے جنتی ہے، پرورش کرتی ہے، دودھ پلاتی ہے۔ ذرا سوچیے بھی تو کہ مرد اس کے مقابلہ میں "بچے" کے لیے کچھ بھی کرتا ہے؟ عورت ہی کے پیٹ میں ہم شکل و صورت پاتے ہیں، اس میں ہماری جان کا تعلق ہمارے جسد کے ساتھ قائم ہوا، بھلا اسی عورت کا وجود ننگ و عار بن جائے؟ کوئی بات ہو، عورت ہی نے اس وقت ہماری تربیت و پرداخت کی، جب ہم میں چلنے پھرنے کی سکت نہ تھی، بولنے اور اپنی تکلیف و ضرورت کہنے کی طاقت نہ تھی، اسی نے ہم کو چلنے کی قوت عطا کی، بولنے کی صلاحیت بخشی اور اسی جنس نے سن شعور تک ہماری خدمت کی، با ایں ہمہ عورت ذلیل و حقیر ہوگئی؟ تف ہے اس عقل پر جو یہ سوچے، پھٹکار ہے اس زبان پر جو اس خیال کو ظاہر کرے، اور ملعون ہے جو اپنے دل میں اس قسم کے بیہودہ وسوسوں کو پالے۔

بہر حال یہ اور اس طرح کی دوسری قرآنی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہی بتایا ہے کہ عورت باعثِ حقارت ہرگز نہیں ہے، ذاتی شرف و مکرمت میں مرد سے کسی درجہ میں کم نہیں لہذا عورتوں کو جانور کی طرح ناجائز استعمال کرنا، اور ان کے ناموس کو زرکشی کا آلہ بنا لینا انسانیت کی توہین اور آدمیت کی تحقیر کی بدترین شکل ہے۔

عورتوں کا مقصد انسانیت میں کلی اشتراک کے باوجود، دونوں صنفی جنسوں کے اندر بعض عضوی اختلافات میں حکیم کی جو حکمتیں پوشیدہ ہیں، یوں بھی ان سے کوئی ناواقف نہیں ہے، ماسوا اس کے اپنی کاریگریوں کے بھید کو کاریگر جتنا زیادہ جانتا ہے جو کاریگر نہیں ہے وہ اس کی تہوں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ صدق مولٰنا الکریم

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ	آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، جو
مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ	چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عنایت کرتا
يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ	ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عنایت کرتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں

ذُکرَانًا وَّاِنَاثًا وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ — دونوں قسم کی اولاد دیتا ہی اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بناتا ہے
عَقِیْمًا اِنَّہٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ (شوریٰ - ۵) — بیشک وہ جاننے والا قدرت والا ہے۔

پھر بچی کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھانے کی ضرورت اور منہ بگاڑنے کا حاصل۔ یہ تو انسان کی خام عقلی ہے کہ رحمت کو اس نے اپنے لیے زحمت خیال کر رکھا ہے، اگر یہ بچیاں بڑھ کر عورت نہ بنیں اور تمہاری شادیاں نہ ہوں تو بتاؤ یہ بچے یہ تو مند لڑنے والے جوان کہاں سے آئیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی ماں نے جب منت مانی، اور ان کے خلاف توقع لڑکے کی جگہ بچی پیدا ہوئی تو حسرت سے کہنے لگیں:

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُھَآ اُنْثٰی (آل عمران - ۴) — اے پروردگار! میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی

پروردگار! یہ تو میرے بچی ہوئی، میری مراد نہ برآئی۔ جس مقدس کام کی منت مانی تھی اس میں تو لڑکے کا کام تھا، لڑکی قبول نہیں کی جاتی۔ رب العالمین نے ام مریم کی یہ حسرت بھری آواز سنی تو فرمایا:

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی. (آل عمران - ۴) — اس کو اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں جو انہوں نے جنی اور لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں ہو سکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق جانتا ہے کہ اس لڑکی کے برابر لڑکا نہیں ہو سکتا ہے۔ جو خیر و برکت اور جو خاندانی اعزاز اس لڑکی سے حاصل ہوگا، لڑکے سے نہیں ہو سکتا تھا تم نے اپنی انسانی روش سے سوچا اور گھبرا گئیں۔ رب العالمین جو کام اس لڑکی کے ذریعہ لینے والا ہے، وہاں تک تمہاری رسائی نہ ہو سکی۔

مستقبل نے بتایا کہ مریم علیہا السلام کا وجود خود ام مریم کے اعزاز کے لیے اور دنیا کی فلاح اور نجات کے لیے کتنا مبارک وجود ثابت ہوا۔ انہی مریم علیہا السلام سے عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) نے جنم لیا، اور بالآخر دنیا کو حق کا پیغام سنایا، اور کتنوں کی نجات کا باعث ہوئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسیح علیہ السلام کو جنم دینے والی عورت مسیح پر ایمان لانے والوں کی نگاہوں میں شیطان کے آنے کا راستہ، ناگزیر برائی وغیرہ کیسے ہو گئی؟

قتل کی روک تھام پھر اسلام نے آکر لڑکیوں کے قتل سے روکا فقر و فاقہ کا خوف ان کے دل سے نکالا، "الرزاق" کی "قوت متین" پر اعتماد کا جذبہ پیدا کیا، اور اعلان کر دیا گیا کہ

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (الانعام - ۱۹)

تم اپنی اولاد کو افلاس کے سبب سے قتل نہ کیا کرو۔ ہم ان کو اور تم کو رزق دینگے۔

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا۔ (اسراء - ۳)

تم اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو، ہم ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بیشک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قتل اولاد سے بالکلیہ روک دیا، لڑکا ہو، یا لڑکی، کسی کا قتل شریعت نے جائز نہیں رکھا، اور انسان کی اس جرات کو برداشت نہ کیا، فقر و فاقہ کا موہوم خیال ان کے دل سے نکالا، اور یقین دلایا کہ رزق اور روزی دینے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے، موجودہ غربت میں تم سوچتے نہیں کہ کہاں سے کھاتے ہو، کس طرح تم کو روزی ملتی ہے؟ رب العزت روزی کا انتظام کر کے آئندہ نسلوں کو پیدا کرتے ہیں، علیم و قدیر کے بجٹ (میزانیہ) میں گنجائش نہ ہو، اور لوگوں کو پیدا کرتا چلا جائے۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خدا خدا نہیں، بلکہ کوئی بگڑا امیر، نواب یا راجہ ہے، جس کے خزانہ میں تنخواہ دینے کے لیے روپیہ نہیں مگر لوگوں کو نوکر رکھتا چلا جاتا ہے، براہ راست "رزقی ضمانت" کا یہ لاہوتی وثیقہ جب نازل ہو چکا ہے کہ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (ہود - ۱)

جتنے زمین میں چلتے پھرتے ہیں سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

تو اب اس کے بعد سوچنے والے جو کچھ سوچتے ہیں، خدا کا انکار ہی کر کے سوچتے ہیں۔

لڑکیوں سے حسن سلوک کی ترغیب اسلام نے اتنا ہی کر کے نہیں چھوڑ دیا کہ عورت کو اس کا صحیح مقام عطا کیا، لڑکیوں کا قتل بند کر دیا، اور رزق کا اندیشہ جو انسان کو کھائے جا رہا تھا، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کا سبق دے کر اس فکر سے کنارہ کش کر دیا، بلکہ جہاں موقعہ ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ قیامت میں میرے ساتھ ہوگا، اور اتنا قریب ہوگا جتنی آپس میں یہ انگلیاں نزدیک ہیں، اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا[۱]

حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے پاس ایک عورت آئی، جو اپنے ساتھ دو لڑکیوں کو بھی لیے ہوئی تھی۔ غریب و بیکس تھی، اس نے مجھ سے سوال کیا۔ میرے پاس صرف ایک چھوارا تھا، وہی مانگنے والی عورت کو دے دیا، اُس نے چھوارا لے کر دو حصے کیے اور آدھا آدھا دونوں بچیوں کو دے دیا، خود کچھ نہ کھایا، پھر وہ اٹھی اور چلی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اندر تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ آپ سے بیان کیا، سن کر فرمایا، جو بھی ان لڑکیوں کے لیے تکلیف جھیلتا ہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے ان کے لیے یہ لڑکیاں دوزخ کی آگ سے ڈھال بن جائینگی[۲]۔ یعنی دوزخ کی آگ لڑکیوں کی پرورش کرنے والوں کو نہ جلائیگی۔

مندرجہ بالا دلنشین اندازِ بیان کو پڑھیے اور غور کیجیے اسلام نے ان بچیوں کی پرورش اور اچھی پرورش و پرداخت کی کتنی ترغیب دی ہے، اور انسان کو کتنے اچھے پیرایہ میں سمجھانے کی کوشش کی ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رض ایک دفعہ کا اور واقعہ بیان کرتی ہیں کہ ایک غریب عورت آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں۔ اس مرتبہ میں نے اس عورت کو تین کھجوریں دیں، اس ماتا بھری ماں نے ایک ایک کھجور دونوں لڑکیوں کو دی اور تیسری خود کھانے کے لیے اُٹھائی، مُنہ تک لا چکی تھی کہ دونوں لڑکیوں نے پھر مانگا۔ اس عورت نے خود نہ کھائی اور اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے جسے خود کھانا چاہ رہی تھی اور آدھی آدھی کھجور دونوں لڑکیوں کو دے دی، حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ اس کی یہ ادا مجھ کو بہت بھائی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے ماتا کی ماری ماں کا یہ اثر انگیز قصہ آپ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا:

---

[۱] ریاض الصالحین للنووی عن مسلم ص۱۳۶ [۲] ایضاً عن البخاری و مسلم

إن الله قد أوجب لها بها الجنة وأعتقها	ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لیے جنت
بها من النار۔ رواہ مسلم (ریاض الصالحین ۱۲۷)	واجب کردی اور ان بچیوں کی وجہ سے اسے دوزخ سے آزاد کردیا۔

یہ شان تھی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی، اور اسلام کی نظر میں یہ عزت افزائی تھی عورتوں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر اخیر تک یہ فرمایا لوگو! خبردار ہوجاؤ، میں تم کو دو کمزوروں کے حقوق کی تاکید کرتا ہوں، اور اس میں کوتاہی کرنے سے ڈراتا ہوں۔ ایک یتیم اور دوسرے عورت[1]

یہ سارا اہتمام اس لیے تھا کہ عورتوں کا ناموس، ان کی عزت وعفت محفوظ رہ سکے، سماج میں وہی مقام ان کو دلایا جائے جس کی قدرتی طور پر عورتوں کی صنفِ نازک مستحق تھی۔ لوگ ان کو گری پڑی چیز نہ خیال کریں، پھر خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے آکر بیان کیا تھا کہ "جاہلیت میں میں نے دس لڑکیاں اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کی ہیں"۔ کسی نے کہا کہ "میں نے اپنی بچی کو بلایا، وہ ہنستی دوڑتی میرے ساتھ آئی، اور جب ایک کوئیں کے پاس پہنچی تو میں نے ہاتھ پکڑ کر کوئیں میں ڈال دیا، وہ میرے ابا میرے ابا پکارتی رہی" یہ سن کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اتنا روئے کہ ریشِ مبارک تر ہوگئی[2]

یہی وہ گواہیاں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ جہان کے ہادی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں ہی کے نہیں، بلکہ عورتوں کے بھی پیغمبر اور رسول ہیں۔ مردوں ہی کے لیے نہیں روتے تھے بلکہ عورتوں کی مظلومیت بھی آپ کو رُلا دیتی تھی۔

میراث میں عورت کا حصہ اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن میں یہ اعلان کرکے

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ	اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے میراث کے بارے
حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ	میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے اور
اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ	اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان کو کل

---

[1] ریاض الصالحین ص ۱۲۷
[2] یہ دونوں واقعے تفصیل سے سیرۃ النبی جلد ششم میں بعنوان "اولاد کا حق" دیکھیے۔

وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (النساء-۲) کو دو تہائی ملیگا اس مال کا جو مورث چھوڑ کر مرا ہے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملیگا۔

عورت کو شاید پہلی دفعہ اس کا موقع دیا گیا کہ اپنے مملوکہ مال و جائداد کی بدولت چاہے تو مردوں کی دستگیری کے بغیر ہی راحت و آرام کی زندگی بسر کر سکتی ہے۔

لڑکیاں جواب تک میراث سے محروم تھیں ان کو اسلام نے میراث دی۔ غور فرمائیے:

"للذکر مثل حظ الانثیین" لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر، محور لڑکی کو قرار دیا جا رہا ہے، پیمانہ لڑکی کا حصہ نہیں، لڑکی کا حصہ بن رہا ہے۔ اسلام نے لڑکیوں کو جب یہ حق دیا تو بہت لوگوں کو تعجب ہوا کہ ان لڑکیوں کو بھی حصہ ملیگا جو جنگ نہیں کر سکتیں، اور حصہ بھی اتنا زیادہ۔

مگر اسلام آیا ہی تھا دنیا میں حقداروں تک ان کے حقوق کو پہنچانے کے لیے، ظلم و جور کے قصروں کو ڈھانے کے لیے اور اس دین کا منشا رہی تھا کہ "ملکیت کا اقتدار مردوں ہی کا مخصوص امتیاز نہیں ہے، بلکہ اس اقتدار میں عورت بھی مرد کی شریک ہے۔ اس حقیقت کا اظہار قرآن میں ان الفاظ بھی کیا گیا ہے کہ

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (النساء-۱)	اس چیز میں جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابتدار چھوڑ جائیں مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی۔ جو حصہ قطعی طور مقرر ہے خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر۔

ماں کی حیثیت سے عورت کسی قالب میں ہو، ماں ہو، بیٹی ہو، بیوی ہو محض عورت ہونے کی وجہ سے ملکی اقتدار سے محروم نہیں ہو سکتی۔ ماں کا ذکر کر کے فرمایا گیا:

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ	میت کے ترکہ میں اگر میت کے کچھ اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا چھٹا ہے اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں

الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ ۔ (النساء - ۲)

تو اُس کی ماں کا ایک تہائی ہے، اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو اُس کی ماں کو چھٹا حصہ ملیگا۔

اس آیت میں جہاں باپ کو وارث قرار دیا گیا ہے، وہیں ماں بھی وارث ٹھہرائی گئی ہے، کہیں تہائی حصہ، اور کہیں چھٹا حصہ، مگر ایسا نہیں کیا کہ ماں چونکہ عورت ہے اس لیے وہ محروم الارث ہے اور حصہ پانے کی حقدار نہیں۔

بیوی کی حیثیت سے عورت نے لڑکی ہونے کی حیثیت سے بھی حصہ لیا، اور ماں ہونے کی حیثیت سے بھی حقدار ٹھہری، اب ملاحظہ کیجیے بیوی ہو کر بھی وہ حصہ پاتی ہے، یہاں بھی وہ محروم نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۔ (النساء - ۲)

اس ترکہ میں سے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اور ان کے کچھ اولاد نہ ہو تو تم کو آدھا ملیگا اور اگر ان کے کچھ اولاد ہو تو تم کو اُن کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملیگا، بہرحال یہ میراث وصیت کر گئی ہوں تو وصیت اور دین کی ادائیگی کے بعد ملیگی، اور جس کو تم چھوڑ جاؤ اور تمہارے کوئی اولاد نہ ہو تو ان بیبیوں کو ترکہ کا چوتھائی ملیگا۔ اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو اُن کو تمہارے ترکہ میں آٹھواں حصہ ملیگا، مگر یہ میراث تمہاری وصیت پوری کرنے اور دین کی ادائیگی کے بعد ملیگی

دیکھ رہے ہیں جیسے شوہر کو بیوی کا وارث گردانا گیا ہے ٹھیک اسی طرح بیوی کو بھی شوہر کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ کوئی نہیں ہے، جو بیوی کو اس کے شوہر کے مال سے محروم کر دے۔

عورت خسارہ میں نہیں اب رہا حصہ کی مقدار کا مسئلہ، سو اگر غور کیا جائے تو حالات کے لحاظ سے بہ نسبت مرد کے عورتیں ہی نفع میں نظر آئینگی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بیوی بیوی بن کر کسی کے گھر جب جاتی ہے خواہ باپ کے گھر سے کچھ بھی لائی ہو، بڑی سے بڑی جائداد کی مالکہ بن کر ہی شوہر

کے گھر کیوں نہ آئی ہو، لیکن باوجود اس کے بیوی اور بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کے سارے مصارف کا قانوناً و شرعاً شوہر ہی ذمہ دار ہے، ایسی صورت میں عورت کو جو حصّہ بھی ملا اس کام کے لیے کافی ہے کہ خدانخواستہ کوئی صورت ایسی پیش آجائے کہ شوہر کی امداد سے وہ محروم ہو جائے تو اتفاقی حوادث کی ان صورتوں میں اپنے مال سے مستفید ہو سکتی ہے، اگر غور کیا جائے تو روپیہ کی جگہ آٹھ آنے بھی اس نقطۂ نظر سے عورت کے لیے کافی و وافی ہیں، اور اسی قسم کی عمیق مصلحتیں آپ کو عورتوں کے دوسرے حصوں کے متعلق نظر آئینگی۔

ماں کے روپ میں عورت کا احترام

پھر ایک، طریقہ سے اور عورتوں کی حرمت و عزت بڑھائی، کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا، اور اس کی محبت جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اس کو جتایا، اور قرآن پاک میں باپ کے ساتھ صراحتہً یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ کبھی "ہوں اور اُف" تک نہ کہو،[1] ظاہر اور باطن دونوں طرح ماں کی عزت کرو، زبان بھی نرم ہو، اور قلب میں بھی جھکاؤ ہو، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً قرآنی اجمال کی تفصیل کرکر کے بتایا کرتے تھے، کبھی فرماتے کہ تمہاری ماں سب سے زیادہ تمہاری تعظیم و تکریم کی مستحق ہے۔[2] ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے، بغیر ماں باپ کی خوشنودی جنت کا دروازہ تم پر وا نہ ہوگا۔[3] یہ اور اس طرح کی بیسیوں حدیثوں میں ماں کی غیر معمولی احترام و تکریم پر زور دیا گیا ہے۔

الغرض اسلام میں عورتوں کا صحیح مقام جب متعین کر دیا گیا اور گذشتہ غلط احساسات کی جگہ یہ ذہن نشین کرا دیا گیا کہ عورتوں کا کام صرف نسل افزائی اور مردوں کی فقط خدمت گزاری ہی نہیں ہے، بلکہ وہ بھی دنیا میں عروج اور قدر و منزلت کی اسی طرح مستحق ہے جیسے مرد، جس کی پوری تفصیل آپ کو فقہ کی کتابوں میں مل سکتی ہے، میں نے صرف چند کلیاتی اشاروں کا بطور ضروری تمہید کے ذکر کر دیا۔ اصل مقصود جسے اس کتاب میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ

---

[1] بنی اسرائیل ع ۳۔ لا تقل لھما اُف ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریما الخ اس میں والدین کی عظمت کا بیان ہے ۱۲ [2] بخاری کتاب الآداب [3] ترمذی کتاب البر والصلہ۔

"نسوانی ناموس" اور "عفت و عصمت" کی حفاظت و نگرانی کے سلسلہ میں جو ضوابط اسلام میں مقرر کیے گئے ہیں، اور آئینی حدود میں لاکر مسلمانوں کی زندگی پر ان کی پابندی لازم کی گئی ہے، اسی مسئلہ پر تبصرہ کروں

عورتوں کی عفت و عصمت کا تحفظ اسلام میں

اس نقطۂ نگاہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ عورتوں کی عصمت اتنی اہم چیز ہے جس کا بدل دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی نہیں بن سکتی عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے دولت صرف ہو سکتی ہے، نہ کہ حصول دولت کے لیے عورتوں کے ناموس کا فروخت کرنا جائز ہو سکتا ہے الغرض جو ہماری "ماں" ہماری "بہن" ہماری "بیٹی" اور ہماری "بیوی" ہے العیاذ باللہ اس کو بیسوا اور بازاری عورت بنا کر رسوا اور ذلیل ہونے پر وہی راضی ہو سکتا ہے، جو اپنی "انسانیت" اور انسانی حمیت و غیرت کا دیوالہ نکال چکا ہو۔

انسانیت سوز رواج کا خاتمہ جاہلیت کا یہ دستور کہ شوہر اپنی بیوی کو غیر مرد کے پاس عمدہ نسل لینے کے لیے بھیج دے۔ ایک عورت نو نو مردوں کو بیک وقت اپنے آپ کو استعمال کرنے کا موقع دے، ان انسانیت سوز، حمیت گداز رواج کا خاتمہ جیسا کہ سن چکے اسلام نے ہمیشہ کے لیے کر دیا، صدیقہ عائشہ رض کا بیان گزر ہی چکا ہے کہ

فلما بعث محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالحق ھدم نکاح الجاھلیۃ کلہ الا نکاح الناس نکاح الیوم (بخاری کتاب النکاح)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حق لے کر مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے کل نکاحوں کی بنیاد ڈھا دی۔ سوائے اس نکاح کے جو آج کل رائج ہے۔

صرف انہی طریقوں کو ہی نہیں رد کیا بلکہ دوسرے ان تمام طریقوں کو بھی حرام قرار دیا جس سے عفت و عصمت پر زو پڑ سکتی تھی، جس سے نسل اور میراث میں گڑبڑ پیدا ہوتی تھی، جس سے صلہ رحمی اور مروت کی شہ رگ کٹتی تھی، اور ان کو زنا کا نام دے کر لوگوں کو آگاہ کر دیا گیا اور قرآن

ہی میں اعلان کیا گیا۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا۔ (اسراء۔۴)

اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بیحیائی کی بات ہے اور برا راستہ ہے۔

زنا اور اس کے مفاسد یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو، بلکہ فرمایا گیا زنا کے قریب بھی مت جانا جس کا مطلب یہی ہے کہ زنا ہی نہیں بلکہ ہر وہ کام یا طریقہ جو زنا کے پہنچے تک پہنچانے والا ہو، سب ہی سے بچنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور اگر غور کیا جائے تو قرآن کے ان ہی اجمالی الفاظ میں بعض لطیف اشارے بھی آپ کو مل سکتے ہیں۔ یعنی فطرت انسانی میں جو نفرت اور برائی کا احساس زنا کے متعلق پایا جاتا ہے اس کی طرف "فاحشۃ" کے لفظ سے ایما فرماتے ہوئے "ساء سبیلا" (برا ہے راہ کے اعتبار سے) کے الفاظ سے اگر سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہی کہ اس سے نسب میں اختلاط اور گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا اثر میراث، مسائل حرمت، حقوق کی پامالی اور اخلاق پر پڑتا ہے۔ اور سلسلہ بہ سلسلہ نہ معلوم یہ کہاں تک پہنچتا ہے۔ امام رازیؒ اس آیت کے ضمن میں زنا کے مفاسد کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"(۱) زنا سے نسب مختلط اور مشتبہ ہو جاتا ہے، آدمی یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ زانیہ کی یہ اولاد کس مرد سے ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بچہ کی پرورش کا کوئی مرد بھی ذمہ دار نہیں بنتا، بچہ ضائع ہو جاتا ہے (یا خود ماں ایسے بچہ کو مار ڈالتی ہے اور پھینک دیتی ہے، یا وہ غریب بچہ سرپرست نہ ہونے کی وجہ سے نتیجۃً تباہ و برباد ہو جاتا ہے) جو عالم کی ویرانی اور انقطاع نسل انسانی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(۲) زانیہ پر دسترس شرعی قانون میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ کسی کے ساتھ باضابطہ اس نے نکاح نہیں کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس عورت پر قبضہ کرنے کی سعی ہر شخص کی جانب سے ہو سکتی ہے، اور وجہ ترجیح کسی کو بھی حاصل نہ ہوگی، پھر اس راہ میں تباہیوں اور بربادیوں کے جو طوفان اٹھتے رہتے ہیں "معاشقہ" اور "آوارگی" کی تاریخوں میں اس کا مطالعہ

کیا جا سکتا ہے۔

(۳) زنا کار عورت کو زنا کی لت پڑ جاتی ہے، طبع سلیم رکھنے والے مرد کو ایسی عورت سے گھن معلوم ہوتی ہے، پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی سلیم الطبع اس سے شادی تک کرنے کے لیے اپنے کو آمادہ نہیں کر سکتا، محبت و الفت تو خیر دور کی بات ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جو عورت زنا میں مشہور ہو جاتی ہے اس سے لوگ عموماً نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور سوسائٹی میں وہ حقیر اور ذلت آمیز نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

(۴) زنا کا جب دروازہ کھل گیا، کوئی مستقل قاعدہ و قانون باقی نہ رہا تو پھر کسی خاص مرد کو کسی خاص عورت سے کوئی خاص لگاؤ باقی نہ رہیگا، جس کو جہاں موقع مل گیا اور جس نے جس کو بلایا، وہاں دونوں مل گئے اور جو کچھ کرنا ہو کر گزریں، اور یہی حال حیوانات کا ہے پھر انسان و حیوان میں فرق ہی کیا رہ جائیگا۔

(۵) عورت سے صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ اس کے پاس پہنچ کر جنسی تقاضے پورے کیے جائیں، بلکہ مقصد یہ بھی ہے کہ دو جان مل کر ایک دوسرے کے رفیق و شریک ہوں، گھر کے کاموں میں بھی، کھانے پینے میں بھی، بچوں کی تربیت و تعلیم میں بھی، اور زندگی کی دوسری ضروریات میں بھی، پھر غم میں بھی اور خوشی میں بھی، تنگ حالی میں بھی۔ اور یہ ساری باتیں اس وقت قطعاً پیدا نہیں ہو سکتی ہیں جب تک عورت کسی ایک کی جائز طریقہ پر ہو کر نہ رہے، اور اس کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ زنا کو بالکلیہ حرام قرار دے دیا جائے اور نکاح کے قانونی دائرہ میں عورت و مرد کے تعلقات کو محدود کیا جائے۔

(۶) ہم بستری پردہ کی بات ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا تذکرہ اشارۃً کیا جاتا ہے، اور کوئی اس کام کو کرتا ہے تو پردہ کی اوٹ میں کہ کسی کی نگاہ نہ پڑنے پائے۔ پس معلوم ہوا کہ اس کو کم سے کم کرنا قرین عقل و قیاس ہے اور اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ جائز طور پر ایک عورت ایک مرد کی ہو کر رہے، ورنہ پھر یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی — یہ چھ خرابیاں وہ ہیں جو بالکل عیاں ہیں[۱]۔

[۱] تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۹۴۔

ایک نوجوان کو آنحضرت صلعم کی نصیحت

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ایک روایت نقل کی ہے جس کے راوی حضرت ابو امامہ (صحابی) رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا بیان ہے کہ ایک نوجوان خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی گستاخی بہت بری معلوم ہوئی۔ چنانچہ اس کو سبھوں نے ڈانٹا اور اس کے اس سوال پر نفرت کا اظہار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوان سے فرمایا "قریب آجاؤ۔ وہ قریب آگیا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ گیا۔ اب آپ نے اس کو سمجھانے کے لیے سوال جواب شروع کر دیئے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: کیا تم اس (زنا کے) کام کو اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟

نوجوان: نہیں یا رسول اللہ

آنحضرت صلعم: دوسرے لوگ بھی اس برائی کو اپنی ماں کے لیے پسند نہیں کرتے۔

〃 〃 : اس زنا کو تم اپنی لڑکی کے حق میں اچھا جانتے ہو؟

نوجوان: میں آپ پر نثار ہوں، نہیں یا رسول اللہ

آنحضرت صلعم: دوسرے لوگ بھی اس بدکاری کو اپنی لڑکیوں کے لیے اچھا نہیں جانتے

〃 〃 : اس برے کام کو اپنی بہنوں کے حق میں برداشت کر سکتے ہو؟

نوجوان: ہرگز نہیں یا رسول اللہ

آنحضرت صلعم: دوسرے لوگ بھی اس گندگی کو اپنی بہنوں کے حق میں برداشت نہیں کر سکتے۔

〃 〃 : اچھا اس برے کام کو تم اپنی پھوپی کے لیے پسند کرو گے؟

نوجوان: نہیں یا رسول اللہ۔

آنحضرت صلعم: دوسرے لوگ بھی اپنی پھوپی کے لیے زناکاری کو پسند نہیں کرتے

〃 〃 : یہ بتاؤ تم زنا کو اپنی خالہ کے ساتھ گوارا کر لوگے؟

نوجوان: نہیں یارسول اللہ

آنحضرت صلعم: دوسرے لوگ بھی زنا کو اپنی خالہ کے ساتھ گوارا نہیں کرسکتے۔

اس طرح اس مسئلہ کو جب اس کے ذہن نشین کرچکے، تو آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور دعا فرمائی۔

اللھم اغفر ذنبہ و طھر قلبہ و احصن فرجہ (ابن کثیر ج ۳ ص ۳۲)

اے اللہ اس کے گناہ معاف کردے، اس کا دل پاک فرما دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔

راوی کا بیان ہے کہ اس تقریر اور دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ اس شخص کو کبھی بھی اس کے بعد زنا کا خیال نہ گزرا۔ بات بھی کتنے پتہ کی بیان فرمائی گئی، غور کیجیے، کوئی ایسی عورت ہے جو کسی کی ماں نہ ہو، لڑکی نہ ہو، بہن نہ ہو، پھوپی نہ ہو، خالہ نہ ہو؟ پھر کیا یہ انسانیت ہے کہ کسی کی ماں، بہن، لڑکی اور پھوپی وغیرہ سے ناجائز ہم بستری کرے۔

زنا کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم ہے

ایک اور مقام میں قرآن نے زنا کی برائی کا تذکرہ کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا (النساء - ۳)

تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو، مگر جو بات گزر گئی، گزر گئی، بیشک یہ بڑی بےحیائی ہے اور نہایت نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے

اس آیت میں بھی زنا کو "فاحشۃ" اور "ساء سبیلا" سے تعبیر کیا ہے، اور ایک لفظ اور بڑھایا یعنی "مقتا" جو لفظ ایک ہے، لیکن کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم کی یہ تعبیر ہے، اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ زنا کے انجام کو قرآن نے کہاں تک پہنچا دیا، اسی تصادم ہی کے آثار ہیں، جنہیں آئے دن ہم دیکھتے رہتے ہیں۔

عفت پر بیعت

اس سے بھی اس جرم کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے کہ عورتوں سے بیعت جن الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیتے تھے قرآن میں ان کو محفوظ بھی کردیا گیا ہے یعنی عورتوں سے

عہد لیا جاتا تھا کہ

لَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ۔ (ممتحنہ۔۲)	وہ بدکاری نہ کریگی اور نہ دختر کشی کریگی اور نہ ایسا افترا باندھینگی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان تراشا ہوگا۔

زنا کی برائیوں کی انتہا نہیں مثلاً زنا کے شیوع کے بعد شر و فتن کے چشمے ابل پڑتے ہیں قوم میں کشت و خون کی گرم بازاری ہوتی ہے، اعمال و اخلاق کی مٹی پلید ہو جاتی ہے، ملک کا معیار اخلاق گر جاتا ہے، زناکار قوم کی عظمت و وقعت کا قصر رفیع زمین پر آ جاتا ہے، عزت و شوکت ملیامیٹ ہو جاتی ہے، پھر انسانیت میں جونہی ضعف آیا امن و امان خطرہ میں گھر جاتا ہے، غریبوں کی جان لب پر آجاتی ہے، ملک صحت کے اعتبار سے نیچے آجاتا ہے، اور جوانانِ قوم خصوصاً اور عام افراد عموماً متعدی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

زنا جرم عظیم ہے زنا کے ان ہی مفاسد کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے زنا کو قتل کے بعد ہی رکھا ہے کہ یہ بھی گو قتل نہ سہی لیکن انجام کے اعتبار سے قتل سے کم بھی نہیں ہے، قرآن نے جہاں اللہ کے نیک بندوں کی صفات کا تذکرہ کیا ہے، وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے:

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا۔ (الفرقان۔۶)	اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے، اور جس شخص کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے، ہاں مگر حق پر اور جو شخص ایسے بری کام کریگا تو اس کو سزا سے سابقہ پڑیگا۔

آیت مذکور کا فحویٰ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفر و شرک اور قتل ناحق کی طرح زنا بھی عظیم الشان جرم ہے، ایسا گناہ ہے جو سوائے توبہ، ایمان، اور عمل صالح کے معاف نہیں ہوتا، خود اس آیت کے متصل یہ بیان ہے۔

یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ	کہ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جاویگا اور وہ

رَبیہِ مُھَانًا ۔ (الفرقان۔۶) ہمیشہ اس میں ذلیل ہو کر رہیگا۔

قرآن کے ان الفاظ پر غور کیجیے اور سوچیے کہ سزا کے ان ہولناک حالات سے دو چار کرنے والے جرائم میں ایک جرم زنا بھی ہے۔

شرک کے بعد بڑا گناہ زنا ہی | بات بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

مامن ذنب بعد الشرك اعظم عند الله من نطفة وضعها رجل فی رحم لا يحل له (ابن کثیر ج۳ ص۳)

شرک کے بعد کوئی گناہ اس نطفہ سے بڑھ کر گناہ نہیں ہے جس کو کوئی شخص کسی ایسے رحم میں رکھے جو شرعاً اس کے لیے حلال نہ تھا۔

شاید اسی بنیاد پر مسلمانوں میں مشہور بھی ہو گیا کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ زنا ہی ہے، ایک اور حدیث میں زنا ہی کے متعلق رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ فقرہ جو منسوب کیا گیا ہے

لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ..... ایاکم ایاکم (مشکوٰۃ باب الکبائر)

زناکار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا۔ بچو بچو!

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں تو کم از کم زنا کے وقت ایمان زانی کو چھوڑ کر جدا ہو جاتا ہے گویا مومن مومن رہتے ہوئے اس جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

بوقت زنا ایمان کی حالت | ایک دوسری حدیث میں اس حدیث کی وضاحت بھی موجود ہے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا زنی العبد خرج منه الایمان فکان فوق راسه کالظلة فاذا خرج من ذالك العمل یرجع الیه الایمان (مشکوٰۃ باب الکبائر)

بندہ جب زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سایہ بن کر رہتا ہے اور زانی جب فعل زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس کی طرف پلٹ آتا ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا اتنی بری چیز ہے اور اس قدر معیوب فعل ہے کہ اس کے ارتکاب کے وقت ایمان کانپ اٹھتا ہے، اور گھبرا کر قالب چھوڑ دیتا ہے، اس کی غیرت برداشت نہیں کرتی کہ اس حالت میں اس سے چمٹا رہے، ہاں جب وہ فارغ ہوتا ہے اس کا قلب اس کو ملامت

کرتا ہے اور قلب منفعل ہوتا ہے تو پھر وہ ترس کھا کر پلٹ آتا ہے، اور ایمان کو غیرت کیوں نہ آئے؟ کہ خود رب العزت کو ایسے فعل پر غیرت ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے اس نے فحش امور کو حرام قرار دے دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (الاعراف ۔۴)

آپ فرمائیے کہ صرف تمام فواحش باتوں کو اللہ میرے رب نے حرام کیا ہے ان میں جو علانیہ ہوں ان کو بھی اور جو پوشیدہ ہوں ان کو بھی، اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو بھی حرام کیا ہے

غیرتِ حق

حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا چار عینی گواہ پیش کرے، مگر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو فطرتاً غیر معمولی غیور تھے وہ بولے، اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو میری غیرت برداشت نہ کر سکیگی، میں اسی وقت تلوار اٹھاؤنگا اور دو ٹکڑے کر دونگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی، آپ نے فرمایا، سعد کی غیرت پر تعجب کیوں کرتے ہو، خدا گواہ ہے میں خود ان سے بہت زیادہ باغیرت ہوں، اور میری غیرت سے بڑھ کر خود رب العزت کی غیرت ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن تمام فواحش کو حرام قرار دے دیا۔ یہ کھل کر ہو یا پردہ پوشی کے ساتھ۔[1]

آپ کے زمانہ میں سورج گہن ہوا تھا، اس موقع سے آپ نے ایک بلیغ خطبہ دیا تھا اور اسی خطبۂ کسوف میں آپ نے فرمایا تھا:

یا امة محمد واللہ انہ لا احد اغیر من اللہ ان یزنی او تزنی امتہ واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا (بخاری)

اے امت محمد! خدا کی قسم اس بات سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو غیرت نہیں ہوتی کہ کوئی مرد یا عورت زنا کرے، اور بخدا جو کچھ میں جانتا ہوں تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بکثرت روتے۔

[1] الجواب الکافی لابن القیم۔ ص ۲۱۹۔

اور اہمیت جتانے کے لیے اس کے بعد ہاتھ اٹھایا اور فرمایا اے اللہ! کیا میں نے پہنچا نہیں دیا؟ یعنی منشاء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ضروری حکم اس کے بندوں تک میں نے پہنچا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کو بار بار پڑھیے، اور زنا کی قباحت اور خروج ایمان والی حدیث پر غور کیجیے، ایک اور آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فواحش سے روکا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (النحل - ۱۳)	بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو اس لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

یہ وہ آیت ہے جو ہر جمعہ کو عموماً خطبہ میں پڑھی جاتی ہے، اور اس طرح اس آیت میں جو احکام درج ہیں ان کی اہمیت بیان کی جاتی ہے۔ زنا سے اس شد ومد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو روکا ہے اس کی بھی وجہ ہے یہ اپنے انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے اتنا مہلک جرم ہے، جس کی دنیوی و اخروی تباہ کاریوں کا احاطہ آسان نہیں۔

یوسف علیہ السلام کا اعلان حق یوسف علیہ السلام کا واقعہ جسے قرآن پاک نے نقل کیا ہے اس سے بھی زنا کی برائی اور اس کے مفاسد پر روشنی پڑتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کو خرید کر جب عزیز مصر نے اپنی بیوی زلیخا کے سپرد کیا کہ اس غلام کی نگہداشت کرو۔ تو زلیخا نے اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا اور یوسف علیہ السلام نے جوانی کے میدان میں قدم رکھا ہی تھا کہ زلیخا یوسف علیہ السلام کے حسن وجمال پر مفتوں ہوگئی اور دل کشی اور ہوش ربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اس کام پر آمادہ کرے، جس کی تعلیم زلیخا کو اس کے نفس نے دی تھی، عیش ونشاط کے سارے سامان فراہم، نفسانی جذبات اپنے شباب پر محبت اور پیار کی مسلح فوج سامنے، تنہائی کا عالم، سارے دروازے اور کھڑکیاں بند، تمام خطروں اور کل اندیشوں سے

بظاہر اطمینان، پھر جوانی قیامت کا روپ بھرے کھڑی، شبابی قوت و طاقت کا سمندر موجزن، تجرد کی زندگی میں جنسی میلان کا صبر آزما تلاطم، اور ایسے وقت میں ایک غارتگرِ ہوش و خرد اپنے آپ کو خود حضرت یوسف علیہ السلام پر پیش کرتی ہے، الغرض

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا — اور جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے، وہ عورت

عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ — ان سے اپنا مطلب حاصل کرنے کو ان کو پھسلانے لگی اور سارے

وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ. (یوسف ۳) — دروازے بند کر دیے، اور کہنے لگی آجاؤ تم ہی سے کہتی ہوں۔

کی صورت جب پیش آئی، آسمان دیکھ رہا تھا، زمین دیکھ رہی تھی، ملائکہ دیکھ رہے تھے کہ یعقوبؑ کا چشم و چراغ اب کدھر جاتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے بلانے میں شیطانی قوت کی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا گیا تھا، مگر اللہ کے بندے یوسف علیہ السلام سب کچھ دیکھتے ہیں، اور چاہتے تو جو کچھ امرأۃ عزیز چاہتی تھی اسے کر گزرتے، لیکن جیسا کہ قرآن ہی میں اطلاع دی گئی ہے۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ — یوسفؑ نے کہا، اللہ بچائے، وہ میرا مربی ہے اس نے

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ. (یوسف ۳) — مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا۔ ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔

زانی ظالم ہے اور ظالم کو دنیا اور آخرت میں فلاح نصیب نہیں ہوگی، اور اگر میں زنا کا ارتکاب کروں تو خود میں بھی ظالم بن جاؤنگا، پھر کیسے جرأت کی جائے۔ رب کا احسان بھول جانا اور اس کی دی ہوئی قوت کو اس کے ہی حکم کے خلاف استعمال کرنا، اسی کا نام تو شیطنت ہے، شیطان کا قصور ہی اس کے سوا کیا ہے کہ توانائیوں کا جو ذخیرہ خالق کائنات کی طرف سے اس کو ملا ہے، بجائے مرضی حق کے ان کو خدا کی مرضی کے خلاف استعمال کرتا ہے۔

زنا مظالم کی جڑ اس آیت میں زانی کو جو ظالم قرار دیا گیا ہے، یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں، سوچیے تو یقین کرنا پڑے کہ زنا دنیا کے سارے مظالم کی جڑ ہے۔ دنیا کی ساری برائی زنا کاری میں پائی جاتی ہے، پھر زانی کے ظالم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

زانی کا فعلِ زنا خود اپنے اوپر بھی ظلم ہے کہ اس سے اخلاق و اعمال کی مٹی پلید ہوتی ہے، خون اور روپیہ بے فائدہ ضائع ہوتا ہے، مادۂ تولید جو باعث افزائش نسل انسانی ہے ناحق برباد ہوتا ہے، صحت پر نا خوشگوار اثر پڑتا ہے، ذلت اور رسوائی ہوتی ہے، ذاتی خوف و ہراس میں مبتلا رہتا ہے، حزن و ملال سے دوچار ہوتا ہے، امراض متعدی سوزاک و آتشک وغیرہ کے خطرے میں اپنے کو گرفتار کرنا پڑتا ہے، بے حیائی، فریب کاری، جھوٹ، بدنیتی، خود غرضی، نفسانی خواہش کی غلامی، ضبط نفس کی کمی، خیالات کی آوارگی، اور دوسری بیسیوں جسمانی، ذہنی اور روحانی امراض میں زنا آدمی کو مبتلا کر دیتا ہے۔

(۲) زنا اپنے خاندان پر بھی ظلم ہے کہ زنا کار خاندان کی عزت کو داغ لگاتا ہے اور پھر خاندان کے لیے برائی کا ایک نمونہ قائم کرتا ہے، اہل خاندان اور اپنے بال بچوں کے لیے زنا کی شاہراہ بناتا ہے۔

(۳) زنا نسوانی عفت و عصمت کی لوٹ ہے، زانی ڈاکو ہے، ایک کمزور ارادے والی ذات کو اپنی ہوسناکیوں کا تختۂ مشق بناتا ہے، شرم و حیا کی چٹانوں کے نیچے عورت کی فطرت جو قدرتاً دبی ہوئی ہے، ان چٹانوں کو یہی پاجی زانی اٹھا لیتا ہے، جس کے بعد عورت جس کے لیے کسی مرد سے خواہ اس کا باپ اور بھائی کیوں نہ ہو، خطاب میں حیا دامن گیر ہوتی تھی اب وہ ایک بیباک، فتنہ پرداز عورت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، آنکھوں کا پانی اس کے ڈھل جاتا ہے، بے حیائی کے کاموں پر دلیر ہو جاتی ہے۔ اور آج عصمت فروشیوں کے سارے بازار جو شہروں میں نظر آتے ہیں درحقیقت زانی مردوں ہی کے کھولے ہوئے بازار تو ہیں، یہ سب انہی کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

(۴) عورت بہرحال کسی خاندان ہی کی عورت ہوتی ہے، کسی کی بیٹی، کسی کی بہن، کسی کی بیوی یا ماں ہوگی، سوچیے تو سہی کہ زانی مرد کن رسوائیوں کی سیاہی عورت کے خاندان والوں کے چہروں پر پھیرتا ہے کہ بسا اوقات خودکشی تک ان ہی رسوائیوں کے غیر معمولی احساس نے لوگوں

کو پہنچا دیا۔

(۵) اور عورت کسی مرد کی اگر باضابطہ منکوحہ ہے تو دوسرے مفاسد کے ساتھ غیر کے حقِ ناموس پر کیسی شرمناک مداخلت اور بیجا اور ظالمانہ حملہ ہے۔

(۶) زنا بچہ پر بھی ظلم ہے، کیونکہ یا تو اُسے ضائع کر دیا جائیگا اور بے قصور قتل کیا جائیگا، یا باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نگرانی و تربیت اور تعلیم کی ذمہ داری کا کوئی مرکز باقی نہیں رہتا، اور کسی طرح بچہ کو پروان چڑھنے کا موقع بھی مل جائے تو سیاہی کے اس داغ کو اس غریب کی پیشانی سے کون دھو سکتا ہے، جو خود اس کے ناجائز باپ کے ہاتھوں اس کی پیشانی پر لگا ہے سوسائٹی میں ذلیل نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، بسا اوقات زنا سے پیدا ہونے والے بچے امراضِ خبیثہ کو اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں عموماً گونگے بہرے، لنگڑے لڑکے جو پیدا ہوتے ہیں، یعنی نوعی کمالات میں سے کسی کمال سے محروم ہو کر پیدا ہوتے ہیں۔ بظاہر قدرت کی طرف ان کوتاہیوں کو منسوب کرنے والے منسوب کر دیا کرتے ہیں، لیکن موجودہ طبی تحقیقات کی روشنی میں پتہ چل رہا ہے کہ ان کوتاہیوں کی زیادہ تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے، جن سے گزر کر بچے دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ آئندہ نسلوں کی امانت جن کے سپرد ہوتی ہے، وہ امانت جن کے سپرد ہوتی ہے وہ امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کے پھلنے پھولنے کا دارومدار ہی "جذبۂ امانت" کے اس احساس پر مبنی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں ہلکی سی غفلت قوم کی قوم کو جسمانی دماغی اور روحانی بربادیوں کی آندھیوں کے سامنے لے آتی ہے۔

اس مسئلہ کی ہمہ گیری کے لئے "طبیات" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ "زنا" کا لفظ تو ایک بسیط مختصر سا لفظ ہے، لیکن اس کے مفاسد کا دائرہ خاندانوں اور قوموں کو اپنے احاطہ میں عموماً لے لیتا ہے۔

زنا پر کال کوٹھری کو ترجیح کچھ بھی ہو، اسی سے اندازہ کیجیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کی کال کوٹھری میں قیدی کی زندگی کو اس جرم کے اقدام پر ترجیح دی اور دعا مانگی۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ۔

اے میرے رب! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔ (یوسف۔۴۰)

حدیثوں میں بھی اس "جرم" کی اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر جو اشارے کیے گئے ہیں غور کرنے والے سوچیں گے تو عبرت و بصیرت کے مسلسل اسباق ان ہی حدیثوں میں ان کو ملتے چلے جائیں گے۔ مثالاً چند حدیثوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

زنا کے سلسلہ میں ارشاداتِ نبوی ایک دفعہ یہودیوں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ "آیات بینات" کیا ہیں؟ جواب میں ارشاد فرمایا گیا تھا:

لا تشرکوا باللّٰہ شیئاً ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقذفوا محصنۃ (مشکوٰۃ باب الکبائر)

اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک ٹھہراؤ، نہ چوری کرو نہ زنا کرو اور نہ کسی پاکدامن کو زنا سے متہم کرو۔

جس سے معلوم ہوا کہ جن جرائم کی برائیاں فطرت انسانی کے لیے واضح اور کھلی ہوئی ہیں ان میں ایک "زنا" بھی ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یعنی اکبر الکبائر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنانا، حالانکہ اس نے ہی پیدا کیا۔ اس شخص نے پوچھا اس کے بعد پھر کونسا کام؟ آپ نے فرمایا: اپنے بچے کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ وہ ساتھ کھائیگا۔ اس نے پوچھا پھر کونسا یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا:

ان تزنی حلیلۃ جارک (بخاری باب اثم الزناۃ)

یہ اپنی پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی برائی مختلف پیرایہ میں بیان کی اور چاہا کہ لوگ اچھی

طرح اس کی بُرائی سے واقف ہو جائیں، اور اس بدترین کام سے باز آجائیں، ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ دوزخ میں لوگ زیادہ تر اپنے منہ اور اپنی شہوت کی جگہ کی بدولت ڈالے جائیںگے [۱]

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب قیامت کی علامتیں ہیں علم کا اُٹھ جانا، جہالت کا عام ہونا، شراب کا پینا، زناکاری کا پھیل پڑنا، اور یہ کہ مردوں کی تعداد کم پڑ جائے تا آنکہ پچاس عورتوں کا ذمہ دار صرف ایک مرد باقی رہ جائے [۲]

زنا کی ہلاکتیں | اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود (صحابی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ماظهر الربا والزنا فى قرية الا اذن الله باهلاكها۔ (الجواب الکافی ص۲۲) کسی بستی میں سود اور زنا جب پھیل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بستی کی ہلاکت کی اجازت مرحمت فرما دیتا ہے

جس سے معلوم ہوا کہ زناکاری کبھی آبادی کی ویرانی کا موجب بن جاتی ہے اور پوری آبادی کو برباد کر ڈالتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اس آبادی پر مسلط ہو جاتا ہے جس میں زناکاری پھیل پڑتی ہے۔

مصیبت | صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے اور بیعتِ عامہ ہو چکی، جس میں تمام مسلمان شریک ہوئے تو آپ ممبر پر تشریف لائے اور بحیثیت خلیفہ پہلا خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دوسرے مہمات کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا:

"دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیا، اللہ نے اُسے ذلیل کر دیا ہے، اور جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس میں مصیبت کو پھیلا دیتا ہے" [۳]

پہلے خلیفۂ رسول نے اپنے پہلے خطبۂ خلافت میں ان کلمات کو فرما کر "عفت و عصمت" کے متعلق اسلام کے جس نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے، اس سے مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ عروج و اقبال کی زندگی کے تباہ کرنے میں سیاہ کاریوں کو کس حد تک دخل ہے، گویا جو کچھ اب پیش آیا اسی کی پیشین گوئی مسلمانوں کے سب سے پہلے خلیفہ نے کر دی تھی۔

کثرت موت اور طاعون | خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی تھا:

---

[۱] الجواب الکافی۔ ص ۲۱۸۔ [۲] بخاری باب اثم الزناۃ [۳] تاریخ ملت ج ۲ ص ۴۸۔

ولا فشا الزنا فی قوم الا کثر فیھم الموت   زنا کسی قوم میں عام نہیں ہوتی مگران میں بکثرت

(مشکوٰۃ ص ۴۵۹ عن مالک)   موت ہوتی ہے۔

ایک بھی حدیث ہے جس میں آپ نے پانچ عیوب اور اس کے اثرات کو بتایا ہے، منجملہ اور باتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں زناکاری پھیل جاتی ہے اور کھلم کھلا ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو طاعون (پلیگ) کی مصیبت میں مبتلا کردیتا ہے، اور ایسے درد دکھ میں ڈالتا ہے جس سے ان کے اسلاف ناآشنا تھے[1]

خشک سالی   اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مامن قوم یظھر فیھم الزنا الا اخذوا   کسی قوم میں جب زنا پھیل پڑتا ہے تو اسے قحط سالی

بالسنۃ وما من قوم یظھر فیھم الرشا   کی مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور رشوت کی گرم بازاری

الا اخذوا بالرعب رواہ احمد   ہوتی ہے تو اس پر خوف طاری کردیا جاتا ہے۔

(مشکوٰۃ کتاب الحدود ص۳۱۳)

انسان جب "عفت و عصمت" کے چہرہ کو داغدار بناتا ہے، شرعی و دینی حدود کی اس راہ میں پرواہ نہیں کرتا اور جائز و ناجائز کی تفریق مٹا دیتا ہے، تو اس وقت پوری قوم فتنہ میں ڈال دی جاتی ہے۔ بنی اسرائیل جو دنیا کی چنی ہوئی اُمتوں میں ایک خاص تاریخی اُمت ہے اس میں بھی فتنہ عورتوں ہی کی راہ سے آیا، اور فتنہ جب آیا تو پوری کی پوری امت ہی تہس نہس ہو کر رہ گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کرتے فرمایا:

فاتقوا الدنیا واتقوا النساء فان اول فتنۃ بنی   دنیا اور عورتوں سے بچو، اس لیے کہ بنی اسرائیل

اسرائیل کانت فی النساء (مشکوٰۃ کتاب النکاح)   کا پہلا فتنہ عورتوں میں تھا

[1] الجواب الکافی۔ ص ۷۰ عن ابن ماجہ

اسلامی تعلیم سے روگردانی کا انجام

اسلامی نقطۂ نظر کا اجمالی نقشہ بقدر ضرورت آپ کے سامنے پیش ہو چکا، اب اپنے زمانہ کی کچھ روداد سن لیجیے۔

امریکہ جو اس وقت دنیا میں ممتاز ملک مانا جاتا ہے، وہاں زناکاری کی وبا کا نتیجہ یہ ہے۔
"تیس چالیس ہزار کے درمیان بچوں کی اموات صرف موروثی آتشک کی بدولت ہوتی ہیں..... سوزاک میں نوجوان کم از کم ساٹھ فیصدی مبتلا ہیں جس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں ہیں..... شادی شدہ عورتوں کے اعضائے جنسی پر جتنے آپریشن کیے جاتے ہیں ان میں پچھتر فیصدی ایسی نکلتی ہیں جن میں سوزاک کا اثر پایا جاتا ہے۔"[۱]

امریکہ میں زنا اور اس کے نتیجے جج "لنڈسے" لکھتا ہے، جو ڈنور کی عدالت جرائم اطفال کا صدر ہے اور اس حیثیت سے وہ جرائم کا کافی تجربہ رکھتا ہے

"ہائی اسکول کی عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے صنفی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے، ان میں سے صرف پچیس ایسی ہیں جن کو حمل ٹھہر گیا تھا۔"[۲]

یہی جج "لنڈسے" کا امریکہ کے متعلق بیان ہے

"امریکہ میں ہر سال کم از کم پندرہ لاکھ حمل ساقط کیے جاتے ہیں، اور ہزارہا بچے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیے جاتے ہیں۔"[۳]

اسی امریکہ کی ایک رپورٹ بھی پڑھ لیجیے اور اس سے اندازہ لگائیے کہ زناکاری کا انجام کیا ہوتا ہے۔ یہی "لنڈسے" جن کا قول پہلے نقل کر چکا ہوں، ان کا اپنا اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم پینتالیس فیصدی لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکتی ہیں،

آتشک، سوزاک اور دوسری برائیاں زنا کی جسمانی اذیتوں کا ذکر کرتے ہوئے "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا"

---

[۱] پردہ از مولانا مودودی۔ ص ۶۹ [۲] ایضاً۔ ص ۱۷ [۳] ایضاً

جلد ۴ صفحہ ۵ کے حوالہ سے مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ "امریکہ کے دواخانوں میں اوسطاً ہر سال آتشک کے دو لاکھ، اور سوزاک کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے، ساڑھے چھ سو دواخانے صرف انہی امراض کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر سرکاری دواخانوں سے زیادہ مرجوعہ پرائیویٹ ڈاکٹروں کا ہے۔ جن کے پاس اکسٹھ فیصدی اور سوزاک کے نواسی فیصدی مریض جاتے ہیں۔[۱]"

امریکہ میں جن عورتوں نے مستقل پیشہ اختیار کر لیا ہے ان کی تعداد کا کم از کم اندازہ چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔ ... قحبہ خانوں کے علاوہ بکثرت ملاقات خانے ہیں جو اس غرض کے لیے آراستہ کیے جاتے ہیں کہ "شریف" اصحاب اور خواتین جب باہم ملاقات کرنا چاہیں تو ان کی ملاقات کا انتظام کر دیا جائے، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں ایسے اٹھتّر مکان تھے، دوسرے شہر میں تینتالیس۔ ایک اور شہر میں تینتیس ان مکانوں میں صرف بن بیاہی خواتین ہی نہیں جاتیں، بلکہ بہت سی بیاہی ہوئی خواتین کا بھی وہاں گزر ہوتا ہے، ایک مشہور ریفارمر کا بیان ہے کہ "نیویارک" کی شادی شدہ آبادی کا پورا تہائی حصہ ایسا ہے جو اخلاقی اور جسمانی حیثیت سے اپنی ازدواجی ذمہ داریوں میں وفادار نہیں رہتے۔[۲]"

"زنا" نے امریکہ میں یہ قیامت برپا کر دی ہے کہ بلوغ سے پہلے لڑکے لڑکی کی محبت اور مباشرت دونوں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور لڑکیاں قبل از وقت بالغ ہو جاتی ہیں۔[۳]

کنسے رپورٹ ۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر "ہنلی کنسے" نے ایک مبسوط رپورٹ پیش کی ہے، اور یہ رپورٹ ڈاکٹر کنسے اور ان کے ساتھیوں نے بارہ ہزار امریکی مردوں سے مل کر تیار کی ہے، اور ان کے خفیہ حالات معلوم کیے ہیں۔ "کنسے رپورٹ" کے بموجب

"استلذاذ بالنفس" میں نوّے فیصدی امریکی مرد زندگی کے کسی نہ کسی حصہ میں مبتلا رہے۔

[۱] پردہ۔ ص ۶۸ [۲] ایضاً ص ۶۷، ۶۸ [۳] دیکھیے پردہ ص ۶۳۔

"استلذاذ بالمثل": امریکی مردوں کی ایک تہائی آبادی نے کم از کم اپنی زندگی میں ایک مرتبہ اس شوق کی تکمیل کی۔ گویا ستر لاکھ امریکی مرد استلذاذ بالمثل میں مبتلا ہیں۔

چار فیصدی لوگ تمام عمر "امرد پرست" رہتے ہیں۔ ہائی اسکول میں یہ زیادہ ہے۔

"استلذاذ بالضد" (زنا) پندرہ سال کی عمر تک ۲۵ فیصدی، چھبیس سے چالیس سال تک، ۹ فیصدی۔ سولہ سے بیس سال کی عمر تک غیر فاحشہ عورتوں سے اختلاط کی تعداد ۴۰ فیصدی ہے۔

"تعلیم کے اعتبار سے" جن کی تعلیم "گرامر اسکول" تک ہوتی ہے اس میں ۸۴ فیصدی کو عورتوں سے اختلاط کا سابقہ رہا ہے۔

"ہائی اسکول" تک تعلیم پانے والوں کا تناسب غیر عورتوں سے اختلاط میں ۷۰ فیصدی ہے اور کالج کے تعلیم یافتوں کا تناسب زنا میں ۴۹ فیصدی ہے۔ یہ اکیس سال عمر والوں کی تعداد ہے۔

شادی شدہ مردوں میں نصف تعداد ایسی ہے جنہوں نے اپنی بیوی کے سوا غیر عورتوں سے دوران ازدواج میں اختلاط کیا ہے[۱]۔"

انگلستان میں زنا کی وبا انگلستان جو اپنی جدت پسندی میں بہت مشہور ہے، اس کے متعلق وہیں کا ایک انگریز "جارج رائیلی اسکاٹ" اپنی کتاب تاریخ الفحشاء میں لکھتا ہے۔

"پیشہ ور عورتوں کے علاوہ بڑی تعداد ان عورتوں کی بھی ہے جو آمدنی میں اضافہ کے لیے زناکاری کے پیشہ کو بھی ضمنی طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں ..... اب جوان لڑکی کے لیے بدچلنی اور بے باکی بلکہ سوقیانہ اطوار تک فیشن میں داخل ہو گئے ہیں ..... ایسی لڑکیوں اور عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جو شادی سے پہلے صنفی تعلقات بلا تکلف قائم کر لیتی ہیں۔ اور وہ لڑکیاں اب شاذ کے حکم میں ہیں جو کلیسا کی قربانگاہ کے سامنے نکاح

---

[۱] اسلام اور جنسیات۔ ص ۸۴، ۸۵

کا پیمانِ وفا باندھتے وقت صحیح معنی میں دوشیزہ ہوتی ہوں۔[1]

ایک جگہ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"انگلستان میں کم از کم اندازہ کے مطابق ہر سال نوے ہزار حمل اسقاط کیے جاتے ہیں شادی شدہ عورتوں میں اس کا تناسب اس سے بھی زیادہ ہے۔"[2]

فرانس میں بدکاری انگلستان کے بعد تھوڑا سا حال فرانس کی بدکاری اور اس سے نقصانات کا بھی سُن لیجیے:-

"جنگِ عظیم سے پہلے موسیو بیولو فرانس کے اٹارنی جنرل نے اپنی رپورٹ میں ان عورتوں کی تعداد پانچ لاکھ بتائی تھی جو اپنے جسم کو کرایہ پر چلاتی ہیں، ..... اس پیشہ میں فنِ اشتہار سے پورا کام لیا جاتا ہے۔"[3]

"جنگِ عظیم کے ابتدائی دو سالوں میں جن سپاہیوں کو محض آتشک کی وجہ سے رخصت دے کر ہسپتالوں میں بھیجنا پڑا، ان کی تعداد چھہتر ہزار تھی۔ ..... ایک متوسط درجہ کی چھاؤنی میں بیک وقت ۲۴۲ سپاہی اس مرض میں مبتلا ہوئے۔"

ایک ماہر فرانسیسی ڈاکٹر کا بیان ہے کہ فرانس میں ہر سال صرف آتشک اور اس کے پیدا کردہ امراض کی وجہ سے تیس ہزار جانیں ضائع ہوتی ہیں۔"[4]

یہ مختصر سے اقتباسات میں نے اس لیے پڑھنے کی زحمت دی کہ آپ غور کر سکیں کہ زناکاری کے مفاسد کیا ہوتے ہیں، اور ان سے قوم و ملک کا کتنا زبردست جانی، مالی، اخلاقی اور سیاسی نقصان ہوتا ہے، اور پھر یہ بھی سوچیں کہ زناکاری کی سزا میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں وہ کتنے سخت اور مہلک ہوتے ہیں، مزید یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ دنیا کا کوئی کامیاب علاج زناکاری کے "دنیاوی عذاب" سے نہیں بچا سکتا، اور ان بڑے مہذب، متمدن اور ترقی یافتہ ملکوں کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے ان کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ اسلام نے جن مفاسد کی طرف اشارے

---

[1] پردہ صفحہ ۲، [2] ایضاً ص ۴۵ [3] ایضاً ص ۵۰ [4] ایضاً ص ۵۵

کیے ہیں وہ کتنے صحیح ہیں اور قوانینِ عفت مرتب کر کے اس نے دنیا پر کتنا زبردست احسان کیا ہے

تحفظ عفت و عصمت اور شادی

اتنی مہلک اور خطرناک برائی جو انسان کو ہر اعتبار سے سخت سے سخت نقصان پہنچاتی ہے اس کی روک تھام کی جس شد و مد سے ضرورت تھی، وہ کسی ذی عقل سے مخفی نہیں اور صرف روک دینا ہی کافی نہ ہوتا، جیسا کہ عیسائیوں اور دوسری قوموں میں اس کا انجام دیکھ رہے ہیں، بلکہ اس کے لیے مستقل قوانین اور ضابطہ کی ضرورت تھی، اور اسلام نے یہی کیا، انسان کی فطرت کو جانچا، اور اس کے مطابق علاج اور پرہیز کی تاکید کی، اسلام نے غیر مذاہب کی طرح افراط و تفریط کا راستہ اختیار نہیں کیا، بلکہ انسانی مزاج کو پرکھ کر اعتدال کا طریقہ پسند کیا۔

نکاح کا حکم زنا کے نقصانات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا کہ مرد و عورت جن کو شادی کی ضرورت محسوس ہو، ضرور شادی کریں کہ عفت و عصمت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ اور ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سبب یہی ہو سکتا ہے۔ رب العزت نے شادی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ	اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو، اور تمہارے
مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ. (نور۔۴)	غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو، اس کا بھی۔

ایامی، ایم کی جمع ہے، اس کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے ہے۔ جس مرد کی بیوی نہ ہو اس کو بھی ایم کہتے ہیں اور جس عورت کا شوہر نہ ہو اس کو بھی ایم کہتے ہیں، پھر چاہے سرے سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو، یا شادی ہوئی تھی مگر شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا "رجل ایم" بھی کہا جاتا ہے اور "امرأۃ ایم" بھی۔[۱]

مولانا تھانویؒ اپنے تفسیری ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

---

[۱] ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۶۔

"یعنی احرار میں جو بے نکاح ہوں خواہ مرد خواہ عورت، اور خواہ ابھی نکاح ہی نہ ہوا ہو، یا وفات وطلاق سے اب تجرد ہو گیا ہو، تم ان کا نکاح کردو۔ اور اسی طرح تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس نکاح کے لائق ہو یعنی حقوق زوجیت کو ادا کر سکے اس کا بھی نکاح کر دیا کرو، اور محض اپنی مصلحت کے خیال سے باوجود غلام، لونڈیوں کو ضرورت ہونے کے ان کی اس مصلحت کو فوت مت کیا کرو"[1]

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے رشتۂ ازدواج کے قیام کی تاکید فرمائی ہے، اور ان تمام مرد وعورت کی شادی کر دینے کا حکم دیا ہے، جن کو شادی کی ضرورت ہو، حتیٰ کہ غلام جو بڑی حد تک بے بس ہوتا ہے، اس کے متعلق بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی بھی شادی ضروری ہے، اگر ان میں حقوق زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہو، اور پھر اس ذمہ داری کو رب العزت نے قوم کے سر ڈالا ہے تاکہ اس کی اہمیت کا احساس پیدا ہو، اور اشارہ کیا گیا ہے کہ شادی کے جو فائدے ہوتے ہیں، اس سے پوری قوم مستفید ہوتی ہے، اور شادی نہ کرنے کے جو نقصانات ہیں، ان کا اثر پوری قوم پر پڑتا ہے، کوئی ذی عقل انسان اس بات سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا، کہ جائز شادی کا رواج اگر بند کر دیا جائے تو پوری قوم کے اخلاق گندے ہو جائیں گے۔ اس آیت کے اگلے حصہ میں رب العزت نے اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ کسی موہوم خدشہ کو حیلہ بنا کر اس نیک رشتہ کے قائم کرنے سے بچنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے، جس پر آگے بحث ہوگی۔

اس آیت سے اتنی بات بہرحال کھل کر معلوم ہو گئی کہ جو مرد یا عورت شادی کے لائق ہو ان کی شادی کر دی جائے، اور یہ شادی کرنے کی ذمہ داری ولی کے سر بھی ہے اور قوم کے مضبوط دوش پر بھی، کوئی اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

نکاح فقہاء کی نظر میں بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ شادی کرنا واجب ہے، اور کوئی شبہ نہیں احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جنسی میلان حد برداشت سے جب

---

[1] بیان القرآن جلد ہشتم ص ۱۰۔

باہر ہو جائے، اور خطرہ شرعی حدود کے توڑ دینے کا سامنے آجائے، یعنی ظنِ غالب اس خطرہ میں مبتلا ہوجانے کا ہو تو اس وقت نکاح کرنا مومن کے لیے واجب ہو جاتا ہے، لیکن اگر بیتابی حد سے نہ گزری ہو تب نکاح سنتِ موکدہ ہے، اسی طرح اگر ظنِ غالب ہو کہ حقوقِ زوجیت ادا نہ ہو پائینگے تو اس وقت نکاح کی قید میں اپنے آپ کو مقید کرنا شرعاً ناپسندیدہ یعنی مکروہ ہے، بلکہ حقوقِ زوجیت کے متعلق عجز کا جسے یقین ہو، ایسے آدمی کے لیے تو نکاح حرام ہے۔

نکاح میں تحفظ عفت بہر حال مذکورہ بالا قرآنی حکم کے سوا حدیثوں میں بھی بڑا ذخیرہ ہے، جن میں شادی کی تاکید و ترغیب پائی جاتی ہے، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خود شادی کرنیوالوں پر ضروری ہے کہ جونہی وہ شادی کی ضرورت محسوس کریں شادی کرلیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة	اے نوجوانوں کی جماعت، تم میں جو اسباب جماع کی قدرت
فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج	رکھتا ہو اس کو نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو محفوظ
(بخاری کتاب النکاح)	رکھتا ہے اور شہوت کی جگہ کو بہت بچاتا ہے۔

اس حدیث میں جہاں نوجوانوں کو شادی کا حکم دیا گیا ہے، وہاں شادی کے فائدے بھی بیان کر دیے گئے ہیں کہ شادی سے عفت و عصمت پیدا ہوگی اور حرام کاری سے آدمی بچ جائیگا، اور گو خطاب حدیث میں نوجوان ہی کی طرف ہے لیکن جنسی میلان میں جن کے فتور اور ضعف کی کیفیت پیدا نہ ہوئی ہو گو نوجوان نہ بھی ہوں ان کو بھی کرنا چاہیے۔

نکاح اور افزائش نسل دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تزوجوا الولود وتناسلوا فانی مباہ بکم	بہت جننے والی عورت سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ
الامم یوم القیامۃ (ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۶)	اس لیے کہ قیامت کے دن تمہاری وجہ سے فخر کرونگا۔

اس حدیث میں نکاح کا بھی حکم دیا گیا ہے اور یہ مقصد بھی نکاح کا بیان کیا گیا ہے کہ شادی کا منشأ توالد و تناسل اور نسلِ انسانی کی بقا ہے، تاکہ قوم کے افراد کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو، مشکوٰۃ میں

ایک حدیث ان لفظوں کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم (کتاب النکاح) خوب محبت کرنے والی اور بہت بچے دینے والی عورت سے شادی کرو اس لیے کہ تمہاری کثرت سے اور امتوں پر فخر کرونگا۔

اس حدیث میں تکثیر نسل کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شوہر سے محبت والفت کرنے والی عورت ہو کہ معاشرتی زندگی کے خوشگوار بنانے کی یہی واحد تدبیر ہے، زن وشو میں محبت والفت ہی کے رشتہ میں سارے خاندان کی مسرت کی حمایت پوشیدہ ہے۔

نکاح اور پاکدامنی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شادی کرنے سے انسان بہت ساری برائیوں سے بچ جاتا ہے، بلکہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ دنیا سے پاک وصاف جائے اور اس کا دامنِ عفت وعصمت ملوث نہ ہو، تو اس کی شکل یہی ہے

من اراد ان یلقی اللہ طاھرا مطھرا فلیتزوج الحرائر (مشکوٰۃ کتاب النکاح) اللہ تعالیٰ سے جو شخص پاک وصاف ملنا چاہے اس کو شریف عورتوں سے شادی کرنا چاہیے۔

اس حدیث میں شادی سے جو عفت وعصمت اور پاکدامنی حاصل ہوتی ہے، اس کا بڑا بلیغ بیان ہے، بلکہ اس میں جو الفاظ آئے ہیں، ان سے سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ شادی کرنے سے اللہ تعالیٰ دوسرے گناہوں سے بھی آدمی کو بچالیتا ہے، اور یہ کہ شادی ذریعہ بن جاتی ہے شادی کرنے والے کی ہدایت کا بھی اور پھر نجات کا بھی۔

دیکھا بھی گیا ہے کہ جس کی شادی نہیں ہوتی، اور جائز طور پر جنسی میلان پورے نہیں کرتا وہ عموماً مختلف گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، خواہ ان گناہوں میں غیر ارادی طور پر ہی لوگ کیوں نہ مبتلا ہو جاتے ہوں، لیکن شادی شدہ آدمی کے پاس چونکہ بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے عموماً ان گناہوں سے اس کا رشتہ خود بخود کٹ جاتا ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو شادی بھی نہیں کرتے اور پاکدامنی کی زندگی بھی گزارنا چاہتے ہیں، خواہ مخواہ کشمکش کی ایسی زندگی گزارتے ہیں جس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ کس وقت ان سے کیا حرکت سرزد ہو جائے۔

ایک حدیث میں نکاح کو "نصف دین" سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشادِ نبوی ہے۔

اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین — بندہ نے جب شادی کرلی، تو اس نے نصف دین پورا کرلیا۔ (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ گناہوں کے بڑے حصہ کا تعلق جنسی میلانات ہی سے ہے، شرعی اور آئینی حدود میں اپنے آپ کو جکڑ دینے کے بعد اسباب کی حد تک بے راہ روی کے خطرات کم ہو جاتے ہیں۔

نکاح رسولوں کی سنت ہے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رض نے مجھ سے کہا کہ تم نے شادی کی، میں نے جواب دیا، نہیں۔ انہوں نے کہا:

تزوج فان خیر ھذہ الامۃ کان اکثرھم نساءً یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (جمع الفوائد کتاب النکاح عن البخاری) — شادی کرو، کیونکہ اس امت کے سب سے بہتر فرد بیویوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ تھے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت شادیاں کیں۔

پھر یہ بھی مسلم ہے کہ نکاح تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی سنت رہی ہے، اور تقریباً تمام رسولوں نے شادیاں کی ہیں، اور بال بچوں والی زندگی گزاری ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً۔ (الرعد-۶) — اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں اور بچے بھی دیے۔

غیر شادی شدہ آنحضرتؐ کی نظر میں ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص مسکین ہے، جس کی بیوی نہیں ہے، صحابۂ کرام نے عرض کیا، گو وہ کثیر المال ہو تب بھی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، گو وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ (اگر بیوی نہیں ہے وہ مسکین ہے)، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عورت مسکین ہے جس کا شوہر نہیں ہے۔ لوگوں نے پوچھا "یا رسول اللہؐ! اگرچہ اس کے پاس بہت کچھ مال ہو تب بھی مسکین ہی ہے؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں تب بھی وہ مسکین ہی ہے"[1]۔

---

[1] جمع الفوائد کتاب النکاح ج ۱ ص ۲۱۶۔

یہ اور اس طرح کی بیسیوں حدیثیں ہیں، جو صراحتاً نکاح کی ترغیب دیتی ہیں، ان تمام حدیثوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے، کہ اسلام میں عقدِ ازدواج پر کتنا غیر معمولی اصرار کیا گیا ہے، مقصد وہی ہے کہ جنسی میلان کو حدود میں رکھ کر افزائشِ نسل کا ذریعہ بھی اس کو بنایا جائے۔ اور عصمت و عفت کے انمول سرمایہ کی حفاظت کا بھی واحد ذریعہ یہی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بالکل صحیح فرمایا ہے کہ

ویتزوج لکسر الشھوۃ واعفاف النفس و تکثیر النسل (فتح الباری، پ ۲۱ ص ۲۷)

شادی شہوت توڑنے نفس کو عفیف بنانے اور نسل کی کثرت کے لیے کی جاتی ہے۔

رہبانیت پیغمبر اسلام کی نظر میں یہی وجہ ہے کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ نکاح سے بعض لوگ پرہیزی کو بہتر سمجھتے ہیں تو ان کو فہمائش کر کے شادی کر لینے پر آمادہ کیا۔

حدیث میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ اُنھوں نے عورتوں سے کنارہ کشی کرلی، اور خصّی ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا کہ شہوت کی زحمت سے نجات پا جائیں اور فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور رات دن اسی میں مشغول رہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا، تو آپ نے ان کے اس جذبہ کی تردید فرمائی، اور بالآخر حضرت عثمان بن مظعون رضؓ کو اس ارادہ سے باز آنا پڑا[۱]

ایک حدیث میں ہے کہ تین شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ پر آئے، اور آپ کی ازواج مطہرات سے آپ کی عبادت کے متعلق پوچھا۔ ان سے آپ کی عبادت کی کیفیت بیان کی گئی۔ سُن کر اُنھوں نے جو رائے ظاہر کی اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ شاید وہ آپ کی اس عبادت کو کم سمجھ رہے ہیں، چنانچہ اُنھوں نے کہا بھی کہ کہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کے سارے گناہ رب العزت نے معاف کر دیے، اور کہاں ہم سراپا گنہگار۔ ایک نے کہا میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا میں دن میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا، تیسرے نے کہا "میں عورتوں سے

[۱] مشکوٰۃ۔ کتاب النکاح۔

علیحدہ رہونگا، اور شادی سے ہمیشہ پرہیز کرونگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی جب اطلاع ہوئی تو آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے اور فرمایا، کیا تم لوگوں نے ایسی باتیں کہی ہیں؟ پھر فرمایا سنو! خدا کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، اور تم سب سے بڑھ کر متقی ہوں لیکن با ایں ہمہ روزہ بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں، یعنی روزے نہیں بھی رکھتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، نکاح بھی کرتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں، پس جو بھی میرے طریقہ سے اعراض کریگا وہ مجھ سے نہیں ہے[1]

اس حدیث کے اخیر حصہ سے مجھے ثابت کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تنبیہ کی جنہوں نے فخر کے انداز میں کہا تھا کہ عورتوں سے علیحدہ رہیں گے اور شادی سے پرہیز کریں گے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عمل پیش فرما کر ان کے خیال کی تردید کی اور اخیر میں فرمایا:

اتزوج فمن رغب عن سنتی فلیس منی	میں شادی کرتا ہوں، پس جو میرے طریقہ سے اعراض
(بخاری باب الترغیب فی النکاح)	کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عکاف بن بشر تمیمی رضی اللہ عنہ ایک دن خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا اے عکاف! تمہارے بیوی ہے؟ حضرت عکاف نے جواب دیا: نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے پوچھا: لونڈی؟ حضرت عکاف نے کہا یہ بھی نہیں۔ یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا، صلاحیت رکھتے ہو اور خوش حال بھی ہو پھر با ایں ہمہ تم نے شادی سے گریز کیا۔

اذ انت من اخوان الشیاطین (جمع الفوائد کتاب النکاح عن احمد) تب تو تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔

پھر بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی کرادی۔

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی خدمتِ نبوی میں عرض کیا، کہ یا رسول اللہ

[1] بخاری کتاب النکاح۔

میں ایک جوان مرد ہوں، زنا کا خطرہ محسوس کرتا ہوں، اور اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ شادی کرسکوں ان کا منشا یہ تھا کہ خصی ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے پھر یہی عذر بیان کیا، اور اجازت کی درخواست کی۔ اب کی دفعہ بھی آپؐ نے خموشی ہی اختیار فرمائی۔ تیسری مرتبہ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے اپنا سوال دہرایا، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خموشی توڑی، اور فرمایا: اے ابوہریرہ! جو کچھ ہونے والا ہے، وہ لکھا جا چکا ہے۔ تم خصی ہو یا نہ ہو۔ پھر تم خواہ مخواہ ایک موہوم خدشہ کی وجہ سے غلط اقدام کی اجازت طلب کرتے ہو؟[۱] اسی بنیاد پر اپنے آپ کو خصی بنالینا اسلام میں ناجائز ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو سختی سے اس بات سے منع کرتے تھے کہ ہم عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں، اور فرماتے تھے کہ تم لوگ شادی کرو۔[۲]

بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ نکاح کی ذمہ داریوں کے قبول کرنے کی اجازت کسی کی معاشی حالت اگر نہ دیتی ہو، تو ایسوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ روزے رکھ کر جنسی میلان کے زور کو توڑیں، لیکن اختصا یعنی اپنے آپ کو خصی بنانے کی اجازت اسلام میں نہیں دی گئی۔ روزہ ہی کو خصی بنانے کا قائم مقام قرار دیا گیا۔

بہرحال پیغمبر اسلام نے اس شد و مد سے نکاح سے کنارہ کشی کرنے والوں کی اس لیے تردید فرمائی کہ یہ اقدام نہایت غلط تھا، اور اسلام کی روح کے خلاف۔ ایک ایسی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ودیعت کی ہے، اس کا یہ مصرف کسی طریقے سے مناسب نہ تھا۔ اگر خدانخواستہ یہ بات اس وقت رد نہ کی جاتی تو آج اس کا بڑا خطرناک انجام ہوتا۔

پاکیزہ نفس عورت رسول اللہؐ کی نظر میں

اسلام کا نقطہ نظر ان ہی وجوہ سے عورت کے متعلق ان راہبانہ وسوسوں سے بالکل مختلف ہے، جن کا ذکر عیسائی رہبانوں کے حوالہ سے کرچکا ہوں۔ بجائے زہر کے

---

[۱] بخاری باب مایکرہ عن التبتل۔ [۲] بلوغ المرام لابن حجر۔ کتاب النکاح۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ۔ (مسلم باب الوصیۃ بالنساء) پوری دنیا متاع ہے اور بہترین متاع نیک عورت ہے۔

جس دین میں عورت دنیا کی بہترین نعمت ہو اس میں یہ کیونکر برداشت کیا جاسکتا ہے کہ اس کو ناپاک قرار دے دیا جائے، اور اس سے کنارہ کشی کا حکم فرما دیا جائے، باقی یہ سوال کہ نیک عورت دنیا کی بہترین پونجی کیوں ہے؟ سوچا جائے تو آسانی سے بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عورت مرد کو بہت سے خطرات اور خطیات وسیئات سے محفوظ رکھتی ہے، طبیعت کو اس سے تسکین حاصل ہوتی ہے اور فطری بےچینیوں کے ازالہ کا ذریعہ وہی ہے، اور یہ ایک مسلّم بات ہے کہ انہی امور کے حصول کے بعد کوئی آدمی یکسوئی سے کوئی نیک کام انجام دے سکتا ہے، اور برائیوں سے بچ سکتا ہے، ورنہ نفسانی خواہشات کی اُدھیڑبُن سے فرصت ملنا ہی محال ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حبب الی من الدنیا النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (نسائی کتاب عشرۃ النساء) دنیا کی چیزوں میں سے میرے دل میں عورت اور خوشبو کی محبت ڈالی گئی اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز کو بنایا گیا۔

ترغیب نکاح کے ساتھ وعدۂ غناء

اوپر کی حدیثوں کو غور سے پڑھا ہوگا، تو معلوم ہوا ہوگا کہ اسلام انسان کو اور خصوصیت سے اپنے پیرو کو جائز طور پر شادی کرنے کی بیحد ترغیب دیتا ہے، اور یہ بھی سُن چکے کہ ناقابل برداشت حد تک جنسی میلان کا تقاضا پہنچ جائے تو نکاح اسلام میں واجب ہو جاتا ہے، فقہاء اسلام کا یہ اتفاقی مسئلہ ہے، مسئلہ کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ معاشی خطرات کو خواہ مخواہ محسوس کرکے نکاح سے جو کترانا چاہتے تھے، قرآن میں انہی کو حکم دیا گیا ہے کہ

اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (نور-۴) اگر وہ مفلس ہونگے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن کو غنی کردیگا، اور اللہ کشائش والا ہے۔

معاشی مسائل کے متعلق صرف عقلی مشوروں پر چلنے والے جن اوہام اور وساوس میں تہ و بالا ہوتے رہتے ہیں، وہی اکثر سوچتے ہیں کہ "شادی کیسے کریں" ہم افلاس نے گھر میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے، بیوی اور پھر بال بچوں کی خوراک و پوشاک کا کیا نظم ہوگا؟

اس قسم کی تنگ خیالیوں کے معاملہ میں حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے دلاسا اور تسلی دی گئی ہے کہ اس مسئلہ کو اتنا پریشان کن نہ بناؤ، رزق کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے، بار بار قرآن میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق -١) اور وہ اس کو رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو خیال بھی نہیں گزرتا

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (الانعام) ہم تم کو اور ان کو رزق دینگے۔

مطلب یہی ہے کہ حالی پر مستقبل کو قیاس نہ کرنا چاہیے "الرزاق ذو القوۃ المتین" پر اعتماد کرکے چاہیے کہ نکاح کا زمانہ جب آجائے تو آدمی نکاح کرلے، اور اس مسئلہ کو خدا کے سپرد کردے، بیوی اور پھر بال بچوں کے نان نفقہ کا سامان من جانب اللہ ہوگا، ممکن ہے بیوی کی شرکت سے خیر و برکت بڑھ جائے، بیوی کا خاندان امداد کرے، یا کسی جائز ذریعہ معاش کا بندوبست کردے، خود شادی کرنے والے میں شادی کے بعد مستعدی اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، کبھی خود بیوی ہاتھ بٹاتی ہے، اور کبھی اس طرح کا کوئی دوسرا سامان فراہم ہو جاتا ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ٹکڑے کے تفسیری ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

"اور احرار کے نکاح میں اس اپنے عزیز یا عزیزہ کے شوہر یعنی پیغام دینے والے کے فقر و افلاس بالفعل کو جبکہ بالقوہ اس میں مادہ اکتساب و خدمت عیال کا ہوتا ہے، مت سمجھا کرو، کیونکہ اگر وہ لوگ مفلس ہونگے تو خدا تعالیٰ اگر چاہیگا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیگا، پس نہ عدم غنا کو مانع نکاح سمجھیں اور نہ نکاح کو مانع غنا، اس کا دار و مدار مشیت پر ہے، اگر فقر کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے، تو باوجود نکاح نہ ہونے کے بھی ہو جائیگا: اور اگر غنا کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے تو باوجود نکاح ہونے کے بھی ہوگا، پس ایسے ارتباطات

دہیہ باطلہ پر کیوں نظر کی جائے، اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے، جس کو چاہے غنی کردے اور سب کا حال خوب جاننے والا ہے، جس کو غنا کا اہل دیکھے غنی کردے، جس کو فقر کا اہل جانے فقیر کردے۔[له]

فقر و فاقہ کے شبہات و شکوک کا حل

اس تفسیری ترجمہ سے انسان کے ان سارے شکوک کے جواب مل جاتے ہیں جو انسانی عقل میں پیدا ہو سکتے ہیں، باوجود اختصار اس میں ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے نکاح کے بعد بھی اگر کسی کا فقر قائم نظر آئے، اس کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ دراصل مشیت الٰہی سے متعلق ہے، مگر چونکہ یہاں پہنچ کر انسان کو خصوصیت سے فقر و افلاس کے شبہات پیدا ہوتے ہیں اس لیے اس موقعہ پر قرآنِ پاک نے خصوصیت سے اس موہوم خطرہ کا تذکرہ کر کے اس سے انسان کو نکالنے کی سعی کی ہے۔ قرآن پاک نے ایک دوسری جگہ بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ۔ (توبہ۔۴) اگر تم فقر سے ڈرتے ہو، تو اللہ آئندہ تم کو اگر اس نے چاہا غنی کردیگا۔

اس آیت میں بھی غنا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر معلق کیا گیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ موہوم فقر سے ڈر کر ضروری کام چھوڑنا نہیں چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فقر کے بعد بھی غنا پیدا کر دیتا ہے، بہر حال ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ رب العزت نے انسان کو شادی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فقر کو حیلہ بنا کر نکاح سے کترانا بیہودہ خیال قرار دیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کھل کر وعدہ کیا ہے کہ اگر اس میں استعداد و صلاحیت ہے اور اس نے فوری محتاجی اور تنگ دستی کے خطرات کو دل سے نکال ڈالا ہے تو ایسی حالت میں وہ کوئی نہ کوئی سامان ضرور کر دیگا۔ ہاں انسان کا فریضہ ہے کہ وہ حصول رزق کے لیے تدبیر اختیار کرے اور اس کے لیے جد و جہد کرے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم)

صحابہ کرام کا تاثر

قرآن پاک کی اس آیت (ان یکونوا فقراء یغنیھم اللّٰہ من فضلہ) کو پڑھ کر حضرت

له بیان القرآن جلد ہشتم۔ ص ١٧۔

ابن عباس فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نکاح کی رغبت دلاتا ہے، اور اس شخص کو شادی کا حکم دیتا ہے جس میں شادی کی صلاحیت پائی جائے اور ساتھ ہی غنا کا وعدہ فرماتا ہے[1]۔ حضرت صدیق اکبر رضی فرماتے ہیں کہ نکاح کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے اس پر عمل کرو، اور رب العزت کی اس کے اس امر میں اطاعت کرو، اس سلسلہ میں اس نے تم سے جو کچھ وعدہ فرمایا ہے، پورا کریگا[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی فرماتے ہیں کہ شادی کے ذریعہ غنا تلاش کرو، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

التمسوا الغنیٰ فی النکاح (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۶) غنا نکاح میں تلاش کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ثلاثة حق علی اللہ عونهم المكاتب الذی یرید الاداء والناکح الذی یرید العفاف والمجاهد فی سبیل اللہ (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

جن کی مدد اللہ پر لازم ہے تین ہیں۔ ایک مکاتب جو ادا کا ارادہ رکھتا ہے، دوسرا نکاح کرنے والا جو عفت و پاکدامنی کا ارادہ کرتا ہے اور تیسرا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، عورتوں سے شادی کرو، وہ تمہارے یہاں مال اور دولت لانے کا ذریعہ ثابت ہونگی یعنی اللہ تعالیٰ اس کی آمد کی وجہ سے روزی میں برکت دیگا[3]

حضرت جابر رضی کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کر کے شادی کرے اور دل میں اس کی خوشنودی کا جذبہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہو کہ وہ اس شخص کی مدد کرے، اور اس کو برکت عطا کرے[4]۔

حالت فقر میں اجازت نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے فقر کا شکوہ کیا تو آپ نے

---

۱ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۶ ۲ ایضاً ۳ جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۱۶
۴ ایضاً کتاب النکاح۔

اس کو نکاح کرنے کا حکم فرمایا[1]، ماحصل یہ ہے کہ فوری فقر اور تنگ دستی کا خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل خیال نہیں فرمایا اور نہ اس کی وجہ سے کسی کو نکاح کی اجازت دینے میں پس وپیش فرمایا، حدیث کی کتابوں میں واقعات مذکور ہیں کہ آپ نے فوری فقر میں صحابہ کرامؓ کو شادی کا حکم دیا، کسی کے پاس کچھ نہ تھا صرف لوہے کی ایک انگوٹھی تھی اور آپ نے اُسے شادی کا حکم دے دیا، کسی صحابیؓ کی تعلیم قرآن پر شادی کرادی، جس کے پاس اس کے سوا کوئی دولت نہ تھی۔ کوئی خدمت نبوی میں آیا اور شادی کی خواہش ظاہر کی اور اس کے پاس ایک ازار (لنگی) کے سوا کچھ نہ تھا، آپ نے اسے شادی کی اجازت دے دی کسی نے اپنی بیوی کو صرف جوتی دی اور آپ نے شادی کی اجازت مرحمت فرمادی، حد یہ ہے کہ ایک لپ ستو اور کھجور پر شادی کی اجازت دی[2]۔

ان حدیثوں کو پیش کرکے کہنا ہے کہ عہد نبوی میں خود ذات برکت سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح کے واقعات پیش آئے جو بتاتے ہیں کہ تنگ دستی اور فقر و فاقہ کے اس عالم میں شادی کی اور کرائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت دی اور رزق کا سامان فرمایا۔

اسلام نے شادی کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ اور پیغمبر اسلام نے لوگوں کی شادی ایسی تنگدستی میں کیوں کرائی؟ سوچا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ سارا اہتمام اس لیے عمل میں آیا کہ عفت و عصمت کی پاکیزہ زندگی میسر آئے، اور اس طرح جائز طور پر بچے پیدا ہوں جس سے پاکبازی پھیلے، اور پھر دنیا میں اخلاق اور عزت و آبرو کی مٹی پلید نہ ہوسکے۔

نکاح سے بالکل مجبوری کی حالت میں عفت کی تاکید

ہاں انسان میں جب شادی کی بالکل صلاحیت نہ ہو، نہ بالفعل اور نہ بالقوۃ وہ دائمی طور پر مجبور ہو، یا اس کو بیوی نہ مل سکے تو ایسی حالت میں اسلام نے اجازت دی ہے کہ اس وقت تک شادی روکی جاسکتی ہے جب تک انسان میں صلاحیت و استعداد نہ آجائے، یا بیوی نہ مل جائے۔ مگر اس حالت میں بھی اسے عفت اور

[1] حاشیہ بیان القرآن۔ ج ۸۔ ص ۱۷۔ [2] ان واقعات کے لیے دیکھیے مشکوٰۃ باب الصداق یا بخاری و مسلم میں باب المہر وغیرہ

پاکدامنی کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (نور - ۴)

ایسے لوگ جن کو نکاح کی استعداد نہیں ہر وہ وہ ضبط کریں تا آنکہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی

مختصر یہ ہے کہ اسلام نے رشتہ ازدواج پر زور ڈالا ہے اور بالکل مجبوری کی حالت میں حکم دیا ہے کہ ضبط نفس اور پاکدامنی سے کام لے، اور ضبط نفس کی جو جائز صورت ہو عمل میں لائے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مجبور آدمی کے لیے حکم دیا ہے کہ روزہ رکھ کر خواہشات نفسانی کا زور توڑے، ایسا نہ ہو کہ شہوت کا غلبہ کہیں بدکاری پر آمادہ کرے۔

ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه وجاء (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

جو شخص اسباب جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو، اس پر روزہ لازم ہے، کہ وہ شہوت کو توڑتا ہے۔

کتب حدیث میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق تذکرہ ملتا ہے کہ وہ مجبوری کی وجہ سے شادی نہ کر سکے، حالانکہ نکاح کی ان کو ضرورت تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روزہ رکھنے کا حکم دیا، اور انہوں نے اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو گناہ سے محفوظ رکھا جب اللہ تعالیٰ نے شادی کا سامان فراہم کر دیا تو پھر اُنہوں نے شادی کر لی۔

شادی سے اجتناب اور اُس کے نقصانات

نکاح کا یہ تاکیدی حکم مصلحت و حکمت پر مبنی ہے، انسان کی سرشت میں جنسی میلان رکھا گیا ہے، بلوغ کے بعد اس میلان کے آثار کا ظہور شروع ہوتا ہے، اور بتدریج شدت پذیر ہوتے ہوئے، تقاضے کا رنگ اختیار کر لیتا ہے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، اور اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت اسی احساس کو اپنے اوپر غالب و مستولی پاتا ہے، دل اور عقل میں جنگ جاری رہتی ہے طبیعت حدود کی پروا کیے بغیر اُبھارتی ہے کہ خواہش پوری ہو، خواہ جس ذریعہ سے بھی ہو عقل خواہش پر لگام لگاتی ہے۔ الغرض طبیعت اور عقل کی اس کشمکش میں کبھی عقل کو غلبہ

حاصل ہوتاہے، اور کبھی طبیعت ہی عقل کو دبا دیتی ہے، غیرازدواجی زمانہ خصوصًا ایام شباب میں یہی کشمکش ہے، جس سے گزرنے والے گزرتے رہتے ہیں۔

مگر انسان جب شادی کرلے اور جائز راستہ حصول خواہش کے لیے پیدا ہوجائے، تو پھر وہ اس خود آفریدہ کشمکش سے نجات پا جاتاہے، اور لا حاصل خیالات کی ادھیڑ بن سے محفوظ ہو کر وقت کو صحیح مصارف میں صرف کرنے کا موقع خود بخود مل جاتاہے، طمانیت اور یکسوئی میسر آتی ہے، اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جو کام یکسوئی اور دل کی طمانیت کے ساتھ انجام پائیگا وہی نتیجہ خیز ہوگا۔

مقاصد نکاح زن وشو کے باہمی جنسی تعلقات کے تین ضروری مقاصد بیان کیے گئے ہیں یعنی نسل انسانی کے اجراء کا یہ ذریعہ ہے، یہ تو خیر عام بات ہے، قیام قیامت تک آدمی کا وجود اسی کا رہین منت ہے پہلی بات تو یہ ہوئی، دوسرا طبی نفع بھی کہ مادہ تولید اگر جسم سے خارج نہ ہو تو طرح طرح کے امراض کا خطرہ رہتاہے اور طبعی تقاضے کی تکمیل سے لذت وسرور یہ تیسرا فائدہ ہے ماہرین ڈاکٹروں اور حکیموں کی رائے ہے کہ انسانی صحت کی حفاظت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب جماع بھی ہے[۱]

مادۂ تولید اور اس کا اخراج جالینوس کا قول ہے، کہ مادۂ تولید پر آگ اور ہوا غالب ہے، اور اس کی طبیعت گرم وتر ہے، اس کا فاضل حصہ جب بھی روک لیا جاتاہے یا رک جاتاہے اور اسی طرح ایک عرصہ تک رکا رہتاہے تو اس سے خراب قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں، کبھی وسواس کی بیماری ہوتی ہے کبھی جنوں کا مرض لاحق ہو جاتاہے اور کبھی مرگی کی بیماری پیدا ہوتی ہے، نیز مادۂ تولید کا اخراج معتدل صحت پر خوشگوار اثر ڈالتاہے، بہت سی بیماریوں سے آدمی محفوظ رہتاہے، ورنہ رکاوٹ سے ایک زہریلا مادہ تمام جسم میں دوڑ جاتاہے جو صحت کے لیے مضر ہوتاہے، اور اسی وجہ سے زیادتی کے وقت انسانی طبیعت اس کے باہر نکالنے پر مجبور ہوتی ہے[۲]

---

[۱] زاد المعاد۔ ج۳۔ ص ۱۴۶ [۲] ایضًا

"نفیسی" جو طب کی مشہور کتاب ہے اس کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت سے مقاربت اس وقت کرنا چاہیے جب طبعی خواہش پوری قوت سے اس کی متقاضی ہو، طبیعت کا واقعی تقاضا ہو، تکلف اور جبری تصورات و خیالات کا نتیجہ نہ ہو، علامت طبعی تقاضے کی یہ ہے کہ مادۂ تولید میں گویا اضطراب و التہاب کی کیفیت محسوس ہو، بے قراری کا سا حال طاری ہو جائے، یہی مقاربت کا صحیح وقت ہے، ورنہ بغیر اس کے صحت کو اس فعل سے نقصان ہی پہنچتا ہے۔

آخر میں علامہ نفیسی لکھتے ہیں کہ

وحینئذٍ لا بد من الجماع و دفع المنی لانہ اذا ترك وكثر فی الاوعیة خنق الحار الغریزی واطفأہ ویلزم ذالك ان یبرد و یبرّد البدنَ (نفیسی۔ ص ۴۱۳)

اور اس وقت مقاربت اور مادۂ تولید کا خارج کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر اسے ترک کر دیا جائیگا اور وہ ظرف میں زیادہ ہو جائیگا تو حرارت غریزی کا یہ گلا گھونٹ دیگا اور اسے بجھا دیگا اور لازم ہوگا کہ وہ خود ٹھنڈا پڑ جائے اور بدن کو بھی ٹھنڈا کر دے۔

مادہ تولید کا حبس اور اس کے نقصانات نقصانات یہیں ختم نہیں ہو جاتے، بلکہ اور بھی مفاسد پیدا ہوتے ہیں:۔

وقد یستحیل المنی الی طبیعة سمیة ویرسل الی القلب والدماغ بخارًا ردیا سمیا یوجب الغشی والصرع ونحوهما (نفیسی۔ ص ۴۱۳)

مادۂ تولید زہر آلود طبیعت میں بدل جائیگی اور یہ زہر آلود مادہ دل اور دماغ کی طرف زہر آلود ردی بخار کو روانہ کر کے غشی مرگی اور اس طرح کی دوسری بیماریوں کا موجب ہوگا۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ "مادۂ تولید جو خود نکلنے کے لیے بے چین ہو، تو اس کا خارج کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ غذا قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے[1]"

علامہ ابن القیمؒ نے بہت درست لکھا ہے کہ مقاربت سے بالکل کنارہ کش نہ ہونا چاہیے؛

---

[1] نفیسی۔ ص ۴۱۴۔

ورنہ جس طرح اس کوئیں کا پانی خراب ہو جاتا ہے، جس کا پانی نکالا نہیں جاتا۔ یہی حشر کلی پرہیز کا بھی ہوگا۔ محمد بن زکریا فرماتے ہیں کہ ترک مقاربت سے اگر وہ کچھ عرصہ قائم رہے تو اعصاب کی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں، اس کے سوتے بند ہو جاتے ہیں اور نسلی عضو سکڑ کر رہ جاتا ہے[1]

ایک موقع پر علامہ نوویؒ لکھتے ہیں :-

وربما غلبت على الرجل شهوته فيتضرر بالتاخير في بدنه او في قلبه او في بصره	مرد پر جنسی میلان کا تقاضا بسا اوقات مستولی ہو جاتا ہے، اگر اس تقاضے کی تکمیل میں تاخیر سے کام لیا جائیگا تو نقصان بدن کو بھی پہنچتا ہے اور دل کو بھی بینائی کو بھی
(نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۵۰)	

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ شادی کرنا ضروری ہے، کیونکہ مادۂ تولید کا اخراج، تقاضے کی شدت کے وقت نہ کیا جائیگا تو صحت بھی بگڑتی ہے اور اس کے سوا بھی دینی و دنیوی نقصانات کا آدمی نشانہ بن جاتا ہے۔

آوارگی اور زنا کا راستہ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"مادۂ تولید کی پیداوار میں جب زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوبصورت عورتوں کو دیکھنا آدمی کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے، اور ان کی محبت دلوں میں جگہ بنانے لگتی ہے، اس بخار کا ایک حصہ شرمگاہ کی طرف بھی آتا ہے جس کی وجہ سے تقاضے میں شدت پیدا ہوتی ہے، اور مقاربت کی قوت ابھرتی ہے اور یہ عموماً نوجوانی کے دور میں ہوتا ہے۔ اور شادی نہ ہونے کی صورت میں بالآخر یہ چیز زنا کے لیے ابھارتی ہے، اس کے اخلاق گندے ہونے شروع ہوتے ہیں اور ایک دن شہوت اسے بڑے خطروں میں ڈال دیتی ہے[2]"

ہم بستری کے فائدے

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

یا معشر الشباب من استطاع منکم	اے جماعت نوجوانان! تم میں سے جو اسباب مقاربت

---

[1] زاد المعاد۔ ج ۳ ص ۱۴۶   [2] حجۃ اللہ البالغہ۔ ج ۲ ص ۱۲۲۔

الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن الفرج (مشکوٰۃ من البخاری و مسلم) پر قدرت رکھے اس کو چاہیے کہ وہ نکاح کرے، نکاح ناجائز دید کی روک ہے اور شرمگاہ کا محافظ ہے۔

جالینوس نے اپنی کتاب حفظ الصحۃ میں لکھا ہے کہ

"بیوی سے اختلاط مخصوص اعتدال کے ساتھ تندرستی کے مختلف ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے اور بہت سے امراض کی شفا ہے[1]"

علامہ نفیسی لکھتے ہیں:

"مقاربت کرنے سے حرارت غریزی بڑھتی ہے اور یہ فعل بدن کو غذا قبول کرنے کی صلاحیت بخشتا ہے، انسان کو خوش رکھتا ہے، غصہ کو توڑتا ہے، بیہودہ خیالات کو دور کرتا ہے، اور بہت سے سوداوی اور بلغمی امراض کے لیے مفید ہے، ترک مقاربت صحت کے لیے مضر ہے۔ اور اس سے پرہیز کرنے والا بہت سی تکلیف دہ اور مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے[2]"

جائز ہمبستری اور تزکیہ قلب حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہ اپنے ایک ارادتمند کو لکھتے ہیں:

اما قولکم ان الباطن مع الاشتغال بالزوجۃ لا یمکن فلاکا دا سلمہ، فان الجماع یصفی القلب و یزیل الکدورات الروحیۃ وقد قال شارح کتاب القاضی عیاض "کل شھوۃ یسود القلب الا الجماع فانہ یزید ہ صفاء" (مکتوبات شیخ الاسلام)	تمہارا یہ کہنا کہ شادی کرنے کے بعد باطن کی اصلاح ناممکن ہے، میں اسے تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ مقاربت تو دل کو جلا بخشتی ہے اور روحانی آلائشوں کو صاف کرتی ہے۔ قاضی عیاض کی کتاب کے شارح نے کہا ہے کہ "ہر شہوت قلب کو سیاہ کرتی ہے، مگر ایک مقاربت کا فعل کہ اس سے دل کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔

ہمبستری میں اعتدال مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اعتدال کے حدود کو توڑ کر اسی مشغلہ میں آدمی ڈوب جائے، کیونکہ یہ بے اعتدالی بھی سخت مضر ہے۔ اوپر جالینوس و نفیسی کے جو اقوال نقل کیے گئے

[1] حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۲ [2] نفیسی ص ۲۱۵ ۔

ہیں اس میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ اس فعل میں اعتدال کا لحاظ ازبس ضروری ہے، صادق اور سچے تقاضے کے بعد ہی یہ مفید ہے، ورنہ خواہ مخواہ زور وجبر سے آمادہ ہو کر اس میں مشغول ہونا حد سے زیادہ مضر ہے۔ نفیسی لکھتے ہیں :۔

والافراط فی الجماع یسقط القوۃ ویضر العصب فیوقع فی الرعشۃ والفالج و التشنج ویضعف البصر (ص ۱۳۲)	مقاربت کی کثرت قوت کو گھٹا دیتی ہے، رگ پٹھوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ پھر رعشہ، فالج اور تشنج اس سے پیدا ہوتا ہے اور بینائی کی قوت کمزور ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ مقاربت کی زیادتی انسان کو سخت نقصانات میں ڈالتی ہے۔ اس سے پرہیز بڑی حد تک ضروری ہے، اس حد تک رہے جو اس کی صحت کے لیے مفید ہو، اور دین کے کاموں میں الجھنوں سے محفوظ رکھے۔

جائز راستوں کا ترک اور اس کا عبرتناک انجام

اتنی بات جب ثابت ہو چکی کہ مادۂ تولید کا خارج ہوتے رہنا صحت کے لیے ضروری ہے، قدرت نے جو فطری طریقہ اس کے اخراج کا مقرر کر دیا ہے اس سے انحراف کر کے جو مادۂ تولید کو غیر فطری راہوں سے نکال نکال کر برباد اور ضائع کرتے ہیں ان کو قدرت کے انتقام سے ڈرنا چاہیے، آدمی آئندہ نسلوں کا امین ہے، اس امانت کے ساتھ خیانت ہولناک مستقبل کو سامنے لاتا ہے، اتنا ہولناک کہ جس کا اندازہ اس وقت نہیں ہوتا جس وقت خیانت کرنے والے اس امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں اور غیر فطری راہوں سے اس کو ضائع کرتے ہیں۔

محمد بن زکریا کا بیان ہے کہ ایک جماعت جس نے مقاربت کا فطری طریقہ چھوڑ دیا تھا اور مادۂ تولید کو غیر فطری راہوں سے ضائع کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے بدن ٹھنڈے پڑ گئے ان کی تیزی میں سستی آگئی، بلا سبب ان پر حزن وملال چھایا رہنے لگا، ان کی امنگیں پژمردہ ہو کر رہ گئیں، اور ان کا ہاضمہ خراب ہو گیا۔

غیر فطری طریقوں میں نقصانات

جو لوگ مادۂ تولید کو غیر فطری طریقوں سے نکالتے ہیں ان کی صحت دائمی

طور پر خطرہ میں گھر جاتی ہے اور وہ پھر عورت کے لائق باقی نہیں رہتے، جس سے ملک کا بڑا نقصان ہے، آدمی کی پیداوار رک جائیگی اور عورتیں بے مہارا رہ جائینگی۔ استمنا بالید (اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کرنے والے) یا عادت قوم لوط کو اختیار کر کے جو اپنے جسم اور اپنی روح پر ستم کے پہاڑ توڑتے ہیں ملعونوں کا یہ طبقہ جس پر خدا کی، خدا کے فرشتوں کی لعنتیں برستی ہیں، اپنے لیے بھیانک نتیجوں کو مرنے سے پہلے اسی زندگی میں جن شکلوں میں دیکھ لیتا ہے اسی سے اندازہ کر سکتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کو کن حالتوں سے دوچار ہونا پڑیگا۔

آج دنیا کے جعلی دوا فروشوں کا تختہ مشق ساری دنیا میں خدا کا دھتکارا ہوا یہی طبقہ بنا ہوا ہے، جو کچھ اس پر گذرتی ہے کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا ہے۔ اندر ہی اندر گھٹتا ہے اور لوگ اس کی کمزوریوں سے نفع اٹھاتے ہیں، ان کے نقصانات کا اندازہ کرنے کے لیے یہ اقتباس پڑھیں جو ایک معتمد حکیم کی تحریر ہے۔

"استمنا بالید، اس بد خصلت اور قبیح حرکت کی ابتدا تو افریقہ سے ہوئی ہے، لیکن عرب، مصر، ہندوستان بلکہ تمام دنیا کے مہذب اور غیر مہذب ممالک میں یہ بد عادت قدیم ایام سے کم و بیش برابر جاری ہے، اکثر طالب علم مجرد لوگ، اور ریاکار زاہد ہی اس مرض میں مبتلا ہوا کرتے ہیں..... یہ ایک ایسا قبیح اور شنیع فعل ہے کہ جس کی بدولت بہت سے خاندان تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں، برادران وطن کی عام ناطاقتی اور کمزوری اس کی بین شہادت ہے، صرف یہی اکیلی حرکت ناشائستہ آج کل ہماری نسلوں کو بیحد کمزور بنا رہی ہے، جوانوں کی جوانی خاک میں ملانے والی شباب کی امنگوں اور حوصلہ پر پانی پھیرنے والی، اور ترقی و ترفع کے ولولوں کو ملیا میٹ کرنے والی یہی بدترین خصلت ہے، کاش اس وبائے عام کے مہلک نتائج اب بھی جوانوں کے سامنے آئیں، کاش ان کی آنکھیں کھلیں اور سینکڑوں واقعات سے عبرت و بصیرت حاصل کریں، یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس تباہ کن عادت میں اسی فیصدی آدمی گرفتار ہیں، اور اس کے اندازے کے لیے بہترین معیار وہ روزانہ کے خطوط ہیں جو حکیم صاحب قبلہ دام اقبالہم کی خدمت میں تجویز دواد

علاج کے لیے آتے ہیں، ۔۔۔۔۔ یہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بہترین زندگی کو خاک میں ملاکر، زندہ درگور ہوکر ہمیشہ کے لیے کف افسوس ملتے رہتے ہیں، ان نتائج کا اثر قلب و دماغ و جگر و معدہ و گردوں اور آلات تولید پر یکساں پڑتا ہے۔

ایک اور قبیح و شنیع حرکت بھی ہوتی ہے ۔۔۔۔۔ وہ اغلام ہے، اس کے نتائج بھی قریب قریب جلق ہی جیسے ہوتے ہیں، اور اس علت کا گرفتار بھی ایسی ہی پریشانی اٹھاتا ہے جیسے جلوق، ان دونوں صورتوں میں عضو مخصوص کے پٹھے بالکل کمزور ہوکر ماند پڑ جاتے ہیں اور رطوبات فاسدہ جمع ہوکر اس کو فعل طبعی سے روک دیتی ہے، اور اسی وجہ سے ضعف انتشار اس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے، یہ بات مانی جاچکی ہے کہ ہاتھ میں ایک قسم کی سمیت ہوتی ہے[1]۔

غیر فطری راستوں سے تکمیل شہوت اسلام کی نظر میں

اسلام نے اسی لیے نسل انسانی کے ساتھ ان خباثت کرنے والوں کی سخت سزائیں مقرر کی ہیں۔ حدیث نبوی ہے کہ

من وجد تموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ (ترمذی ج ۱ ص ۱۸۶) تم جس کو دیکھو کہ وہ قوم لوط کا عمل کرتا ہو تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر ڈالو۔

مادۂ تولید کی بربادی کی ہی شکل یہ بھی ہے کہ بیوی کے ساتھ کوئی عمل لوط کا ارتکاب کرے، حدیث میں یہ بھی ہے :۔

لا ینظر اللہ عز وجل الی رجل اتی رجلا او امرأۃ فی دبرھا (ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۳۸) اللہ تعالیٰ اس شخص کو نظر ترحم سے نہیں دیکھیگا جو کسی مرد یا عورت سے لواطت کرتا ہے۔

اسی انسانی امانت کی خیانت کی ایک شکل یہ بھی ہے، جس کی طرف حدیث ہی میں اشارہ کیا گیا ہے اور سخت سزا تجویز کی گئی ہے، یعنی

من اتی بھیمۃ فاقتلوہ (جمع الفوائد ج ۱ ص ۳۸۹) جو کسی چوپایہ سے وطی کرے اس کو قتل کر ڈالو

مادۂ تولید کو ہاتھ وغیرہ سے نکال کر ضائع کرنا، اسلام میں اس کی بھی سختی کے ساتھ ممانعت

---

[1] حاذق ص ۲۲۵ و ۲۲۶۔

کی گئی ہے:۔

الناکح بالید ملعون (لہ) ہاتھ سے منی نکالنے والا ملعون ہے۔

تجربہ و مشاہدہ بتا رہا ہے کہ نا کردنی کے کرنے والوں کے چہرہ کی رونق غائب ہو جاتی ہے ایک پھٹکارا اور بے رونق وہ آدمی معلوم ہوتا ہے، اپنی تندرستی کی نعمت سے وہ محروم ہو جاتا ہے، بسا اوقات مردمی اور رجولیت کی قوت کو بھی یہی عادت کھو دیتی ہے۔

بہرحال جو کچھ اختصار کے ساتھ عرض کیا گیا اس سے اتنی بات کھل کر سامنے آگئی کہ وہ تمام طریقے جو غیر فطری ہیں اسلام میں ان کی سختی کے ساتھ سدباب کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ شخصی، خاندانی اور عام انسانی نقصانات کا دروازہ ان سے کھل جاتا ہے، قوم کی قوم اور نسل کی نسل کو انہی بری عادتوں نے تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے۔

اجتماعی حیثیت سے نکاح کی افادیت

اسلام میں صرف جائز فطری راہ کھلی رکھی گئی ہے، کہ ہر حیثیت سے وہ مفید ہی مفید ہے، یہ جائز طریقہ وہی نکاح کا طریقہ ہے، مذاہب و ادیان، آئین و قوانین سب ہی میں اس فطری جائز راستہ کو کھلا رکھا گیا ہے، اسی رشتہ پر خاندانی اور قبائلی زندگی کا دارومدار ہے، نکاح کا طریقہ اگر نہ ہو تو نظام حیات درہم برہم ہو جائے، اور مدنیت وارتقا کا نام و نشان مٹ جائے، کون نہیں جانتا کہ عمر کے ایک مخصوص حصہ میں آکر مرد کو عورت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تاکہ اس سے تسکین حاصل کرے، اور عورت کو مرد کی تلاش ہوتی ہے جس کا سہارا لے کر وہ اپنی سب سے بڑی دولت عصمت کو محفوظ رکھ سکے، اور پھر دونوں مل کر پاکدامنی کی زندگی گذاریں، اور حوادثِ زمانہ کے وقت ایک دوسرے کے معاون ہوں، مرد کو عقل ہے دل نہیں، عورت کو دل ہے عقل نہیں، یعنی ہر ایک کا ایک پہلو کمزور ہے جب تک دونوں مل نہ جائیں، زندگی مکمل کسی کی بھی نہیں ہو سکتی، اور شادی کرنا اجتماعی حیثیت سے بھی ضروری ہے کہ مذکورہ فوائد کے ساتھ اجتماعی شیرازہ بندی میں سہولت پیدا ہو، تعلقات اور باہمی انس و محبت

لہ اس مفہوم کی حدیث کہیں میں نے دیکھی ہے، اس وقت تلاش کرنے پر نہیں ملی۔ ۱۲ منہ

خاندانوں کو جوڑ دے، اگر شادی نہ ہو تو باپ کہاں سے آئیگا؟ ماں کون ہو گی؟ بھائی بہن کا رشتہ کس طرح پیدا ہو گا؟ شوہر اور بیوی کون کہلائیگا؟ سسر اور سالا کون بنیگا؟ رضاعی اور غیر رضاعی رشتہ کی شاخ کس درخت سے پھوٹیگی؟ بھائی برادری دنیا میں کہاں سے جنم لیگی؟ اور باہمی تعلقات کی جڑ کیونکر مضبوط ہو گی۔

شادی روشن خیال مفکرین کی نظر میں

شادی کی یہ اہمیت آپ طبی اور مذہبی حیثیت سے پڑھ چکے، اب یہ بھی ملاحظہ کیجیے کہ دنیا کے موجودہ مفکرین اور روشن خیال اس سلسلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

بھارتی مفکر کا بیان

ہمارے ملک ہندوستان کے مشہور لیڈر اور بھارت کے پہلے ہندوستانی گورنر جنرل مسٹر راج گوپال اچاریہ فرماتے ہیں:

"عورتوں کے لیے شادی کرنا بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹری، انجینرنگ اور سیاست دانی بلاشبہ باعزت پیشے ہیں، مگر گھر بار کی نگرانی اور بچوں کی پرورش بھی کچھ کم قابل عزت نہیں ہے فوجی کارخانوں میں کام کرنا، اور دفتروں میں حاضری دینا، خواہ کتنا ہی اہم ہو لیکن گھریلو زندگی کے نوک و پلک درست کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے، میں نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں جو تجربہ حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے اخلاق کی تکمیل ماں بن کر ہی ہو سکتی ہے۔"[1]

فاضل فرنگن کی رائے

ایک فاضل فرنگن لکھتی ہے:۔

"عورت کا اولین فریضہ شادی، مادریت اور خانہ داری ہے، معاشرہ کا فرض ہے کہ ہر عورت کے لیے اس کے موقعے بہم پہنچائے اور جو عورت اس کی تلاش میں ہو اسے وہ اسی آسانی سے مل جائے، جیسے مرد کو ذریعہ معاش۔"[2]

مغربی مفکر کا مشورہ

ایک مغربی مفکر این ٹھونی ایم لوڈو ویسی اپنی کتاب "عورتوں کا تحفظ" میں لکھتا ہے:۔

---

[1] زمزم لاہور۔ ۷، اگست ۱۹۴۵ء [2] صدق جدید لکھنؤ ۱۸ جنوری ۱۹۵۲ء

"اس امر پر زور دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر عورت کے لیے ایک خاص عمر تک ازدواجی زندگی کو مقصود زندگی قرار دیا جانا چاہیے، اور والدین کے ذہن نشین یہ امر کرنا چاہیے کہ ازدواج ہی وہ اصل غرض ہے جس کے لیے لڑکیوں کی تربیت کی جانی چاہیے، انسانیت کے بہترین پہلوؤں کی تکمیل ماں بننے سے ہی ہوتی ہے، اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ایک عورت حاصل کرے وہ اس سے کم تر درجہ رکھتی ہے، اور وہ لوگ جو اسے عالم شباب میں یہ فریب دیتے ہیں کہ اس کے لیے ماں بننے سے بڑھ کر یا اس کے برابر اور مشاغل بھی ہیں، نہ صرف صنف نازک کے بلکہ نوع انسانی کے دشمن ہیں"[1]

یہی مصنف اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتا ہے۔

"چونکہ عورت کامل طور پر زندگی اور اس کی افزائش کے کاروبار میں ڈوبی ہوئی ہے، اس لیے اس حقیقت کا صاف طور پر اور بلا خوف تردید اعلان ہونا چاہیے کہ تمام وہ لوگ جو اسے یہ سکھاتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی اور شغل اس کا اصلی شغل ہے، تمام وہ لوگ جو مسائل حاضرہ کے گورکھ دھندے میں اسے نسوانیت کے بارے میں ایسے قصے کہانیوں سے پریشان کرتے ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اصلی نسوانیت زندگی اور اس کی افزائش سے علیحدہ کوئی چیز ہے، غرضیکہ وہ تمام لوگ جو اسے مرد اور بچہ سے دور رہتے ہوئے مسرت، اطمینان اور راحت کی توقعات دلاتے ہیں جھوٹے ہیں"[2]

مقاصد نکاح اور عفت و عصمت

یہ چند نمونے بطور مثال نقل کیے گئے ہیں، ورنہ انسانی تاریخ کا ایسا کونسا حصہ ہے جس میں ازدواجی زندگی کی اہمیت محسوس نہیں کی گئی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ہمیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دوسرے منافع و فوائد کے ساتھ "رشتۂ ازدواج" کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ

---

[1] ندائے حرم کراچی جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ [2] ایضاً

...ت وعصمت اور ناموس وآبرو کی انمول دولت جو انسان کو بخشی گئی ہے، اس دولت کی حفاظت ...امن ازدواج کا یہی آئینی طریقہ ہے جسے ہم نکاح کہتے ہیں، اور اب مسئلہ کے اسی پہلو پر گفتگو کی ...گی۔

...ح میں چار ضروری شرطیں | قرآن پاک نے جہاں محرمات کا بیان کیا ہے وہاں اس کو ختم کرتے ہوئے ...اد فرمایا گیا ہے:

أُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا — اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں
...بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ — اس طرح کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ چاہو، ان کو بیوی بناؤ، صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو۔ (النساء۔۴)

یعنی محرمات کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ چار شرطوں کے ساتھ حلال ہوتی ہیں۔ اول دونوں طرف ...ایجاب وقبول پایا جائے، جس کی طرف "ان تبتغوا" سے اشارہ کیا گیا ہے، دوسرے مال دیا ...جس کو اصطلاح میں مہر کہتے ہیں، جسے بِأَمْوَالِكُمْ کا لفظ بتا رہا ہے، تیسرے یہ کہ عورت کو ...یں لانا اور جائز طریقہ پر رکھنا مقصود ہو، کہ طرفین کو عفت، عصمت اور اخلاق کی دولت ...ب ہو، محض مادۂ تولید کا ضائع کرنا ہو مقصود نہ بنا لیا جائے، جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے کہ دل کی ...س نکلی، منہ کالا کیا اور چلتے بنے۔ ماحصل یہ ہے کہ شادی اس مقصد سے کی جائے کہ عورت ...ی بنا کر ہمیشہ رکھینگے اور عورت اس کے پاس پاکدامن بن کر رہیگی، مطلب یہی ہے کہ ازدواجی ...وقتی نہیں ہے یعنی "متعہ" کا حصہ نہیں ہے، کہ چند دنوں اور مہینوں کے لیے رکھا اور پھر علیحدہ ...ے، جس پر "محصنین غیر مسافحین" کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ چوتھی بات یہ ہو کہ دوستی مخفی نہ ...نا جائز عشق ومحبت کی زنجیر میں جکڑے ہوں اور کسی کو علم نہ ہو، بلکہ رشتہ ازدواج کے لیے ضروری ...کہ کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کے شرعی گواہ ہوں، عام اعلان اور شہرت ...اور بہتر ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں "غیر متخذی اخدان"

...ح سے حصول عفت | حصان کا لفظ قرآن میں جو لایا گیا ہے وہ حصن سے مشتق ہے جس کے معنی قلعہ

کے ہیں یعنی انسان شادی کرکے عفت وعصمت کے قلعہ میں آجائے، اور مفاسد اخلاق سے محفوظ ہو جائے جو شادی کا بنیادی مقصد ہے، ایسا نہ ہو کہ صرف لطف اندوزی کا ارادہ ہو اور بس "محصنین غیر مسافحین" کا لفظ بتا رہا ہے کہ بغیر اس مہتم بالشان چیز کے جس کو عفت کہتے ہیں نکاح نکاح نہیں ہے، نکاح جس طرح مردوں کے لیے پاکدامنی اور اخلاق کا ذریعہ ہے، عورتوں کے نکاح کا مقصد بھی یہی ہے۔ قرآن میں اعلان ہے:۔

فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَ	ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلیا کرو، اور
آتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ	ان کے مہران کو قاعدہ کے مطابق دے دیا کرو، اس طور پر کہ
مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا	وہ منکوحہ بنائی جائیں، نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور
مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ۔ (النساء۔۴)	نہ خفیہ آشنائی کرنے والی۔

اس آیت میں کھلے لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ شادی سے عورتوں کا مقصد بھی یہی ہو کہ وہ عفت وعصمت کی زندگی گزاریں گی، اخلاق وکردار کو بلند رکھیں گی، اور اپنے داعیات فطرت کو اپنے شوہر کے ذریعہ پورا کریں گی، بدکاری، چھپ چوری آشنائی اور عفت میں خیانت نہ کریں گی۔ سورۂ مائدہ میں بھی اس مضمون کو ادا کیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ	آج تمہارے لیے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ	کتاب دیے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا
طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ	ذبیحہ ان کو حلال ہے، اور پارسا عورتیں جو مسلمان
الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا	ہوں اور پارسا عورتیں اہل کتاب کی یہ سب بھی
الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ	حلال ہیں، جبکہ تم ان کو معاوضہ دیدو، اس طرح
مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي	سے کہ تم بیوی بناؤ، نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ
أَخْدَانٍ۔ (المائدہ۔۱)	خفیہ آشنائی کرو۔

اس آیت میں ترغیب ہے کہ شادی کرتے وقت پاکدامن عورت کی تلاش وجستجو ہونی چاہیے،

اور رشتہ ازدواج کے قیام کے وقت اول نظر عورت کی پاکدامنی اور عفت و عصمت پر ہی ہونی ضروری ہے، اور اخیر آیت میں مردوں کی پاکدامنی اور عفت و اخلاق کا بھی مطالبہ ہے۔ گویا اسلام نے بتایا کہ شادی کے ذریعہ گوہر عصمت محفوظ رکھا جائے، اور دونوں صنفیں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوں اور فطری پیاس بجھائیں، ہاں صرف شہوت رانی اور ہوا پرستی پیش نظر نہ ہو ورنہ حیوانی اور انسانی زندگی میں فرق ہی کیا رہ جائیگا۔

عفت و عصمت کی اہمیت ماحصل یہ ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ شادی کر کے صنفی تقاضوں کی تکمیل کا موقعہ زن و شو کو حدود اللہ کے اندر رہ کر حاصل ہو کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلاشبہ عفت و عصمت ایسی بیش قیمت چیز ہے کہ اس پر دنیا کی ساری چیز قربان کی جا سکتی ہے، مگر یہ کبھی جائز نہیں ہو سکتا کہ کسی دوسری چیز پر عفت کو قربان کر دیا جائے۔

یہ در عفت اگر خطرہ میں گھر جائے، حدود اللہ ٹوٹنے کا خطرہ سامنے آجائے اور شادی کا جو بنیادی مقصد ہے وہی زد میں آجائے تو ضرورت کے وقت شادی کی گرہ کھول دی جائیگی۔ مثلاً زن و شو کے تعلقات آپس میں اتنے کشیدہ ہو جائیں کہ ایک کو دوسرے سے نفرت ہو جائے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کر سکیں تو ایسی حالت میں اسلام علیحدگی کی اجازت دیتا ہے مگر یہ برداشت نہیں کرتا کہ رشتۂ ازدواج میں بندھے ہوئے ہوں اور عفت و پاکدامنی کھو دی جائے، اسی وجہ سے ایسی حالت میں طلاق کی اجازت ہے، تاکہ عورت بھی آزاد ہو جائے اور وہ بھی اپنا کوئی جائز سامان کرے، اور مرد کو بھی آزادی حاصل ہو جائے اور یہ بھی ضرورت سمجھے تو کسی دوسری عورت سے اپنا جائز رشتہ قائم کر لے، اور اسی بنیاد پر عورت کو خلع کا حق دیا گیا ہے کہ وہ ظالم شوہر کے پنجہ میں گرفتار ہو کر بے بس نہ ہو جائیں، بلکہ اگر وہ ایمانداری سے سمجھتی ہیں کہ موجودہ شوہر کے ساتھ رہ کر حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکینگی تو شوہر کو مہر کا کچھ حصہ یا کل حصہ دے کر شوہر سے طلاق حاصل کر سکتی ہیں۔

اور اسی عفت کی اہمیت کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے مرد کو اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ چار مہینے سے زیادہ اپنی ایلاء کو باقی رکھیں، اور عورت سے ہم بستری کرنے سے قسم کھالیں، بلکہ اگر چار ماہ تک مرد اپنی اس قسم پر باقی رہا تو پھر اس کے بعد اس کو حق نہیں ہے کہ عورت کو اپنی قید میں ڈالے رہے، کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عورت داعیات فطرت سے مجبور ہو کر عصمت کا فانوس توڑ ڈالے اور اپنی پاکدامنی کھو دے۔ اور اسی عفت و عصمت کی اہمیت کا یہ اثر ہے کہ چند شادی کرنے والوں کو اسلام نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم ایک عورت پر ایسا نہ جھک پڑو کہ دوسری لٹکی رہ جائے۔

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ۔ (النساء-۱۹) | پس ایک طرف نہ جھک پڑو کہ دوسری کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔

شاید یہ چیز معلقہ کے لیے حدود اللہ توڑنے کی وجہ بن جائے، اور شادی کا جو مقصد اعظم ہے وہ فنا کے گھاٹ اتر جائے۔ نکاح کے سلسلہ میں جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں، ان سے بھی اس مقصد کی تائید ہوتی ہے کہ عفت و عصمت کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

محبت و رحمت نکاح کا دوسرا بنیادی مقصد یہ ہے کہ رشتۂ ازدواج کے ذریعہ مرد و عورت ان دو صنفوں میں باہم محبت اور پریم ہو، انس اور خلوص ہو، اور ان میں سے ہر ایک کو طمانیت اور سکونِ قلب میسر آئے، جو اجتماعی زندگی میں ترقی اور عروج کا ذریعہ ثابت ہوں۔ تہذیب و تمدن سے جو چیزیں متعلق ہیں ان کو باہمی اشتراک عمل سے آگے بڑھا سکیں، اور پھر اس طرح وہ ملک اور قوم کے لیے باعث حوصلہ افزائی ہوں، خود ان کی زندگی کے لیے شادی وجہ راحت و مسرت اور باعث اطمینان و سکون ہو، قرآن پاک نے جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے وہ بس اسی کا حصہ ہے، ارشاد رب العزت ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم-۳۰) | اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری قسم سے جوڑے پیدا کیا، تاکہ تم ان کے پاس چین حاصل کرو، اور اس لیے تمہارے درمیان پیار اور مہربانی رکھی

اس آیت میں رب العزت نے مقاصد نکاح کو بیان کرتے ہوئے ارکان نکاح کو بتایا ہے کہ اس رشتہ سے جو پہلی چیز حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے سے تسکین خاطر اور اطمینانِ قلب میسر ہوتا ہے، اور پھر ہر ایک دوسرے کی بےچینی میں سہارا ہو، اور جب کبھی اور جس وقت بھی طبیعت انسانی میں امنگ و ولولہ پیدا ہو، دل میں گدگدی کا احساس ہو اور جنسی اضطراب چھیڑے تو ایک جائز آئینی ذریعہ فطرت کے ان تقاضوں کی تکمیل کا سامنے موجود رہے۔ اسی مسئلہ کی طرف کتنے بلیغ پیرایہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے کہ

ان المرأة تقبل فی صورۃ شیطان وتدبر	بلاشبہ عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور اسی
فی صورۃ شیطان، اذا احدکم اعجبتہ	کی صورت میں واپس ہوتی ہے۔ تم میں سے کسی کو جب
المرأۃ فوقعت فی قلبہ فلیعمد الی امرأتہ	عورت بھلی معلوم ہو اور دل پر اس کی چوٹ پڑے تو
فلیواقعہا فان ذلک یرد ما فی نفسہ	چاہیے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہو، اس تدبیر سے
(مسلم باب ندب من رأی امرأۃ الخ جلد ۱ ص ۴۴۹)	اجنبی عورت کا اثر دل سے جاتا رہیگا۔

ہیجانی کیفیت کا علاج جنسی میلان جن کا قوی ہوتا ہے طبعًا عورت کی طرف ان کی نگاہیں اٹھ جاتی ہیں اور عورت اپنی قدرتی ہیئت سے مرد کے خوابیدہ جذبات کو جگا دیتی ہے، اس سے بچنے کی تدبیر اسلام نے بتائی ہے، تو اگر ایسی بات سامنے بھی آجائے، اور کسی عورت کی دید باعث ہیجان ہو تو ایسے نازک موقع کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کے پاس چلے جاؤ، اور اس مادہ کو خارج کر آؤ، جو اس کا محرک بنا ہے، تاکہ اس کے نکلنے کے بعد شیطان تمہارے دل میں نہ وسوسہ ڈالنے کی جرأت کرے اور نہ تم کو گناہ میں ملوث کرنے پائے۔ علامہ نووی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

انہ یستحب لمن رأی امرأۃ فتحرکت شہوتہ	کسی عورت کو دیکھنے سے جب کسی کی خواہش میں ابھار
ان یاتی امرأتہ..... فلیواقعہا لیدفع	پیدا ہو، تو اس کو چاہیے کہ اپنی بیوی سے مقاربت
شہوتہ وتسکن نفسہ ویجمع قلبہ علی	کرے تاکہ دل کا تقاضا ٹھنڈا پڑ جائے اور نفس کو سکون

ماھو بصددہ (شرح مسلم، ج ۱ ص ۴۴۹) داخل ہو اور قلب جس کے درپے ہو وہ بات جاتی رہے۔

عورت کی آمد و رفت کو شیطان کی صورت سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ عورت میں فطرتاً کچھ ایسی جاذبیت اور دلکشی رکھی گئی ہے کہ قدرتاً مرد کا دل عورت کی طرف کھنچتا ہے، گویا شیطان کو موقع ملتا ہے کہ عورت کو مرد کی لغزش کا ذریعہ بنائے، گویا عورت کا باہر نکلنا شیطان کا باہر نکلنا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ عورت کو بغیر شدید ضرورت گھر سے نکل کر مردوں کی سوسائٹی میں گھسنے پھرنے سے بچنا چاہیے۔

اس مسئلہ کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اسلام نے نکاح کے جن بنیادی مقصدوں کی نشاندہی کی، اور جن کی طرف جگہ جگہ وضاحت اور اشارہ سے کام لیا ہے ان کا حصول ناممکن ہے، جب تک نکاح کا وہی جائز فطری اور شرعی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔ شادی کے وہ طریقے جو اسلامی طریقے سے مختلف ہیں ان سے مقاصد نکاح کا حصول محال ہے۔

یارانہ شادی مثلاً اس زمانہ میں مغربی ملکوں نے ایک طریقہ "یارانہ شادی" کا نکالا ہے کہ کوئی رسم ادا کیے بغیر مرد و عورت باہم رضامندی سے مل جائیں، اور خفیہ یا علانیہ زن و شو کی حیثیت اختیار کرلیں، یہ یارانہ شادی صرف اس لیے رچائی جاتی ہے کہ دونوں طرف عیش و عشرت مقصد ہوتا ہے، عفت و عصمت، بقائے نسل انسانی اور دوسرے مقاصد نہیں ہوتے، نتیجہ ظاہر ہے، کہ چند ہی دنوں میں جہاں دونوں کی طبیعت سیر ہوگئی، ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے، اور پھر نئے جوڑے کی فکر میں منہمک ہوگئے، اسی طرح یہ دور چلتا رہتا ہے اور کہیں کسی سے بھی جم کر یہ رشتہ نباہنے کی سعی نہیں کی جاتی، انسان عجلت پسند اور تند مزاج واقع ہوا ہے، چنانچہ کسی "یارانہ شادی" کی مدت زیادہ نہیں گزر پاتی، اور اس طرح مقاصد نکاح فوت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

پھر اس کمزور رشتہ کا یہ اثر پڑتا ہے کہ مرد و عورت میں سے کسی میں بھی بچوں کی پرورش کی صلاحیت نہیں ہوتی، ہر ایک اپنے کو آزاد دیکھنا چاہتا ہے، بال بچوں کی سرگرانی کوئی بھی اٹھانے

کو تیار نہیں ہوتا، انجام یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی یکسوئی اور مرکزیت نصیب نہیں ہوتی اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسی گناہ کی سزا ہے کہ عورتیں آج کل آپریشن کے ذریعہ اپنی بچہ دانی نکلوالیتی ہیں تاکہ وہاں تک پہنچ کر نطفہ بچہ کی شکل ہی اختیار نہ کرنے پائے، اور اس رواج کا برا نتیجہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ عورتیں اپنی عصمت چلتے پھرتے لٹانے لگیں، کیونکہ اب اس کے بعد ان کو کوئی خطرہ باقی نہیں رہ گیا۔

عفت وعصمت کی اہمیت اسلام میں

حالانکہ یہی عفت وعصمت وہ بنیادی مقصد ہے، جو نکاح کا اسلام نے قرار دیا ہے، اور اس کو کہیں بھی فراموش نہیں کیا ہے، قرآن پاک نے اپنے معجزانہ پیرایہ میں متعدد مقامات میں عفت و عصمت اور اخلاق کی تاکید کی ہے اور دلنشین انداز میں ترغیب دی ہے۔ ایک جگہ عفت و عصمت اور اخلاق ومحبت کی حفاظت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ (احزاب - ۵)	اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے مرد و عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے معافی اور بڑا ثواب رکھا ہے

اس آیت میں کتنی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ گوہر عصمت اور دُرِ عفت کا تحفظ رکھتے ہیں اخلاق و اعمال میں نقص پیدا نہیں ہونے دیتے، خداوندی حدود میں رہ کر لذت و مسرت حاصل کرتے ہیں اور حدود اللہ کو توڑنے سے بچتے ہیں، ان افراد امت کے لیے اللہ تعالےٰ نے مغفرت کی دولت اور اجر عظیم کی لازوال نعمت تیار کر رکھی ہے۔

فلاح کامل کی بشارت ایک دوسری آیت میں اخلاق وعفت اور پاکدامنی پر فلاح کامل کی روح پرور خوشخبری دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن مسلمانوں کو فلاح کامل کی مسرت انگیز خبر سنائی ہے ان میں ان لوگوں کو بھی بتایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ۔ (مومنون-۱)

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں یا اپنی شرعی لونڈیوں سے متمتع ہوتے ہیں ان پر کوئی الزام نہیں، ہاں جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلبگار ہو ایسے لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں

جنسی میلان کی تسکین کے لیے رب العزت نے جائز صورتیں دو بیان کی ہیں، ایک بیوی جس سے جائز طور پر رشتہ ازدواج قائم کیا گیا ہو، دوسرے لونڈی، جس سے ہم بستری جائز ہے، ان دو کے علاوہ جو صورتیں آدمی جنسی میلان کے لیے اختیار کرے وہ اسلام کے قانون میں حدود اللہ سے تجاوز قرار دیا گیا۔

عفت جزو نبوت کی حیثیت میں

اور پاکبازی اتنی اہم چیز ہے کہ اسلامی نقطۂ نکاح سے یہ نبوت و رسالت کے لیے جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔ رب العزت نے رسولوں اور نبیوں کے حق میں اسے بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے، اگر کسی برگزیدہ بندہ پر عفت کے خلاف تہمت لگائی گئی، تو خود پروردگار عالم نے اس کی تردید کی، اور ان کی پاکدامنی کا ثبوت فراہم کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ گزر چکا کہ ان پر زلیخا عزیز مصر کی بیوی فریفتہ ہوئی اور اس نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کا دامنِ عفت ملوث ہو، مگر رب العزت نے ان کی دستگیری فرمائی اور اس نازک ترین وقت پر آپ کو بچالیا۔ گو شروع معاملہ میں شرمندگی دور کرنے کے لیے زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام ہی کی طرف بری نیت کی نسبت کی، مگر پھر بالآخر اسی عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کی گواہی دی۔ قرآن نے تذکرہ کرتے ہوئے اعلان کیا۔

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ (یوسف ۴)

اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی، مگر یہ پاک صاف رہا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور عصمت کا اعلان کرنے کے بعد وجہ بیان کرتے ہوئے اسی قرآن میں ارشاد فرمایا:۔

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۔ (یوسف۔ ۳) — تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف میں ارشاد ربانی ہے:

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (آل عمران ۴) — او مقتدا ہونگے اور اپنے نفس کو بہت روکنے والے ہونگے اور نبی ہونگے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہونگے۔

"حصور" اس کو کہتے ہیں جو اپنی قوت شہوت پر قابو رکھتا ہو، اور نفس کے فریب میں مبتلا نہ ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم صدیقہ علیہا السلام پر یہود نے تہمت لگائی تو خود رب العزت نے تردید کی اور قرآن ہی میں اعلان کیا:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ۔ (تحریم۔ ۲) — عمران کی بیٹی مریم جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا ۔ (انبیاء۔ ۶) — وہ بی بی جنہوں نے اپنے ناموس کو بچایا، پھر ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی۔

خود اہل بیت نبوی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔ (نور۔ ۳) — یہ اس بات سے پاک ہیں جو وہ بکتے پھرتے ہیں ان کے واسطے مغفرت اور عمدہ رزق ہے۔

دیکھ رہے ہیں انبیاء و رسل اور ان کے گھرانوں کی عفت و عصمت کا اعلان قرآن پاک میں کس شد و مد سے رب العزت نے کیا ہے۔

ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں عفت و عصمت کتنی اہم اور ضروری صفت ہے، جس سے ایک لمحہ کے لیے صرف نظر جائز نہیں۔

پاکیزہ نفس کا مرتبہ ایک جگہ پاکبازوں کی بلندی کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن ہی میں فرمایا گیا۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ، وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ۔ (نور ۳)

گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں، اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں

جو خبیث ہے اس کا درجہ طیب سے فروتر بتایا گیا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے۔ خبیث اور خبیثات ایک درجہ میں ہیں اور پاکدامن مرد وعورت کا گروہ علیحدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی جہاں صفتیں بیان کی ہیں، وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ نیک بندوں کی ایک بڑی صفت یہ ہے کہ وہ بدکار نہیں ہوتے، ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ۔ (فرقان ۶)

اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جن کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے قتل نہیں کرتے مگر کسی حق شرعی کی بنیاد پر، اور جو زنا نہیں کرتے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عفت وعصمت اور پاکبازی انسان کی ایسی خوبی ہے جو عزت و آبرو اور اخلاق واعمال کی جان ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود ماننے سے توحید کی رگ جان کٹ جاتی ہے اور انسان کافر ہو جاتا ہے، اور قتل نفس سے آدمی کی ظاہری زندگی ختم ہو جاتی ہے جو موجودہ زندگی کے تعلق کو کاٹ دیتی ہے اور بدکاری انسان کی عفت وعصمت اور اخلاق کی مٹی پلید کرکے اس کی عزت وآبرو کو ابدی نیند سُلا دیتی ہے۔

عورتوں سے عفت وعصمت پر بیعت مسلمان عورتوں سے جن باتوں پر بیعت لینے کا حکم تھا ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ بدکاری نہ کرینگی اور اپنی عفت وعصمت کے دھلے ہوئے دامن پر دھبہ نہ آنے دینگی جیسا کہ پہلے اس آیت کو نقل کیا جا چکا ہے۔

وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ (ممتحنہ ۲)

اور نہ وہ زنا کرینگی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرینگی اور نہ خود ساختہ افترا باندھینگی۔

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ یہاں قتل اولاد سے مراد حمل گرانا ہے[1]، عموماً بدکاری کے سلسلہ میں جو حمل ہوتا ہے وہی گرایا جاتا ہے، یوں تو عرب میں قتل اولاد کا بھی بعض قبیلوں میں رواج تھا، اور اس سے بھی روکنا مقصود ہے۔ اور افترا باندھنا یہ کہ چند مردوں سے لطف زندگی اٹھایا اور جس پر چاہا الزام ڈال دیا کہ فلاں کا بچہ ہے، اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ عرب میں ایک طریقہ نکاح کا یہ بھی تھا کہ ایک عورت کئی کئی مردوں سے آشنائی کرتی اور بچہ ہوتا تو عورت جس کا بچہ کہہ دیتی اس کو ماننا پڑتا تھا، اسی زمانہ میں بعض عورتیں دوسرے کے بچہ کو اپنا بتا کر پیش کرتیں اور اس کو شوہروں کے سر تھوپ دیتی تھیں[2]۔

آنحضرت صلعم کے اقوال بسلسلہ عفت

احادیث میں بھی بکثرت واقعات مذکور ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں لوگوں کو عفت و عصمت اور اخلاق کی تعلیم فرمائی اور ایسا ماحول پیدا کیا کہ لوگ اس عفت و عصمت کی قدر کریں، جو اخلاق اور عزت و عظمت کی جان ہے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا:

یا شباب قریش احفظوا فروجکو، لا تزنوا، الا من حفظ فرجہ فلہ الجنۃ رواہ الحاکم والبیہقی وقال صحیح علی شرطہما (مفتاح الخطابۃ)	اے جوانان قریش! اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرو، زنا نہ کرو۔ سنو جو اپنی شہوت کی جگہ محفوظ رکھیگا اس کے لیے جنت ہو۔

اس حدیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانانِ قریش کو ترغیب دی ہے کہ وہ عفت و عصمت کے فانوس کو توڑنے سے اجتناب کریں اور اخلاق و پاکبازی کی زندگی بسر کریں کہ یہ چیز وجہ نجات ہے۔

پاکدامنی کی تبلیغ

ہرقل شاہ روم نے ابو سفیان سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا، کہ وہ تم لوگوں کو کیا بتاتے ہیں اور کن چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں؟ اس وقت ابو سفیان نے ہرقل سے کہا، گو ابو سفیان نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

---

[1] سیرۃ النبی جلد ششم ص ۲۹۲ [2] ایضاً ج ۴ ص ۲۹۳

یامرنا بالصلاۃ والصدقۃ والعفاف والصلۃ آپ ہمیں نماز، صدقہ، عفت اور صلہ رحمی کا حکم فرماتے ہیں۔

(بخاری کتاب الادب باب صلۃ المرأۃ (ج ۲ ص ۸۸۳)

عفت اور پاکدامنی اتنی اہم چیز ہے کہ اس کی تعلیم آنحضرتؐ نے اول دن سے دی، اسے آپ نے کبھی فراموش نہیں فرمایا۔

عفیف پر ظل رحمانی ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ سات شخصوں کو اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائیگا، ان میں ایک، وہ شخص بھی ہوگا، جس کو ایک حسین وجمیل عالی نسب عورت نے دنیا میں اپنی طرف بلایا، اور روسیاہی کی دعوت دی، مگر اس عفیف بندۂ خدا نے اس حسین مہ جبین کے جواب میں یہ کہہ کر انکار کر دیا

انی اخاف اللہ (بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش) میں اللہ سے ڈرتا ہوں

عفیف کے لیے جنت کی ضمانت وہ لوگ جو عفت وعصمت کی دمکتی پیشانی پر کلنگ کا ٹیکہ نہیں لگنے دیتے، ان کے متعلق سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسی شخص جنتی ہے۔

من توکل لی مابین رجلیہ ومابین لحییہ توکلت لہ بالجنۃ۔ جو میرے لیے اپنے پاؤں کے درمیان کی چیز یعنی شرمگاہ اور داڑھیوں کے درمیان کی چیز یعنی زبان کی حفاظت کی ذمہ داری لے میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لونگا۔

(بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ تین آدمی سفر کر رہے تھے، راستہ میں ابروباد سے گھبرا کر ایک کھوہ (غار) میں روپوش ہوگئے اور غار کی پناہ لے کر سر پر جو آفت منڈلا رہی تھی اس سے بچنا چاہا۔ مگر کرشمۂ الٰہی یہ ہوا کہ اوپر سے ایک وزنی (سیکڑوں من کا) پتھر گرا اور غار کا منہ بند ہوگیا اور یہ تینوں اسی میں رہ گئے، اس ناگہانی مصیبت میں تینوں نے مشورہ کیا کہ اپنی نیکی کا واسطہ دے کر خدا سے نجات کی درخواست کی جائے، ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی روداد بیان کی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیوں کے بدلہ میں ان کو مصیبت سے نجات دی

اور چٹان غار کے مُنہ سے ہٹ گئی، ان میں سے ایک کی روداد یہ تھی:

روداد عفت اور اس کا اثر

اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی، جس سے مجھے بڑی محبت تھی، عام لوگ عورتوں سے جتنی محبت کرتے ہیں اس سے زیادہ میں اس سے محبت کرتا تھا، میں نے اپنی اس محبوبہ سے درخواست کی کہ وہ مجھے اپنی ذات سے لطف اندوز ہونے کا موقع دے، اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ سو اشرفی جب تک حاضر نہیں کرتے اس وقت تک مجھ سے کھیل نہیں سکتے۔ یہ سُن کر میں اس گرانقدر رقم کی فراہمی میں منہمک ہو گیا، اور بالآخر میں نے سو اشرفی جمع کر لیں اور انہیں لے جا کر اس کے قدموں پر ڈال دیں۔ حسب وعدہ وہ مجبور ہو گئی، اور میں تیار ہو کر اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں بیٹھ گیا، جونہی میں نے روسیاہی کا ارادہ کیا، وہ بول اٹھی "اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس مہر کو بغیر جائز حق کے مت توڑو۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ میں اٹھ گیا اور روسیاہی کی لعنت سے بچ گیا۔ اے رب العزت اگر تیرے علم میں یہ بات ہے کہ میں نے یہ صرف تیری خوشنودی کے لیے کیا تو آج تو اس غار کے منہ کو ہمارے لیے کھول دے، چنانچہ پتھر ہٹ گیا اور دنیا نظر آنے لگی۔[۱]

دیکھا آپ نے عفت و عصمت کا لحاظ اس کے حق میں کتنا مفید ثابت ہوا، اور اس معاملہ میں اللہ کا خوف اس کو کتنے آڑے وقت میں کام آیا۔

اوپر آپ پڑھ آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پاک وصاف ملے، اس کو چاہیے کہ شریف عورت سے شادی کرے۔[۲]"

منشا یہی تھا کہ بدکاری کا ارادہ نہ کرے، اور اپنے اور دوسرے کے دامن عفت و عصمت کو داغدار نہ بنائے، فطری داعیات ہیں، ان کو حلال مقام میں پورا کرے۔

عفت کی نیت سے بیوی کے پاس جانا صدقہ ہے

ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی

---

[۱] بخاری کتاب الادب باب اجابۃ دعاء من بر والدیہ ج ۲ ص ۸۸۲ [۲] ابن ماجہ باب تزویج الحرائر والولود۔

بیوی سے جنسی تسکین حاصل کرنا بھی صدقہ ہے۔ صحابہ کرام سے تعجب سے پوچھا کہ یہ کام بھی باعث اجر ہے، یا رسول اللہ؟ کیوں نہیں، اگر اسے تم ہیں کا کوئی حرام مقام میں پورا کرے، تو کیا اسے گناہ نہ ہوگا، پس جو چیز اس گناہ سے بچنے کا ذریعہ ہو، وہ بھی باعث اجر وثواب ہے[۱]۔

اور یہ چیز کیوں باعث اجر نہ ہو؟ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن رب العالمین کلام نہ فرمائیگا، نہ ان کا تزکیہ فرمائیگا، اور نہ اُن کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھیگا، اور یہی نہیں بلکہ انہیں دردناک عذاب میں مبتلا فرمائیگا، ایک شیخ زانی جو بڈھا ہو چکا ہے اور زناکاری کرتا ہے، دوسرا جھوٹا بادشاہ جو شاہ وقت ہو کر جھوٹ بولتا ہے اور تیسرا فقیر متکبر، جو محتاج ہو کر بھی کبر و غرور کرتا ہے[۲]"

صحابہ کرام کا جذبۂ عفت یہ صرف تعلیم ہی تعلیم نہ تھی، بلکہ اس پر برابر عمل درآمد رہا، اور صحابہ کرام نے زندگی بھر اس تعلیم کو سینہ سے لگائے رکھا، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام کے سامنے بڑے بڑے سخت سے سخت نازک موقعے آئے مگر انھوں نے اپنا دامن ملوث نہ ہونے دیا۔ ایک صحابی ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سلسلہ میں لغزش ہوئی لیکن صحبت نبویہ نے احساس اخلاقی احساس میں اتنی نزاکت پیدا کر دی تھی کہ اپنے جرم کا چھپانا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ بالآخر بخوشی رجم کی سزا برداشت کر کے حضرت ماعزؓ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

ہجرت کے موقع پر جو ناتواں اور بلاکشانِ اسلام مکہ میں رہ گئے تھے، ان کے لانے کی ذمہ داری مرثد بن ابی المرثد الغنویؓ پر تھی، حضرت مرثدؓ اسی سلسلہ میں ایک دفعہ مکہ تشریف لائے اسلام سے پہلے ان کی ایک عورت (عناق نامی) سے راہ و رسم محبت تھی، یہ عورت فاحشہ تھی اس سفر میں حضرت مرثدؓ اس عورت کے مکان کے پاس سے گزرے، اس نے سایہ دیکھ کر حضرت مرثدؓ کو پہچان لیا، اور آگے بڑھ کر پُرتپاک خیر مقدم کیا، پھر ان سے درخواست کی کہ آج کی شب میرے ساتھ گزاریں۔ حضرت مرثدؓ نے نہایت صفائی سے انکار کر دیا کہ اب پہلا زمانہ باقی نہیں رہا

---

[۱] ریاض الصالحین باب بیان کثرۃ طرق الخیر ص۶ [۲] ریاض الصالحین کتاب الملح والمنثورات ص۶۳۶ عن مسلم

اسلام نے زنا کو حرام قرار دے دیا، لہٰذا معاف کرو، اس نے کہا شور و غل کروں گی اور تم کو گرفتار کرا دوں گی، بایں ہمہ حضرت مرثدؓ راضی نہ ہوئے، اور بھاگے اور چھپ چھپا کر کسی طرح کافروں کے جنگل سے اپنی جان بچائی۔[۱]

ایک صحابیہؓ جو اسلام قبول کرنے سے پہلے اخلاقی گندگی میں مبتلا تھیں اسلام لانے کے بعد ایک شخص نے ان کو جب چھیڑنا چاہا اور اپنی طرف مائل کرنے کی سعی کی تو بولیں، چلو، ہٹو وہ زمانہ گیا، اب اسلام کی روشنی کا دور ہے۔[۲]

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی لونڈیوں کا واقعہ مشہور ہے کہ اسلام کے بعد جب اس منافق نے ان کو عصمت فروشی کے ذریعہ روپیہ کما کر دینے کا حکم دیا، تو وہ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں، اور اپنی حسرت انگیز کہانی سنائی، اس پر یہ آیت اتری کہ "تم اپنی لونڈیوں کو زناکاری پر مجبور نہ کیا کرو"۔[۳]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مجھے یہ پسند ہے کہ میری ناک مردار کی بدبو سے بھر جائے، مگر یہ پسند نہیں کہ اس میں کسی غیر عورت کی بو آئے"۔[۴]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک حسین عورت عہد نبویؐ میں مسجد میں آیا کرتی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتی تھیں، بعض صحابہؓ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ وہ پہلے سے آکر اگلی صف میں بیٹھ جاتے تاکہ ان پر نگاہ نہ پڑنے پائے اور فتنہ سے محفوظ رہیں۔[۵]

سرور کائنات صلعم اور دعائے عفت

یہ تو صحابہ کرامؓ کا حال تھا، مگر آپ یہ سن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، کہ خود ذات برکت سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جو معصوم تھے، اور خاتم الرسل بایں ہمہ آپ کا یہ حال تھا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی عفت اور پاکدامنی کو فراموش نہیں

---

[۱] اسوۂ صحابہ۔ ج ۱ ص ۱۱۱ بحوالہ نسائی کتاب النکاح [۲] ایضاً۔ ج ۱ ص ۱۱۲ بحوالہ مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۹۴
[۳] ایضاً۔ ج [۴] ایضاً: ص ۱۱۳ [۵] ابن ماجہ ص ۷۴۔

فرماتے تھے، اور برابر اور چیزوں کے ساتھ پاکبازی کی دعا کرتے رہتے، کبھی دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَ الْعِفَافَ وَالْغِنٰى رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب الاستعاذہ) — اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، عفت اور غنا کی درخواست کرتا ہوں۔

کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ دعا یہ ہوتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَ الْحُسْنَ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ (مشکوٰۃ باب الاستعاذہ ۲۲۳) — اے اللہ تجھ سے صحت، عفت، خوبی اور تقدیر پر رضا کی درخواست کرتا ہوں۔

کبھی دل کی گہرائی سے یہ آواز نکلتی اور عرش اعظم پر پہنچتی:۔

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ۲۱۰) — اے اللہ مجھے راہ راست پر ہونے کی توفیق عطا فرما اور نفس کی برائی سے اپنی پناہ میں رکھ۔

کبھی رسول الثقلین کی زبان وحی ترجمان پر یہ دعا جاری ہوتی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ رواہ الترمذی (؟) — اے اللہ بُرے اخلاق و اعمال اور بُری خواہشوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں میں دیکھ رہے ہیں کہ خشیت الٰہی کا آپ پر کتنا اثر اور عفت و اخلاق کی طلب کا کس قدر خیال ہے کہ دوسری چیزوں کے ساتھ عفت کو بھی برابر یاد رکھتے ہیں، کبھی فراموش نہیں فرماتے۔

ان دعاؤں میں افراد امت کے لیے کوئی سبق اور درس نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر ان دعاؤں سے سبق لینا چاہیے، اور عفت کی اہمیت سمجھنے کی سعی کرنی چاہیے۔

دشمن عفت پر عذاب الٰہی یہ جو کچھ عفت و عصمت اور اخلاق و اعمال کی پاکی کا اہتمام نظر آرہا ہے، یہ بے وجہ نہیں ہے۔ اسلام آیا ہی تھا دنیا سے شر و فتن دور کرنے، اور اہل دنیا کو اخلاق و عفت کی تعلیم دینے، جو لوگ عفت و عصمت اور اخلاق و اعمال کے چہرہ کو داغدار کرتے ہیں، رب العزت نے ان کے لیے دنیا و آخرت میں بڑی دردناک سزائیں مقرر کی ہیں، دنیاوی عذاب کا تذکرہ اپنے

موقع پر تفصیل سے آئیگا، یہاں آخرت کے عذاب کی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

معراج کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہگاروں کے عذاب اور سزا کی مثال دکھائی گئی تھی، اس موقع پر آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

"آگ کا دہکتا ہوا تنور ہے، اس میں چیخ پکار اور گریہ وبکا کی صدا بلند ہو رہی ہے، آپ نے جھانک کر دیکھا کہ آخر واقعہ کیا ہے، رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ آگ کے اس مشتعل تنور میں ننگے مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت ہے اور ان کے نیچے کے حصوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں، اور شعلوں کی لپیٹ کے ساتھ ان میں ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے اور سب چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا "یہ کون لوگ ہیں؟" مجھے بتایا گیا "یہ زناکار مردوں اور عورتوں کی جماعت ہے جو دنیا میں بدکاری میں مبتلا رہے"[1]"

عفت وعصمت اور تعدد ازدواج

اس ذلت کے عذاب سے نجات کی صورت اور فضائل عفت کے حصول کا ذریعہ وہی ہے، جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ (النساء۔۱)

فطری داعیات وجذبات کی تسکین نکاح کے ذریعہ حاصل کی جائے، اور اصل سلسلہ میں اس حد تک اجازت ہے کہ ایک سے لے کر چار عورتوں تک سے بیک وقت شادی کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ وہ ان بلند اخلاقیوں کا مالک ہو جن سے اپنی متعدد بیویوں میں عدل و مساوات قائم رکھ سکے، اور یکساں طور پر سب کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

تعدد ازدواج کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ

یہ حریص انسان کے لیے علاج کا دروازہ کھول رکھا گیا ہے، یہ منشاء نہیں ہے کہ ایک سے زیادہ عورتوں کو عقد میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے،

(بقیہ صفحہ)

[1] ریاض الصالحین باب تحریم الکذب ص۵۸۸

یا اسلام ان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایک سے زیادہ شادی کریں۔ اس آیت کا یہ مقصد قطعاً نہیں۔ اسلام نے نہایت صفائی سے اعلان کیا ہے اور قرآن مقدس میں ہی اعلان کیا:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ لَّا تَعُوْلُوْا۔ (النساء - ۱)

پس اگر تم کو اس کا احتمال ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کر دیا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی۔ اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔

مخالفین اسلام جہاں سے اعتراض کرتے ہیں اس کی شہ رگ یہیں سے اسلام نے کاٹ ڈالی ہے۔ کیونکہ جب ایک سے زیادہ شادی کی اجازت اس حالت میں دی ہے کہ عدل و مساوات کے دامن کے چھوٹنے کا خوف نہ ہو، اور اس کو متعدد بیویوں کی صحیح معنی میں ضرورت بھی ہو۔ ایک مقام میں قرآنِ پاک ہدایت کرتا ہے:

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (النساء - ۱۹)

پس تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسی کر دو کہ وہ بیچوں بیچ لٹکی ہو۔

عدل و مساوات اوپر کی آیت میں "عدل" سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کے جو واجب حقوق ہیں، اور جن کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ضروری ہے اس میں عدل و مساوات کا برتاؤ کیا جائے، کیونکہ یہ انسان کے قصد و اختیار سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کھانا کپڑا، مکان، بیوی کے ساتھ رہنا سہنا۔ اور اس طرح کے دوسرے تعلقات۔ باقی محبت طبعی اور تعلق قلب یہ ایسی چیز ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہے، اس میں شریعت نے سعی کی تاکید کی ہے، اپنی جد و جہد کے باوجود اگر قلبی رجحان اور طبیعت کے میلان میں کمی و بیشی ہو، اس پر گرفت نہیں۔

وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء - ۱۹)

اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت اور بڑے رحمت والے ہیں۔

اور عدل اختیاری میں بقول مولانا عبدالماجد دریابادی

"یہ بھی لازم نہیں کہ ہر معاملہ مساوات عددی ہی کے ساتھ کیا جائے، ایک افریقی بیوی خوگر دوسری چیزوں کی ہوگی، اور امریکی بیوی دوسری چیزوں کی، مُسن اور ادھیڑ سن بیوی کی ضرورتیں، خواہشیں، دلچسپیاں سب ایک کم سن نوجوان بیوی کی ضرورتوں، دلچسپیوں، خواہشوں سے مختلف ہونگی، مقصود یہ نہیں کہ ساری بھینسیں ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جانے لگیں۔ مقصود ہر ایک کو بقدر امکان اور بلحاظ اس کے ذوق و حالات کے راحت پہنچانا ہے۔ فقہاء نے عدل بین الازواج (بیویوں کے درمیان انصاف) کو فرض قرار دیا ہے لیکن خود "عدل" کی تفسیر "عدم ظلم" سے کی ہے، کہ کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے[۱]"۔

ظاهر الآية انه فرض ان يعدل اى لا يجوز (درمختار)

ظاہر آیت سے عدل و مساوات بیویوں میں فرض ہے یعنی حق تلفی نہ ہونی چاہیے۔

عدل میں اندیشہ کے وقت صرف ایک کا حکم

اوپر کی آیت میں "ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا" (اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع غالب ہے) اور پھر یہ آیت

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء۔۱)

اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو بس ایک ہی بیوی پر بس کرو۔

کھلا ہوا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ایک ہی بیوی کے دستور کو اصل قاعدہ اسلام میں قرار دیا گیا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی برداشت نہیں کیا گیا، کہ انسان کو ضرورت لاحق ہو، اور دوسری شادی نہ کرے۔

بلکہ اگر صحیح معنی میں ضرورت ہے اور اس کو یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ اگر دوسری شادی نہ کی تو گناہ میں ملوث ہونے کا خطرہ ہے، ایسی ضرورت ناگزیر میں اسلام کا قانون یہ ہے کہ ایک سے زیادہ شادی بھی کی جاسکتی ہے، اور اس طرح پاکبازی کی زندگی جس سے ہلنے کا اندیشہ تھا اس پر جم جانے کی کدوکاوش کی جاسکتی ہے، اور کوئی شبہ نہیں اس طرح

---

[۱] صدق جدید لکھنؤ ۸۔ ستمبر ۱۹۶۵ء

کی ضرورت آئے دن زندگی میں پیش آتی رہتی ہے، انسانی زندگی میں یہ چیزیں عنقا نہیں، کبھی کسی کی بیوی بانجھ ہوتی ہے، اور اولاد کا طبعی اشتیاق مجبور کرتا ہے، کبھی کسی کی بیوی دائمی مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور اس وقت مرد کا طبعی تقاضا اور مریضہ بیوی کو تیمار دار کی ضرورت دونوں چیزیں متقاضی ہوتی ہیں کہ دوسری شادی کی جائے، کبھی مرد کا جنسی میلان زیادہ قوی ہوتا ہے اور بیوی کمزور ہوتی ہے، اور کبھی ان کے علاوہ دوسری مجبوریاں پیش آتی ہیں

اسلام کا قانون تعددِ ازدواج اور مخالفین

اب تو یہ چیز اتنی عیاں ہو چکی ہے کہ بحث و مباحثہ کی ضرورت باقی ہی نہیں رہی۔ تعدد ازدواج کے مخالفین کو بھی حالات کے پیش نظر اس بات کو ماننا ہی پڑا کہ اسلام کا قانون "تعدد ازدواج" درست ہے، کسی مذہب اور دھرم کا ماننے والا بشرطیکہ وہ دور اندیش اور تجربہ کار ہو "تعدد ازدواج" کے جواز سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ کسی مذہب و دین میں اس کا انکار کیا گیا ہے، بلکہ سب ہی میں اس کی اجازت دی گئی ہے، خصوصاً اسلام نے جن قیود کے ساتھ "تعدد" کی اجازت دی ہے اس کی ضرورت کا تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

مگر عجیب بات ہے کہ یورپ نے اسلام کے "تعدد ازدواج" کے قانون کو اپنا نشانہ بنا لیا ہے، وہی یورپ جس کے ہاں نسوانی ناموس کی کوئی قیمت باقی نہیں رہی ہے، بلکہ لٹ رہا ہے، لٹایا جا رہا ہے، بر سر بازار سب کچھ ہو رہا ہے، لیکن دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور صرف دیکھتے رہتے ہیں۔ یورپ میں مرد و عورت کے تعلقات میں بے باکیوں کی کیفیت جو حد سے گزر چکی ہے، اسی کو دیکھ کر اور دوسرے حالات سے متاثر ہو کر یورپ ہی کے بعض ارباب فکر نے "تعدد ازدواج" کے جواز کو تسلیم کر لیا ہے، بلکہ اس کے جواز کو ضروری قرار دیا ہے۔

اہل یورپ کا اعتراف حق

لندن کے ایک اسکول کی ایک اُستانی مس میری اسمتھ نے اپنی ایک کتاب میں (جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے) لکھا ہے:-

"یک زوجی کا جو قاعدہ قانون برطانیہ میں چلا ہوا ہے، وہ تمامتر غلط ہے، مردوں کو دوسری شادی کی اجازت ملنا چاہیے"

میری اسمتھ کی اس کتاب کے متعلق سنڈے ٹربیون (ڈربن۔ نٹال) مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۵۱ء میں اس کے لندنی وقائع نگار لکھتے ہیں :۔

"یقین ہے کہ پچیس سال سے اوپر عمر کی پچیس لاکھ بیوائیں جو اس وقت برطانیہ میں موجود ہیں، دلچسپی اور قدر سے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لینگی"

ان اقتباسات سے اندازہ لگائیے کہ تعددِ ازدواج جس کی اسلام نے ناگزیر ضرورت کے وقت اجازت دی ہے قانونِ فطرت کے کتنا مطابق ہے، اور حالات نے لوگوں کو اسلام کے اس قانون کی حقانیت کا کیسا یقین دلا دیا ہے۔

یہی میری اسمتھ اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتی ہے :۔

"چونکہ اس ملک (برطانیہ) میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے اس لیے ہر عورت شوہر کو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی"

اس کے بعد اس نے کہا ہے ـــــ "ایک بیوی کا رواج ناکام ہو چکا ہے اور یہ رواج بھی کوئی سائنٹفک نہیں ہے"[۳]

"انگلستان میں جنسی بے راہ روی کو روکنے کے لیے سترہویں صدی سے کثرتِ ازدواج کا چرچا شروع کیا گیا، چنانچہ ۱۶۵۸ء میں ایک شخص نے زناکاری اور نومولود حرامی بچوں کی اموات کو روکنے کے لیے کثرت ازدواج کی حمایت میں ایک پمفلٹ شائع کیا، اس کے ایک صدی بعد انگلستان کے ایک قابلِ اعتماد اور صاحبِ کردار پادری نے اس مسئلہ کی تائید میں ایک کتاب لکھی۔ مشہور ماہر جنسیات جیمس ہنٹن نے فحاشی اور زناکاری کو روکنے کے لیے کثرت ازدواج کے طریقہ کو اختیار کرنے کی

[۱] صدق جدید لکھنؤ ۱۸ جنوری ۱۹۵۲ء [۲] ایضاً [۳] ندائے حرم کراچی ربیع الآخر ۱۳۸۰ھ

رائے دی[1]"

شوپنہار نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا:

"ایک بیوی پر اکتفا کرنے والے کہاں ہیں؟ میں اُنہیں دیکھنا چاہتا ہوں، ہم میں سے ہر شخص "کثرت ازدواج" کا قائل ہے۔ چونکہ ہر آدمی کو متعدد عورتوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے مرد پر کسی قسم کی تحدید عاید نہ ہونی چاہیئے[2]"۔

مشہور ماہر جنسیات کیلیچن اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"گو انگلستان میں کثرت ازدواج کے اصول پر بالعموم عمل ہوتا ہے، لیکن سوسائٹی اور قانون نے ابھی اس چیز کو تسلیم نہیں کیا ہے...... سوسائٹی ان اشخاص کے اعمال پر خاموش رہتی ہے، جو ایک بیوی یا شوہر سے شادی کر کے دو یا تین داشتاؤں یا آشناؤں سے تعلقات رکھتے ہیں۔ لیکن سوسائٹی چیخ اٹھتی ہے، جب کوئی شخص یہ تحریک پیش کرتا ہے کہ مرد کو ایک سے زائد عورتوں سے شادی کی اجازت دی جانی چاہیئے[3]"

ایک بصیرت افروز واقعہ علامہ عبدالعزیز شاویش مصری نے ایک واقعہ لکھا ہے، پڑھنے کے لائق ہے۔ "لندن میں ایک ہسپانوی شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا، ہم نے بہت سے اسلامی مسائل پر تبادلہ خیالات کیا۔ اور جیسے ہی تعدد ازدواج پر بحث چھڑی تو اس شخص نے کہا کاش اگر میں بھی مسلمان ہوتا تو ایک اور بیوی کر لیتا، میں نے اُس سے اس کی وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا کہ میری بیوی کو جنون ہو گیا ہے اور اس پر کئی برس گزر چکے ہیں، جس کی وجہ سے مجھے مجبوراً آشنائیاں کرنی پڑتی ہیں، کیونکہ میں دوسری بیوی نہیں کر سکتا، اگر میرے پاس دوسری جائز بیوی ہوتی تو اس سے میری جائز اولاد ہوتی جو میری کثیر دولت کی وارث بنتی، میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور بہتر رفیق ہوتی۔ اور مجھے اس سے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا۔

[1] اسلام اور جنسیات ص۲۸۶ [2] ایضاً ص۲۸۵ [3] ایضاً ص۲۸۷ [4] ایضاً ص۲۹۳

قانون اسلام سے روگردانی کا نتیجہ

مسز برڈسل کال کنز صدر رینگ وومین کریسچن ایسوسی ایشن نے واشنگٹن میں بکنگ کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا ہے:-

"امریکہ میں چودہ سال سے اوپر کی جوان لڑکیوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے، جو سب کی سب کنواری ہیں۔ ان کے مقابلہ میں کنواروں کی تعداد نوے لاکھ ہے، اس حساب سے تیس لاکھ کنواری لڑکیوں کے لیے شوہروں کا ملنا محال ہے کیونکہ جنگ نے مردوں اور عورتوں کا عددی توازن بہت بڑی حد تک خراب کر دیا ہے"۔[1]

بتایا جائے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائیگا، اگر تعدد ازواج کی اجازت نہیں دی جاتی ہے تو پھر عفت و عصمت کو دنیا کی کونسی طاقت بچا سکتی ہے، اور بفرض محال بچ بھی جائے تو اس ظلم عظیم کا وبال کس کے سر آئیگا؟ اور ان تیس تیس لاکھ تعداد کی گریہ وزاری اور ان کے نالہ و شیون کیا کچھ نہ کرینگے، جس نے یہ لکھا بالکل سچ لکھا کہ

"لوگ سمجھتے ہیں تعدد ازدواجی اور وحدت ازدواجی میں مقابلہ ہے..... لیکن یہ غلط ہے، اصل میں مقابلہ ہے محدود تعدد ازدواجی کا لامحدود حرامکاری سے۔ اسلام بعض سخت شرائط کے تحت محدود تعدد ازدواجی کی اجازت اس لیے دیتا ہے کہ لامحدود حرام کاری کا سدباب ہو۔ لیکن جو وحدت ازدواجی کے قائل ہیں ان کے پاس لامحدود حرامکاری کے انسداد کا کوئی علاج نہیں۔ اسی لیے تو وہ تعدد ازدواجی کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں، مگر یہ آواز بلند نہیں کرتے کہ ایک عورت والے مرد کو دوسری جگہ شہوانی جذبات کی سیری کے لیے منہ کالا نہ کرنا چاہیئے"۔[2]

ہندوؤں کا اعتراف حق

یہ تو مغرب کا اعتراف حق تھا، اب ہندوؤں کے متعلق سُنیئے:-

"مدراس ہندو مہاسبھا نے ہندو لا کمیٹی کے نام جو یادداشت ارسال کی ہے اُس

---

[1] زمزم لاہور ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء [2] ایضاً ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء

میں پہلی بار ہندو سوسائٹی کے لیے بعض حالات میں تعدد ازدواج کی ضرورت کا اعتراف کیا گیا ہے، یعنی ہندوؤں کو بعض ایسے حالات بھی پیش آسکتے ہیں، جن میں ایک مرد کو کئی کئی عورتوں سے شادی کی اجازت ہونی چاہیے"[1]

ہمیں بتانا یہ ہے کہ اسلام نے عفت و عصمت اور پاکبازی کے لیے جو شاہراہ قائم کی ہے اس پر چلنے سے ہی عزت و آبرو اور پاکدامنی حاصل ہو سکتی ہے، دوسری کوئی شکل نہیں اور وہ شاہراہ یہی ہے کہ جو عورتیں پسند آئیں اُن سے شادی کر لی جائے، ایک سے کی جائے، ضرورت ہو تو دو سے، تین سے حتیٰ کہ چار تک سے اجازت ہے، مگر عدل و مساوات کی ضروری شرطوں کے ساتھ۔

تعدد ازدواج میں عدل و مساوات کن امور میں عدل و مساوات ضروری ہے، اس کی کچھ بحث عورتوں کے حقوق میں آئیگی، کچھ یہاں لکھی جاتی ہے۔ اگر واقعۃً ضرورت نے ایک سے زیادہ بیوی کرنے پر مجبور کر دیا ہے تو کر لی جائے، مگر بدکاری اور روسیاہی کی کبھی جرأت نہ کی جائے، اور دوسری شادی کی جائے، تو یہ یقین کر کے کہ ہمیں اپنی تمام بیویوں کے درمیان عدل و مساوات برتنی ہے، اس کے خلاف نہیں کرنا ہے۔ کیونکہ رب العزت کا حکم ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النساء) — اگر تم کو احتمال ہو کہ عدل نہ برت سکو گے تو ایسی حالت میں ایک ہی پر بس کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

اِذا کانت عند الرجل امرأتان فلم یعدل بینہما جاء یوم القیامۃ وشقہ ساقط رواہ الترمذی وغیرہ (مشکوٰۃ باب القسم) — جب کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں میں عدل نہ کرے تو قیامت میں اس طرح آئیگا کہ اس کا ایک پہلو ساقط ہو گا۔

مقصد یہ ہے کہ متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں تمام بیویوں میں عدل و مساوات

---

[1] زمزم لاہور ۳-۲ فروری ۱۹۳۵ء۔

کی پوری رعایت ملحوظ رکھی جائے، اس کے خلاف کرنے کی شکل میں اللہ تعالیٰ شوہر کو سزا دیگا، اور ساری مخلوق کے سامنے محشر میں اس کی اس ناانصافی کی یہ علامت ہوگی کہ اس کے جسم کا ایک حصہ ساقط ہوگا، اور یہ ایک طریقہ ہوگا اس شوہر کی تذلیل و توہین کا جس نے اپنی بیویوں میں عدل و مساوات کی ضروری شرط پوری نہیں کی ہے۔

اختیاری شئے ہیں عدل عدل و مساوات ان چیزوں میں ہے جو انسان کے قصد و اختیار میں ہیں جس کی تفصیل اوپر گزری، باقی جو چیز انسان کے قصد و اختیار سے باہر ہے۔ اس میں بھی عدل و مساوات کی سعی پیہم کرے، ہاں اس سے آگے اس کی گرفت نہیں ہے، مگر ربُّ العزت سے اپنی اس کوتاہی کی معافی مانگتا رہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے درمیان تقسیم میں عدل و مساوات سے کام لیتے تھے، اور فرماتے تھے۔

اللّٰھم ھذا قسمی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك۔ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ باب القسم)	اے اللہ! جس میں مجھ کو قابو حاصل ہے اس میں میری یہ تقسیم ہے اس چیز میں ملامت نہ فرما جس کا تو مالک ہے لیکن میں مالک نہیں۔

حضرت عائشہؓ ہی کا واقعہ ہے کہ انھوں نے حضرت عروہؓ سے کہا اے میری بہن کے نورِ نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں جب باری مقرر کرتے تو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے، بلکہ عدل و مساوات کی کارفرمائی ہوتی تھی، ہاں یہ البتہ ہوتا کہ ہم تمام سے آپ ملاقات فرماتے اور سب سے ملتے، مگر رات میں انہی کے گھر میں آرام فرماتے جن کی باری ہوتی، دوسری کے یہاں غیر کی باری کے دن قیام نہیں کرتے[۱]

حضورؐ کا آخری لمحاتِ حیات میں عدل و مساوات مسلم شریف میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے بعد نماز عصر ملتے تھے[۲]

۱؎ بلوغ المرام باب القسم عن احمد وابی داؤد ۲؎ ایضاً

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ میں عدل و مساوات برتنے کا یہ حال تھا کہ مرض الوفات میں بھی اس کو فراموش نہ فرمایا۔ ایام مرض میں بھی دریافت فرماتے رہتے، کل میری باری کہاں ہے؟

کان یسأل فی مرضہ الذی مات فیہ "این انا غدا؟" مرض الوفات میں پوچھتے تھے کل میری باری کہاں ہے؟

(بلوغ المرام باب القسم)

مانوس کرنے کے لیے نئی بیوی کے ساتھ رعایت

دوسری شادی کرے، تو دیکھا جائیگا کہ نئی بیوی جو آئی ہے، یہ کنواری ہے یا بیاہی، اگر کنواری (باکرہ ہوگی)، تو اس کے پاس سات دن قیام کریگا، پھر مساوات کی باری چلیگی، اور اگر دوسری بیوی بیاہی بیاہ کرلایا ہے تو اس کے یہاں تین دن قیام کریگا۔ پھر اس کے بعد باری مقرر کی جائیگی۔ یعنی نئی دلہن جو آئیگی اس کے لیے یہ حق رکھا گیا ہے کہ باکرہ ہو تو اس کو سات دن دیے جائیں کہ وہ شوہر سے مانوس ہو، ثیبہ ہو تو تین دن، یہ دن حساب میں وضع نہ ہونگے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے :۔

اذا تزوج الرجل البکر علی الثیب اقام عندھا سبعا ثم قسم واذا تزوج الثیب اقام عندھا ثلاثا ثم قسم متفق علیہ (مشکوٰۃ باب القسم)

مرد جب ثیبہ کے بعد کنواری سے شادی کرے تو اس کے پاس سات دن قیام کرے پھر تقسیم کرے اور ثیبہ سے جب شادی کرے تو اس کے پاس تین دن قیام کرے پھر باری مقرر کرے۔

سفر میں لیجانے کے لیے قرعہ

سفر میں جب کسی بیوی کو لیجانا ہو تو قرعہ کے ذریعہ سے فیصلہ کرے جس کا نام قرعہ میں نکلے اسی کو ساتھ لیجائے تاکہ ناانصافی نہ ہونے پائے، اور خود بیویوں کو بھی یہ خیال نہ گزرے کہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ حدیث میں ہے :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد سفرا قرع بین نسائہ فایتھن خرج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے جس

اسمہا اخرجہ بہا معہ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب القسم) کے نام کا قرعہ پڑتا، وہ آپ کے ساتھ جاتیں۔

سفر سے واپسی پر پھر حساب وکتاب کس نہج پر ہوگا؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں

(۱) بعض علماء کی رائے ہے کہ سفر کی مدت کا حساب نہ ہوگا، گھر پہنچنے کے بعد از سر نو سب کے لیے مساوات کے ساتھ باری چلیگی، جو سفر میں گئی ہے، اس کی باری سے مدت سفر کی مقدار وضع نہ کی جائیگی، خواہ قرعہ ڈالا ہو اور نام نکلنے پر ساتھ لے گیا ہو، یا بغیر قرعہ کے ہی ایسا کیا ہو، امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اسی کے قائل ہیں۔

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ مدت سفر کا حساب ہوگا، اور جو عورت ساتھ گئی ہے اس کے حصہ سے اتنے دن وضع کر لیے جائینگے جتنے دن وہ سفر میں ساتھ رہی ہے، یہی اہل ظاہر کا مذہب ہے، قرعہ کے ذریعہ سے ساتھ گئی ہو، یا بغیر قرعہ کے۔

(۳) بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر قرعہ کے ذریعہ نام نکلا ہو اور ساتھ گئی ہو تو یہ حساب میں وضع نہ کیا جائیگا۔ اور اگر بغیر قرعہ کے کسی بیوی کو اپنی مرضی سے ساتھ لے گیا ہے تو ایسی صورت میں مدت سفر کو حساب میں شمار کیا جائیگا یہی قول ہے امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا۔

اپنے حصہ کا ہبہ اور ملنے کی آزادی

کوئی بیوی چاہے کہ اپنی باری اپنی سوکن کو بخش دے تو ایسا کر سکتی ہے، اور شوہر پر لازم ہوگا کہ اس بخشنے والی بیوی کی باری اس کے پاس گزاوے جس کو اس نے ہبہ کیا ہے، ہاں اگر اپنی باری شوہر ہی کو بخش دے تو پھر شوہر کو اختیار ہے، جس کے پاس چاہے اس دن کو گذارے[1]

ملنے اور بات چیت میں آزادی ہے، یعنی باری جس کی بھی ہو، ملاقات سبھی سے شوہر کر سکتا ہے اور سب کو جمع کر کے بات چیت بھی کر سکتا ہے، البتہ وطی اسی سے کریگا جس کی باری ہے، غیر سے نہیں کر سکتا[2]

ایک بحث البتہ رہ گئی کہ کیا بیویوں سے وطی کرنے میں بھی مساوات ضروری ہے؟ چونکہ

---

[1] زاد المعاد۔ ج ۴ ص ۲۰۔ [2] و [3] ایضاً

وطی کا دارومدار محبت اور طبیعت کے میلان پر ہے، اس لیے اس میں مساوات ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے، لیکن یہ مطلب نہیں کہ مساوات کی سعی نہ کی جائیگی، بلکہ کوشش اس میں بھی مساوات ہی کی رہنی چاہیے، اگر سعی کے باوجود طبیعت مائل نہ ہو اور انتشار پیدا نہ ہو تو البتہ معذور سمجھا جائیگا۔ اور اگر طبعی خواہش اور میلانِ نفس کے باوجود ترک کرنا چاہے تو اس کی ہرگز اجازت نہیں ہے، کہ یہ قصداً حق تلفی اور ناانصافی ہے[1]

بیوی کی خوشنودی نان ونفقہ میں بھی عورتوں کے اندر عدل ومساوات سے کام لے، اور ماحصل یہ ہے کہ ہر طرح اپنی تمام بیویوں میں عدل ومسات کو کام میں لائے، اور اُن کی ہر طرح دلدہی کرے

آپ کو سُن کر حیرت ہوگی کہ اسلام جو جھوٹ کو بدترین گناہ کہتا ہے اور ایک منٹ کے لیے برداشت نہیں کرتا، مگر بیویوں کی رضامندی کے لیے بوقت ضرورت جھوٹ بولنے کی بھی اجازت دیتا ہے، حدیث میں ہے، اُمّ کلثوم راوی ہیں

لم اسمعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرخص	تین چیزوں کے سوا کسی میں آپ نے کذب کی رخصت
فی شیٔ مما یقول الناس الا فی ثلث الحرب	نہیں دی، صرف ان چیزوں میں رخصت تھی
والاصلاح بین الناس وحدیث الرجل	لڑائی، صلح صفائی، اور مرد کا بیوی سے بات کرنا
امرأتہ والمرأۃ زوجھا (موطا صفحہ ج ۲ ص ۲۳۳)	اور بیوی کا مرد سے۔

عدم مساوات کا نتیجہ مگر یہ کسی لمحہ برداشت نہیں کہ ناجائز طور پر بیوی پر مظالم ڈھا کر ان کی دل شکنی کرے اور ان کے شیشۂ دل کو ٹھیس لگائے، یہ وہ زریں ہدایات ہیں جن کا لحاظ وپاس زندگی میں نہایت ضروری ہے، جو لوگ چند عورتوں سے بیک وقت شادی کرتے ہیں اور ان زریں اصول پر عمل نہیں کرتے ان کی زندگی عذاب الیم میں گھر جاتی ہے، بیویوں کی وجہ سے گھر فتنہ وفساد اور جھگڑے کا اکھاڑہ بن جاتا ہے اور زن وشو میں کسی کو ایک لمحہ اطمینان کی سانس نصیب نہیں ہوتی، شوہر کا اثر ورسوخ دم توڑ دیتا ہے، وقار کی روح مردہ

---

[1] زاد المعاد جلد چہارم ص ۱۵۰ و ۲۰۱ ۔

ہوجاتی ہے، اور اپنے اور غیر میں اس کی پوزیشن پامال ہو کر رہ جاتی ہے، یہی حال اس کی متعدد بیویوں کا ہوتا ہے۔

پھر یہیں پہنچ کر بات ختم نہیں ہو جاتی، دونوں بیویاں اپنے بچوں کو دوسری ماں کے خلاف اُبھارتی ہیں، خود باپ کی طرف سے بھی نفرت پیدا کرنے کی سعی کی جاتی ہے، اور بالآخر ایک شریف گھرانہ جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

اس سے بڑھ کر بات یہ ہوتی ہے کہ اگر تمام بیویوں کے حقوق کا لحاظ نہیں کیا جاتا، ایک ہی بیوی پر مرد جب اس طرح جھک پڑتا ہے کہ دوسری لٹکی رہ جاتی ہے تو دوسری بیوی کبھی اس کام کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کر لیتی ہے جس کا نام لینا بھی ننگ و عار کی بات ہے۔ راجہ مہاراجہ اور نوابوں کی متعدد بیویوں کی کہانی مشہور ہے عفت و عصمت اس طرح لٹائی جاتی ہے، جس کی کوئی مثال نہیں۔ اور اسے اسلام ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

سارے قوانین کا ماحصل عفت و عصمت

اس ساری بحث کا منشا یہ تھا کہ اسلام ایک منٹ کے لیے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ انسان کی عفت و عصمت پائمال ہو، اور ان کے اخلاق و اعمال کی گندگی دنیا کو متعفن کر ڈالے۔ جنسی میلان آدمی کی فطرت میں رکھا گیا ہے لیکن اس کے لیے قدرتی راہ بھی بنا دی گئی ہے، اس جائز راستہ سے داعیاتِ فطرت پورے کیے جائیں، اگر کسی کو ایک بیوی سے تسکین نہ ہو، اور جس معقول وجہ سے بھی سہی، اور وہ یقین رکھتا ہے کہ عدل و مساوات کا دامن میرے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائیگا، تو دو بیویاں رکھے، دو بیویاں کافی نہ ہوں تو شرطِ مذکورہ کے ساتھ تین بیویاں رکھے، اگر تین بیویاں بھی اس کی زندگی میں سکون نہ پیدا کر سکیں تو شروطِ مذکورہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے چار بیویاں تک رکھ سکتا ہے، مگر یہ کسی حالت میں قابل برداشت نہیں کہ عصمت و عفت کا دامن داغدار کرے۔

بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کی اجازت نہیں

ہاں چار بیویوں سے زیادہ بیک وقت نہیں رکھ سکتا،

جو لوگ چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کے قائل ہیں وہ تعامل توارث، بلکہ صدر اول کے اجماعی فیصلہ کو مسترد کر کے بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر پر لے رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غیلان[1] بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کے نو بیویاں تھیں، یہ بھی مسلمان ہوگئیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذ منھن اربعا (ابن ماجہ باب الرجل یسلم وعندہ اکثر من اربع نسوۃ) ان میں سے چار پسند کر لو۔

حضرت قیس بن حارث رضؓ کا بیان ہے کہ میں مسلمان ہوا تو اس وقت میرے آٹھ بیویاں تھیں چنانچہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے آپؐ سے اپنی آٹھ بیویوں کا تذکرہ کیا، آپ نے یہ سن کر فرمایا:

اختر منھن اربعا (ابن ماجہ باب ایضاً) ان میں چار کو چن لو۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتہً چار بیویوں سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے، اور جن لوگوں کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں اسلام لانے کے بعد آپ نے صرف ان میں سے چار کی اجازت فرمائی، بقیہ کو علیحدہ کرا دیا، خود سرور کائنات کا طرز عمل سو ظاہر ہے کہ آپ کی ذات کے ساتھ مختص تھا۔[2]

شادی کرنیوالوں کے اختیارات و فرائض

اسلام نے جس طرح عفت و عصمت کے تحفظ کے لیے ایک سے زیادہ بیویوں کی بعض ضروری شرطوں کے ساتھ اجازت دی، مگر اسے گوارا نہ کیا کہ انسانی شرافت کے چہرہ پر گندگی کی دھول بھی اڑ

---

[1] ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں "ان غیلان بن سلمۃ الثقفی اسلم ولہ عشر نسوۃ فی الجاہلیۃ فاسلمن معہ فقال النبی صلعم امسک اربعا وفارق سائرھن رواہ احمد والترمذی" (مشکوٰۃ باب المحرمات) [2] دیکھیے مشکوٰۃ باب المحرمات ۱۲ منہ

کر پڑے، ٹھیک اسی طرح عفت وعصمت اور اخلاق واعمال کی پاکیزگی کے لیے انسان کو اس بات کی بھی اجازت دی کہ شادی کرنے میں حدود اللہ کے اندر رہ کر اپنی پسند کی بیوی کرے، اور عورت اپنے پسند کے مطابق شوہر تجویز کرے۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ (النساء۔ ۱) تم نکاح کرو عورتوں میں جو تم کو پسند ہو

حق انتخاب ان عورتوں سے شادی کا مشورہ دیا گیا ہے، جو پسند ہو، اور دل کو بھائے، اس مسئلہ میں جو پابندی ہے وہ بس اتنی کہ حدود اللہ ٹوٹنے نہ پائے، یعنی کچھ عورتیں ایسی ہیں جن سے شادی جائز نہیں ہے، بلکہ ان سے رشتہ ازدواج کا قیام شریعت نے حرام قرار دیا ہے، ان میں کچھ قرابت دار ہیں اور کچھ غیر مذاہب کی پابند۔ ان کو چھوڑ کر جو عورتیں حلال ہیں ان میں انتخاب کا حق عطا کیا گیا ہے جس طرح مردوں کو عورتوں کے جائز انتخاب میں اختیار ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی حقِ انتخاب اسلام نے بخشا ہے، حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے ان میں سے کوئی بھی مجبور نہیں کیا گیا ہے کہ کسی خاص عورت یا مرد سے رشتہ جوڑے، ہر ذی عقل جانتا ہے کہ چند پیسے کی جو چیز خریدی جاتی ہے اسے ٹھوک بجا کر لیا جاتا ہے اور شادی جیسی اہم چیز جس کا پوری زندگی سے واسطہ ہے، اور جس کے ذریعہ دو اجنبی مرد و عورت ایک مضبوط رشتہ میں منسلک ہو رہے ہیں اس میں غفلت کا مشورہ کون دے سکتا ہے؟

اسلام جو ستم رسیدوں کیلئے عدل و مساوات کا پیام بن کر آیا اور مظلوم و بے سہارا لوگوں کی جائز حمایت جس کی سرشت میں داخل ہے وہ کیسے یہ برداشت کر سکتا تھا کہ حق والوں کو ان کا حق نہ ملے، یا ظالموں کے ظلم کی بیخ کنی نہ ہو، چنانچہ اسلام اور پیغمبر اسلام نے ہر ایک ظلم و جور کی بنیاد ڈھا دینے کا اعلان کیا، اس نے زندگی کے اس شعبہ میں بھی جس میں دو اجنبی ملتے ہیں اصلاح کی، مظلوموں کو ان کا حق دلایا، اور ظالم کا ظلم سے ہاتھ پکڑ لیا، تاکہ رشتۂ ازدواج سے جو بنیادی مقاصد وابستہ ہیں وہ حسن و خوبی سے وجود میں آئیں۔

رشتۂ ازدواج کے سلسلہ میں قرآن پاک کی ہدایتوں اور مشکوٰۃِ نبوت کی روشنی کو سامنے

رکھ کر فیصلہ کیا جائے، تو یقینی طور پر یہی فیصلہ ہوگا کہ نہ مرد مسلوب الاختیار ہے اور نہ عورتیں، جو بات پابندی کی نکلیگی، وہ صرف اتنی کہ حدود اللہ کے اندر رہنا ضروری ہے۔

ظلم و جور کی بیخ کنی حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اسلام نے مرد و عورت جس کی شادی ہو رہی ہے، اس کی رائے کو ترجیح دی ہے، اور ان کی رائے قبول کرنے کو بہر حال ضروری بتایا ہے، اسلام سے پہلے اس باب میں ظلم ہوتا تھا، لڑکیوں پر ان کے ولی ناجائز دباؤ ڈالتے تھے اور ایسے مردوں سے ان کی شادی کر دیتے تھے جن کو لڑکیاں پسند نہ کرتی تھیں یتیم لڑکیوں کے حق میں خصوصیت سے ناانصافی ہوتی تھی۔

جاہلیت کی تاریخ پڑھیے تو معلوم ہو کہ جاہلی معاشرہ میں عورتوں کی حیثیت کس قدر پست تھی، یہ غریب مال منقولہ سمجھی جاتی تھیں، شادی کے بعد شوہر یہ سمجھتا تھا کہ میں نے مہر کے بدلے بیوی کو خرید لیا ہے، چنانچہ شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کے وارث عورت کو اپنی ملکیت میں شمار کرتے اور اس طرح دوسرے مظالم ہوتے تھے، اسلام جب آیا تو اس نے اس ظلم و ستم کی بیخ کنی کو بھی ضروری سمجھا۔

ولی کو مشورہ کا حق حد بلوغ تک پہنچنے کے بعد عاقل لڑکا اور لڑکی جس طرح دنیا کے دوسرے معاملات میں بڑی حد تک آزاد ہوتے ہیں، اسی طرح اسلام نے ان کو شادی کرنے میں بھی حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے آزادی بخشی ہے، والدین اور دوسرے اقربا اس شعبۂ زندگی میں اپنے تجربات کی روشنی میں معتدل مشورے ضرور دے سکتے ہیں اور ان کو مشورہ دینا بھی چاہیے، مگر یہ دباؤ اور جبر نہیں ڈال سکتے، شادی کرنے والے جوڑے کو بھی چاہیے کہ اپنے بزرگوں کے مشوروں کو قبول کریں کہ ان کی رائیں پختہ ہوتی ہیں اور محبت و شفقت میں ڈوبی ہوئی بایں ہمہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان کو ان مشوروں کے قبول کرنے پر اسلام نے مجبور نہیں کیا ہے۔

عورتوں کو شوہر کے انتخاب میں اختیار عورتیں جن کو ہندوستان کے ماحول میں ہم مجبور محض سمجھتے ہیں، اسلام نے ان کو اتنا مجبور ہرگز نہیں کیا، جتنا سمجھا جاتا ہے، بالغ لڑکوں کی طرح بالغہ لڑکیوں کو

بھی اس باب میں بڑی حد تک آزادی ہے، نکاح کے باب میں بالغ لڑکیوں کی رضا اور ان کی اجازت ہر حالت میں ضروری قرار دی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن (بخاری باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاہا)

شوہر دیدہ عورت کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس کا حکم نہ لے لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کرلی جائے۔

دوسری حدیث اس سے بھی واضح ہے، ارشاد نبوی ہے :۔

الایم احق بنفسہا من ولیہا والبکر یستاذنہا فی نفسہا واذنہا صماتہا۔ (مسلم باب استیذان الثیب بالنطق والبکر بالسکوت)

شوہر دیدہ عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری سے نکاح کے وقت اس سے اجازت لے لی جائے۔ اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔

تیسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر یستاذنہا ابوھا واذنہا صماتہا (مسلم باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت)

وہ عورت جو شوہر دیکھ چکی ہو بذات خود ولی سے زیادہ حقدار ہے، اور کنواری سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے

ان حدیثوں میں جو لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے، اور جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کریں، اور پھر فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام کا منشا کیا ہے، عورتوں کو شادی کے باب میں مختار بنایا گیا ہے، یا ان کو مسلوب الاختیار گردانا گیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جن کو ذرا بھی فہم و عقل عطا کی وہ یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہونگے کہ اسلام نے عورتوں کو شادی کرنے کے سلسلہ میں مسلوب الاختیار نہیں بنایا ہے، بلکہ ان کی منظوری کو

ضروری قرار دیا ہے۔ بغیر عورت کی رضا حاصل کیے ہوئے اس کی شادی کسی مرد سے زبردستی نہیں کی جاسکتی۔

ولی کا فریضہ

ولی کا فریضہ ہے کہ پہلے بالغ سے رضا حاصل کرلے، پھر وہ کسی مرد سے اس کی شادی کی بات چیت طے کرے، حدیہ ہے کہ باپ جو لڑکی کے حق میں سراپا رحیم وشفیق ہوتا ہے اس کو بھی پیغمبر اسلام حکم دے رہے ہیں کہ لڑکی کی رائے معلوم کرے اور اس کی اجازت حاصل کرلے، پھر اس کی شادی اس کی پسند کے مطابق کرے۔

مگر اسلام نے جہاں لڑکی کی رضا اور اجازت کو ضروری قرار دیا ہے، وہاں لڑکی کی حیا اور شرم کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا ہے، بلکہ پاس ادب یہ ہے کہ لڑکی کے سکوت کو بھی اجازت کا درجہ دیا ہے، اگر وہ کنواری ہے، ہاں اگر ثیبہ ہے تو اس کی صراحۃً اجازت کی ضرورت ہے، استیمار اور استیذان سے اسی طرف اشارہ ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ سکوت باکرہ جو اذن کے درجہ میں اس کے لیے اچھا ہے کہ عورت کو یہ مسئلہ معلوم ہو۔

عورت کی عدم رضا سے نکاح کا رد عہد نبوی میں

حدیث میں ایک صحابیہ حضرت خنساء بنت حزام رضؓ کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کے باپ نے کسی شخص سے ان کی شادی کردی، حضرت خنساء کو یہ رشتہ پسند نہ آیا، دربار نبوی میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساء رضؓ کی درخواست قبول فرمالی، اور ان کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو رد فرمادیا[۱]

دوسرا واقعہ عبداللہ بن عباس رضؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک باکرہ عورت، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں آئی اور بیان کیا کہ میرے باپ نے جس سے میری شادی کردی ہے وہ مجھے پسند نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اختیار دے دیا، جی چاہے باقی رکھو، جی چاہے رد کردو[۲]۔

باپ کو بھی جبر کا اختیار نہیں

ایک واقعہ بریدہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عورت دربار نبوی

[۱] بخاری باب اذا زوج ابنتہ وہی کارہۃ لنکاحہ مردود [۲] ابن ماجہ باب من زوج ابنتہ وہی کارہۃ۔

میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ میرے والد محترم نے میری شادی میرے چچا زاد بھائی سے کردی ہے، جو مجھے پسند نہیں ہے، اس عورت کی اس رشتہ سے ناگواری سن کر آپ نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا، کہ تم کو اس نکاح کے رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ عورت نے یہ سن کر اطمینان کی سانس لی اور بولی کہ میرے باپ نے جو کچھ کیا اس کی اجازت دے چکی ہوں، لیکن اس وقت سوال کرنے اور حضور سے جواب حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو سبق دوں کہ باپ کے ہاتھ میں یہ نہیں ہے کہ بالغ لڑکی کی رضا حاصل کیے بغیر شادی کردے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الآباء من الامر شئی (ابن ماجہ باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ) لیکن میں نے عورتوں کو یہ بتادینا چاہا کہ باپ دادا کے ہاتھ میں نکاح کے معاملہ میں کچھ نہیں ہے۔

عبدالرحمن بن یزید اور مجمع بن یزیدؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جو خدام کے نام سے مشہور تھے، انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی کی، ان کی لڑکی کو یہ رشتہ پسند نہ آیا، چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، اور اس نکاح اور اپنی ناپسندیدگی کا تذکرہ کیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو باطل قرار دے دیا، اور پھر اس عورت نے ابولبابہ بن عبدالمنذر سے شادی کی[1]

ان حدیثوں کو پڑھنے کے بعد اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ بالغہ عورت کی شادی میں اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کو شوہر کے انتخاب میں پورا اختیار ہے۔ اور اس ساری کدوکاوش اور اختیارات کا مقصد یہ ہے کہ عفت و عصمت، محبت و مودت، اور بقائے نسل انسانی جو نکاح کے بنیادی مقاصد ہیں وہ بحسن و خوبی انجام پذیر ہوں۔

ولی کو حق مشورہ اور اس کا لحاظ

نابالغہ لڑکی کا نکاح البتہ اس کی اجازت کے بغیر ولی کر سکتا ہے، اس کے باب میں باپ کو بھی اختیار ہے اور دوسرے ولی کو بھی، مگر باپ کا اختیار مضبوط ہے کہ بلوغ کے بعد لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل نہ ہوگا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خود اپنا

---

[1] ابن ماجہ باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ۔

بیان ہے کہ میری شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت ہوئی، جب میری عمر چھ سال کی تھی۔[1]

بہرحال نکاح کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے اس لیے جو کچھ کیا جائے خوب سوچ سمجھ کر کیا جائے، ولی بھی اپنی حدتک اطمینانی شکل پیدا کرلیں اور جس کی شادی ہورہی ہے وہ بھی سکون قلب پالیں۔

یہاں ایک بات اور سمجھنے کی ہے، وہ یہ کہ آج کل گزشتہ دور کا ردعمل یہ ہورہا ہے کہ شادی کرنے والے اپنی شادی کے معاملہ میں ولی حتیٰ کے والدین کی رائے بھی ضروری نہیں سمجھتے، کوئی شبہ نہیں کہ "شادی اپنی پسند ہی کی ٹھیک ہوتی ہے" مگر ساتھ ہی یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیے کہ "جوش" کے ساتھ "ہوش" نہایت ضروری ہے، اور شادی کا جہاں "جنسی میلان کی تسکین" سے تعلق ہے۔ اس کے ساتھ شادی کا تعلق گھر، خاندان، قوم اور ملک سے بھی ہے، "حال" کے ساتھ "مستقبل" پر نگاہ رکھنا بھی ہر دوراندیش کا فریضہ ہے، اس لیے اگر یہ کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا، کہ شادی کے معاملہ میں والدین یا جو ولی ہوں ان کا مشورہ بڑی حدتک ضروری ہے۔

اختلاف کے وقت عورت کی پسند قابلِ ترجیح

اب یہ سوال باقی رہ گیا کہ اگر عورت کی رائے اور مرد کی رائے میں ٹکراؤ ناگزیر طور پر ہوتا ہے تو ایسے موقع پر کیا فیصلہ ہوگا؟ تو یہاں بغیر شک وشبہ یہ کہا جائیگا کہ عورت کی مرضی مقدم ہوگی اور اسی کی رائے کو شرعی طور پر ترجیح دی جائیگی، کیونکہ شادی عورت کی ہورہی ہے عفت وعصمت کا تعلق اس سے عورت کا ہے۔ ولی کی نہ شادی ہورہی ہے، اور نہ اس بندھن کے نباہنے کی ذمہ داری ہی ولی پر ہے، پس یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ٹکراؤ کے وقت میں ولی کی رائے کو ترجیح دی جائے اور عورت کی رائے ورضا کی پرواہ نہ کی جائے۔ پھر عہدِ نبوی کے فیصلے اور واقعات موجود ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی رضا کو ترجیح دی، باپ کا کیا ہوا نکاح بھی رد فرما دیا، مگر عورت کے خلاف مرضی فیصلہ نہیں فرمایا، جیساکہ میں اوپر نقل کرآیا ہوں، پھر قرآن پاک کی یہ آیت بھی سامنے رکھیے۔

---

[1] ابن ماجہ نکاح الصغار یزوجہن الآباد

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۔ (بقرہ ۔ ۳۰)

وہ عورتیں جب اپنی میعاد پوری کرلیں تو تم کو اس بات میں کوئی گناہ نہ ہوگا جو وہ قاعدہ کے مطابق اپنی ذات کے لیے کچھ کارروائی کریں ۔

اس آیت میں عورت کو اپنا معاملہ نبٹنے کی پوری آزادی ہے۔ عورت انسان ہی عقل وفہم کی مالک ہے، وہ کوئی عضو معطل نہیں کہ بغیر ولی کی اجازت کے کوئی کام کرہی نہیں سکتی۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ماننا پڑیگا کہ نکاح میں حتی الوسع عورت اور ولی دونوں کی موافقت ضروری ہے تاکہ کام خوش اسلوبی سے انجام پاسکے ۔ اس باب میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رح کی رائے بہت درست ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

مولانا کشمیری رح کا اصول اور فیصلہ

مولانا کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ایسے معاملات میں جن کا تعلق جماعت سے ہے، شریعت (اسلام) نے ان میں طرفین کی رعایت ملحوظ رکھی ہے، اور ایسے باب میں مجموعۂ احادیث کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے صرف ایک جانب کو سامنے رکھ کر جو بھی فیصلہ ہوگا اس سے شارع علیہ السلام کی مراد کا پالینا مشکل ہے، مثلاً زکوٰۃ کا معاملہ ہے، اس معاملہ کا زکوٰۃ دینے والے، اور زکوٰۃ وصول کرنیوالے دونوں سے تعلق ہے، زکوٰۃ دینے والے کے متعلق حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات ہے کہ اگر اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والا آئے تو زکوٰۃ دینے والا اس کو خوش کرے، جو مانگے دے۔ انصاف کریگا، اپنے لیے کریگا، اور اگر خدانخواستہ ظلم کو راہ دیگا تو اپنے لیے وبال خریدیگا کیونکہ زکوٰۃ کا کمال یہ ہے کہ وصول کرنے والا خوش خوش جائے۔ کسی حدیث میں یہ مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے زکوٰۃ وصول کرنے والے (عامل) کی شکایت کی آپ نے فرمایا اس کو خوش کرو، زکوٰۃ میں جیسا مال مانگے دو۔ پوچھنے والے نے دریافت کیا، یا حضرت! ظلم کرے تو بھی، آپ نے فرمایا، ہاں پھر بھی ـــــ دوسری طرف عامل کے متعلق حدیث میں صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خبردار! مال والوں کا بہترین مال زکوٰۃ

میں لینے سے پرہیز کرو، مظلوم کی دعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔

دونوں کو سامنے رکھیے اور سوچیے تو معلوم ہوگا کہ زکوٰۃ دینے والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہدایت دے رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اس معاملہ میں بولنے تک کا حق نہیں ہے، عامل جو مانگے' دے، ظلم کرے تو بھی نہ بولے، اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کے متعلق جو ہدایت نبوی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو زیادتی کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ انصاف سے مال والا جو دیدے، لے لے، ورنہ وعید کا مستحق ہوگا۔

خود میاں بیوی کا باہمی معاملہ قابلِ غور ہے، ایک بیوی کو حکم ہے کہ شوہر کو خوش رکھو، بیوی کے لیے ذرا سی بدخلقی پر دوزخ کی وعید شدید ہے، مگر دوسری طرف شوہر کو فرمایا جا رہا ہے کہ تم میں کامل فی الایمان وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور اپنی بیوی کے لیے بہترین ہو۔

ٹھیک اسی طرح عورت اور اس کے ولی کا معاملہ ہے، عورت کو کہا جا رہا ہے کہ تمہارے نکاح میں ولی کا حق ہے اور اس قدر حق ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے نکاح باطل، اور ولی کو کہا جاتا ہے کہ عورت اپنے حق کی تم سے زیادہ حقدار ہے۔ گویا ولی کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ مگر اس باب کے پورے ذخیرۂ احادیث کو سامنے رکھ کر یہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ دونوں پر ذمہ داری ہے کہ ایک دوسرے کی رضا کے بغیر نکاح نہ کرے، عورت کو ولی کی بات کا دسعت بھر پاس رکھنا چاہیے اور ولی کو عورت کی رضا حاصل کرنا ضروری ہے؛ نہ ولی اس حد تک زیادتی کرے کہ عورت اپنے جائز حق سے محروم ہو جائے، اور نہ عورت اتنی بے راہ روی اختیار کرے کہ ولی اور خاندان کے لیے باعث ننگ و عار بن جائے۔

یوں بالغہ عورت پر ولی کو جبر کا بالکل اختیار نہیں، ہاں مستحب ہے کہ مشورہ دے، نابالغ کے باب میں جبر کا البتہ اختیار ہے، اور ولی اور عورت کی رائے میں جب اختلاف ہوگا تو بالغہ عورت کی رائے کو ترجیح ہوگی جس کو قرآن و حدیث سے تائید ہوتی ہے[1]۔"

---

[1] فیض الباری جلد رابع باب من قال لا نکاح الا بولی۔

مولانا کشمیریؒ کی یہ رائے صرف اسی ایک مسئلہ ہی نہیں، بلکہ ہر اجتماعی مسئلہ میں قابلِ عمل اور لائقِ ترجیح ہے، انہوں نے امرِ نبوی کی گہرائیوں کو پالیا ہے، اور اس طرح کی حدیثوں کا جو اندازِ بیان ہے اس کو خوب سمجھا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کی تائید حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس مسئلہ کی جو توجیہ بیان کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، گو اندازِ بیان بدلا ہوا ہے، اور کوئی شبہ نہیں اس مسئلہ میں جو طرزِ ادا مولانا کشمیریؒ نے اختیار کیا ہے، وہ سب سے عمدہ اور پاکیزہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

"نکاح میں تنہا عورت کی رائے جائز نہیں، کیونکہ ان کی عقل میں نقص ہے، ان کا غور و فکر نسبتاً زیادہ اہم نہیں، پھر مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا گیا ہے، اربابِ حل و عقد مرد ہی ہیں، پھر معاملہ ایسا ہے عورت کرے تو بے حیائی سے تعبیر ہو، دوسرے آشنائی اور نکاح میں تمیز کے لیے بیچ میں اولیاء کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی شہرت ہو سکے، اس لیے عورت کو ولی کی رائے لینی چاہیے، مگر ولی کو بھی یہ اختیار ہرگز نہیں کہ صرف اپنی رائے سے عورت کی شادی کر دے، اس لیے کہ معاملہ عورت کا ہے، اور اپنا معاملہ جو خود عورت سمجھتی ہے، مرد نہیں سمجھ سکتا ہے، نفع و نقصان عورت کو پہنچنے والا ہے۔ اس لیے حکم اس سے لینا ضروری ہے۔"[1]

امام نوویؒ کی رائے امام نوویؒ جو شافعی المذہب ہیں وہ بھی فرماتے ہیں کہ لڑکی کی رائے کو ولی کی رائے پر ترجیح ہوگی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

وحقہا اوکد من حقہ فانہ لو اراد تزویجہا	عورت کا حق ولی کے حق سے زیادہ موکد ہے، اگر ولی
کفوًا وامتنعت لم تجبر ولو ارادت ان	کسی کفو سے اس کی شادی کرنا چاہے اور لڑکی آمادہ
تتزوج کفوا فامتنع الولی اجبر، فان	نہ ہو تو اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اگر خود عورت
اصر زوجہا القاضی، فدل علیٰ تاکد	کسی کفو سے شادی کرنے کا ارادہ کرے اور اس کا ولی

[1] حجۃ اللہ البالغہ، باب صفۃ النکاح، جلد دوم

حقھا ور جحا نھا۔ راضی نہ ہو تو اس ولی کو مجبور کیا جائیگا، اور اگر ولی اصرار کریگا تو قاضی اس عورت کی شادی کر دیگا، یہ دلیل ہے کہ عورت کا حق موکد اور راجح ہے (شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۴۵۵)

ہر حال میں بالغہ لڑکی کی رائے قابل ترجیح ہے

تمام مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت شادی کے معاملہ میں مجبور محض نہیں بلکہ اچھا طریقہ وہی ہے کہ عورت کی رائے معلوم کر کے ولی اس کی شادی کا انتظام کرے۔ اگر کسی لڑکے سے عورت شادی کرنے سے انکار کر دے تو اس کی زبردستی اس سے شادی کرنے کی جرأت نہ کی جائے، قرآن پاک نے جس سکون و طمانیت کو مقصد اولی قرار دیا ہے بغیر عورت کی رضا کے غیر ممکن ہے۔ طلاق، خلع وغیرہ مسائل اسی لیے وضع کیے گئے ہیں۔

چنانچہ مبسوط میں ہے کہ نکاح کے موقع پر عورت سے اجازت لے لی جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے اس کو کوئی اندرونی مرض ہو، جس کی وجہ سے عورت سے صحبت نہیں ہو سکتی ہے، یا ممکن ہے عورت کا دل اس شخص کے علاوہ کسی دوسرے سے معلق ہو جس سے شادی ہو رہی ہے۔ تو اگر عورت سے حکم حاصل کیے بغیر اس کی شادی کر دی جائیگی تو اس حالت میں اس شوہر سے اس کا نباہ نہ ہوگا، اور عورت فتنہ میں پڑ جائیگی کیونکہ اس کا دل تو غیر سے معلق ہے، اور عشق کی بیماری سے بڑھ کر دوسری کون بیماری ہو سکتی ہے[1]

مردوں کو اختیارات

عورت کے مسئلہ کے حل ہو جانے کے بعد مرد کی رضا کا سوال پیدا ہوتا ہے، اس کے متعلق صرف اس قدر کہنا ہے کہ بالغ عاقل مرد جس کی شادی ہو رہی ہے اس کی رضا اور اجازت مقدم ہے۔ مرد کو چونکہ کبھی بھی مجبور محض نہیں سمجھا گیا ہے اس لیے اس مسئلہ پر بحث کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ یہاں تو یہ کہنا چاہیے کہ لڑکا جب اپنی شادی کرنے لگے تو اپنے بڑے بزرگ کی رائے پر ضرور غور کرے۔ یہ کہہ کر نظر انداز نہ کر دے کہ "اس ذاتی معاملہ میں والدین اور گھر کے بڑے بوڑھے دخل دینے والے ہوتے ہیں کون؟" کیونکہ شادی میں تجربہ کار اور علم الانسان کے ماہرین کی رائیں اہمیت رکھتی ہیں، اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ دور اندیشی جو بڑے بوڑھوں میں

---

[1] مبسوط للسرخسی۔ ج ۴ ص ۱۹۷۔

ہوتی ہے، ان نوجوانوں میں ہرگز نہیں ہوتی جن کے ہوش پر جوش کا غلبہ ہوتا ہے۔

عورت کے انتخاب میں ہدایت نبوی

اب رہا عورت کے انتخاب کا مسئلہ، اس میں شریعت مطہرہ کا مشورہ یہ ہے کہ دینداری کا لحاظ مقدم ہونا چاہیے، مالدار سے شادی کی جائے، اونچے حسب نسب والی سے شادی کی جائے، حسین اور خوبصورت سے شادی کی جائے، یا کسی معمولی عورت سے۔ بہرحال پہلے عورت کی دینداری اور سیرت کا جائزہ لے لیا جائے، ارشاد نبوی ہے۔

تنکح المرأة لاربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك (بخاری باب الاکفاء فی الدین)

عورت سے چار چیز کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے اس کی مالداری کی وجہ سے، حسب و نسب کی وجہ سے خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے پس دیندار کو لے کر کامیاب ہو۔

محض دولت پرستی

مقصد یہ ہے کہ انسان جب شادی کرنے لگتا ہے تو عورت کا انتخاب انہی چیزوں کے پیش نظر کرتا ہے، کبھی بیوی کا انتخاب اس کی مالداری کی وجہ سے کرتا ہے کہ عورت صاحب جائداد ہے، باثروت ہے، اور شاندار کوٹھی کی مالک ہے، اگر اس سے شادی ہوگئی تو زندگی مزے سے گذریگی، بہت سی فکروں سے نجات مل جائیگی، اور اپنے افلاس کے باوجود مطمئن زندگی کا ذریعہ پیدا ہو جائیگا، دیندار ہو یا نہ ہو — مگر انسان عجلت پسندی کی وجہ سے دوسرے پہلو پر غور نہیں کرتا ہے، کہ مالدار بیوی کو شریک حیات بنائیگا تو زندگی کا لطف جاتا رہیگا، لذت و مسرت مفقود ہو جائیگی، اللہ تعالیٰ نے زن وشوئی کی اجتماعی زندگی کی جو صدارت مرد کے حوالہ کی ہے، اس میں رخنہ پڑ جائیگا، عورت کے نان ونفقہ کا قیام باقی نہ رہ سکیگا، اور گھر کے سامان اور فرنیچر کو دیکھ کر جو مسرت ہوا کرتی ہے بال بچوں کے لباس سے طبیعت میں جو کیف وانبساط پیدا ہوتا ہے یہ کر کرا ہو جائیگا، کیونکہ یہ سب غیر کا اثر نعمت ہے، اپنی کمائی نہیں، بیوی کی نگاہ میں جو عزت و وقعت چاہیئے باقی نہ رہیگی، کیونکہ مالدار بیوی کی نظر میں مفلس شوہر کی وقعت منیجر اور منتظم سے زیادہ نہیں ہوتی ہے، اور یہ بھی اس وقت جب عورت بلند اخلاق ہو۔ اور اگر خدانخواستہ عورت بے ادب ہوئی

تو ہر قدم پر ٹھوکر لگائیگی اور احسان جتائیگی، پھر اپنی اس مالدار بیوی سے جو اولاد ہوگی، یہ اولاد بھی باپ کی وہ عزت و مکرمت نہیں کر سکتی جو کرنی چاہیے، بیوی کی کسی غلطی پر شوہر تنبیہ کرنا چاہیگا تو ایسی بیوی مقابلہ کے لیے آمادہ ہو جائیگی اور نہ معلوم کیا کیا کہہ دیگی، پھر خود سوچا جائے ایسے حالات میں زندگی کی لذت و مسرت کیا باقی رہیگی؟ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تزوجوھن لاموالھن فعسی اموالھن ان تطغیھن (ابن ماجہ باب افضل النساء) عورتوں سے ان کی مالداری کی وجہ سے شادی نہ کرو، عموماً ان کا مال ان کو سرکشی پر آمادہ کر دیتا ہے۔

نسل و نسب کے بت پر جان دینا

کبھی کوئی عورت کا انتخاب محض اس کے حسب و نسب کی وجہ سے کرتا ہے، ذاتی شرافت اور صلاحیت کو نہیں دیکھتا، حالانکہ سوچنا چاہیے کہ نسلی شرافت کافی نہیں ہوتی، جب تک ذاتی صلاحیت بھی نہ ہو، اور پھر اگر صرف نسلی امتیاز ہو اور دینداری نہ ہو، تو یہ نسلی امتیاز عورت میں کبر و غرور پیدا کر دیتی ہے اور وہ اپنے مقام سے آگے بڑھ جانے کی سعی کرتی ہے، بتدریج یہ چیز بھی مرد کی قوامیت کو مجروح کر ڈالتی ہے، مقصد یہ نہیں ہے کہ نسب کا لحاظ کیا ہی نہ جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نری نسلی امتیاز کوئی مفید چیز نہیں جب تک ذاتی صلاحیت اور دینداری نہ ہو، اور یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلام میں اول دینداری پھر کوئی چیز ہے، دین کے مقابلہ میں حسب نسب کوئی چیز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولامۃ خرماء سوداء ذات دین افضل (ابن ماجہ باب افضل النساء) کالی کلوٹی، بیوقوف لونڈی جو دیندار ہو، افضل ہے۔

دوسری حدیثوں سے بھی اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اولیا متقی لوگ ہیں، جہاں کہیں بھی ہوں، اور جو کوئی بھی ہوں۔

حسن پرستی

اور کبھی کوئی بیوی کے انتخاب میں محض خوبصورتی کو معیار بنا لیتے ہیں، کہ تراش خراش اور نوک و پلک دلکش ہو، رنگ و روپ میں جاذبیت ہو، عشوہ و ادا کی مجسمہ ہو اور اس کے اعضاء

متناسب ہوں، اور صرف یہی نہیں بلکہ جدید روشنی سے آراستہ ہو، شوخ اور بیباک ہو، اور زمانہ کے اثر سے پوری متاثر ہو۔

مگر ان خیالات کے وقت سوچتے نہیں کہ یہ کوئی خاص خوبی نہیں، اگر اس میں صلاحیت اور سلیقہ نہیں محض خوبصورتی کوئی معیار نہیں، اگر خوبصورتی کے ساتھ قبول سیرت نہ ہو۔ کیونکہ پھر یہ حسن وجمال سراپا فتنہ بن جائیگا اور یہ حسن بیوی میں تبختر اور ناز ضرورت سے زیادہ پیدا کر دیگا، اور وہ فضول خرچ اور متکبر ثابت ہوگی، دوسرے لوگ الگ فتنہ میں ڈالنے کی سعی کرینگے۔ اور اسی تنہا خوبصورتی کے متعلق ارشاد نبوی ہے۔

لا تزوجوا النساء لحسنہن فعسی حسنہن یردیھن (ابن ماجہ باب افضل النساء) — عورتوں سے محض ان کے حسن کی وجہ سے شادی کی خواہش نہ کرو کیونکہ حسن عموماً ہلاکت میں ڈال دیتا ہے[1]

معیار دینداری اور ذاتی صلاحیت ہو

اس لیے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شادی کے موقع پر عورت کے انتخاب میں "دینداری" کو معیار بناؤ، مال و دولت حسن وجمال اور حسب ونسب ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کو اس باب میں معیار قرار دیا جائے، بیوی کے انتخاب میں آدمی کا فریضہ ہے کہ وہ اس کی ذاتی صلاحیت اور لائقیت پر نگاہ رکھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا "حسن وجمال اور دولت وثروت" کی بنیاد پر شادی نہ کیا کرو کہ ان سے فتنے کے اندیشے ہیں، تم دینداری کو البتہ وجہ ترجیح بناؤ کہ کالی کلوٹی دیندار عورت بہرحال بہتر ہے، ارشاد نبوی ہے:

ولکن تزوجوھن علی الدین (ابن ماجہ باب افضل النساء) — ولیکن عورتوں سے شادی، ان کی دینداری کی بنیاد پر کرو۔

---

[1] صاحب فتح القدیر نے طبرانی کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا "من تزوج امرأة لعزھا لم یزدہ اللہ الا ذلا ومن تزوجھا لمالھا لم یزدہ الا فقرا ومن تزوجھا لحسبھا لم یزدہ اللہ الا دناءة ومن تزوج امراة لم یرد بھا الا ان یغض بصرہ ویحصن فرجہ او یصل رحمہ بارک اللہ لہ فیھا وبارک لھا فیہ (شامی ج۲ ص ۲۸۴)

بات بھی معقول ہے کہ با صلاحیت اور دیندار بیوی شوہر کے حقوق کا ہر وقت احساس رکھتی ہے، شوہر کی خوشنودی اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور گھر کے کام ہر حال میں عمدہ انداز سے چلاتی ہے، ایسی عورت میں بیجا کبر و غرور نہیں پیدا ہوتا، بچوں کی تربیت و تعلیم کا پورا دھیان رہتا ہو پڑوسیوں، قرابتداروں اور دوسرے لوگوں سے جھگڑا نہیں کرتی۔ خود دوسرے لوگوں کو بھی دیندار اور نیک عورت پر اعتماد ہوتا ہے، محلہ پڑوس کے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں، اور اس طرح شوہر کا گھر با وقار بن جاتا ہے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں حاصل ہو جائیں، اس کو دین و دنیا دونوں کی بہتری حاصل ہو گئی، ایک شکر گزار دل، دوسرے ذاکر زبان، تیسرے مصائب پر صبر کرنے والا بدن اور چوتھے ایسی بیوی جو گناہ سے اجتناب کرنے والی اور شوہر کے مال کی محافظ ہو[۱]۔

ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، شادی ایسی عورت سے کی جائے جو اپنے اندر کمال درجہ کا ایمان رکھتی ہو، اور آخرت کے لیے معین اور مددگار ثابت ہو[۲]۔

اخلاق و اعمال سے صرفِ نظر اور اس کا نتیجہ

یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر لوگوں کا نقطہ نگاہ اخلاق و اعمال کے بجائے صرف جاہ و مرتبہ اور حسن و جمال ہو جائے تو پھر دنیا کا کیا حال ہوگا؟ شر و فتن کے چشمے ابل پڑینگے، امن و امان خطرہ میں گھر جائیگا، اور عزت و آبرو ناپید ہو جائیگی، بہت سی لڑکیاں ایسی گھروں میں بیٹھی نظر آئینگی جن کو شوہر میسر نہ ہوگا، اور جب بے شوہر کی عورتیں بیکار رہونگی تو اس وقت شیطان کو اپنی شیطنت کا پورا موقع ملیگا، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ الا تفعلوا تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض (ترمذی باب ماجاء من ترضون دینہ الخ)	تمہارے پاس جب کوئی ایسا شخص پیام نکاح لے کر پہنچے جس کا دین و اخلاق تم کو پسند ہو تو اس کی شادی کر دو، ورنہ زمین میں فتنہ و فساد پھیل پڑیگا۔

---

[۱] مفتاح الخطابۃ ص ۱۸۱ [۲] ابن ماجہ باب افضل النساء

بیوی کا انتخاب اور فقہاء کرام

بیوی کے انتخاب کے سلسلہ میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ اصول پیش نظر ہوں تو مناسب ہے۔

یندب ان تکون اقل منہ حسبا ونسبا و عزا ومالا وسنا واعلیٰ منہ خلقا وادبا و ورعا وجمالا (در مختار کتاب النکاح)	اچھا ہے کہ عورت حسب و نسب، عزت و مال اور عمر میں مرد سے کم ہو، اور اخلاق و ادب اور حسن و ورع میں عورت مرد سے زیادہ ہو۔

ساتھ ہی ان امور کا بھی شادی کرتے وقت خیال رکھنا چاہیے کہ

ولا یتزوج طویلۃ مھزولۃ ولا قصیرۃ دمیمۃ ولا سیئۃ الخلق ولا ذات الولد ولا المسنۃ ولا زانیۃ (شامی ج ۲ ص ۲۸۴)	وہ عورت جس سے شادی کر رہا ہے وہ لمبی دبلی کوتاہ قد، بدصورت، بداخلاق، صاحب اولاد سن رسیدہ اور بدکار نہ ہو۔

ماحصل یہ ہے کہ جس عورت سے شادی ہو رہی ہے، وہ ہر اعتبار سے مناسب و موزوں ہو، دنیوی لحاظ سے بھی اور دینی پہلو سے بھی، تاکہ باہم موافقت اور انس و محبت قائم رہے مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں عورتوں میں جن خوبیوں کا ہونا سمجھ میں آتا ہے، ان کا اجمالی بیان یہ ہے

(۱) عورت دیندار اور نیک طینت ہو۔ ارشاد نبوی ہے: فاظفر بذات الدین۔

(۲) خوشی و غم میں شریک ہونے والی اور فرمانبردار ہو۔ "تسرہ اذا نظر، وتطیعہ اذا امر"

(۳) پاکدامن، امانت دار، گھر کی منتظم، مہذب اور شاکر و صابر ہو۔ "ولا تخالفہ فی نفسھا ومالہ"

(۴) بال بچوں کی خدمتگزار، ان سے محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے والی اور تندرست ہو۔

"خیر نساء رکبن الابل، صالح نساء قریش احناہ علی ولد فی صغرہ وارعاہ علی زوج فی ذات یدہ"

(۵) شوہر سے انس و محبت کرنے والی، اور زیادہ اولاد جننے والی "تزوجوا الودود الولود"

(۶) صالحہ اور باعزت خاندان کی رکن، اور خود بھی تعلیم یافتہ ہو" فلیتزوج الحرائر"

(۷) نیک صفتوں کی مالک اور عیوب سے پاک و صاف ہو۔

(۸) دنیا میں رہ کر آخرت سے بے فکر نہ رہتی ہو۔

شوہر کا انتخاب عورت اپنے شوہر کا انتخاب کرنے میں بھی کم وبیش انہی امور کو ملحوظ رکھے، تاکہ اس کی زندگی خوشگوار اور مطمئن گذرے، فقہاء کرام فرماتے ہیں:۔

والمرأة تختار الزوج الدین الحسن والخلق الموسر ولا تتزوج فاسقاً	عورت ایسے مرد کو اپنا شوہر بنائے جو دیندار، با اخلاق اور وسیع الظرف ہو عورت اس مرد کو شوہر نہ بنائے جو دین سے بیگانہ ہو۔
(رد المحتار۔ ج ۲۔ ص ۲۸۴)	

اسی طرح اگر باپ اپنی لڑکی کی شادی کرے تو وہ بھی ان ضروری باتوں کو پیش نظر رکھے، جیسا رواج ہو گیا ہے کہ جاہل اور لالچی باپ جب اپنی لخت جگر کے لیے شوہر کا انتخاب کرتا ہے، تو اس کی نگاہ دولت پر ہوتی ہے عمر، صلاحیت اور ذاتی شرافت پر نہیں ہوتی۔ اس رواج سے بھی متنفر ہونا اور گریز کرنا انسانی فریضہ ہے، فقہاء کرام لکھتے ہیں

ولا یزوج ابنته الشابة شیخاً کبیراً ولا رجلاً دمیماً۔ (رد المحتار۔ ج ۲ ص ۲۸۴)	باپ اپنی جوان لڑکی کو کسی بڈھے اور بدصورت مرد سے نہ بیاہے۔

ہم عمری کا لحاظ لڑکی کی شادی میں شوہر کے ہم عمر ہونے کا لحاظ بھی ولی کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگر گوشہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں "ہم عمری" کا لحاظ رکھا تھا، نسائی نے ایک باب ہی باندھا ہے "تزوج المرأة مثلها فی السن" یعنی عورت کی شادی اس کے ہم عمر سے کرنا۔ اور اس باب کے تحت میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:۔

خطب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما فاطمة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہا صغیرة فخطبہا علی فزوجہا منہ (نسائی ج ۲ ص ۶۹)	حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے لیے پیغام بھیجا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ (فاطمہ رض) کم سن ہیں پھر حضرت علی رض نے حضرت فاطمہ سے نکاح کے لیے پیام دیا تو آپ نے ان سے حضرت فاطمہ رض کی شادی کر دی

محدثین نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ ہم عمری کا لحاظ بڑی حد تک ضروری ہے اور یہ بڑے فوائد پر مشتمل ہے۔ گویہ بات مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے ان کی کم سنی میں شادی کی، مگر یہاں جو مقصد پیش نظر تھا وہ سب سے اہم تھا، دنیا کو اس کا علم ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ دین کا کتنا بڑا حصہ پھیلا اور اسلام کی کتنی عظیم الشان خدمت اس سلسلہ سے انجام پذیر ہوئی

سیرت کے ساتھ صورت کا لحاظ مگر اوپر عورت کے انتخاب کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا اس سے یہ سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے کہ مرد خوبصورت عورت سے شادی نہ کرے، بدصورت سے کرے، یہ منشا ہرگز نہیں ہے، مقصد صرف اتنا تھا کہ سیرت کے ساتھ ساتھ صورت پر نظر کی جائے سیرت کو نظر انداز کر کے صرف صورت پر جان دینا نہ چاہیے۔ ورنہ خوبصورتی کوئی بُری چیز نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔

حدیث میں ایک صحابی کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے خدمت نبوی میں آکر کہا کہ ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔ تو آپ نے فرمایا، دیکھ لیا کرو، اس لیے کہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دیکھ بھال کر شادی کیا کرو، بعد میں ایسی نوبت نہ آئے، کہ تم کو اس سے شکایت پیدا ہو جائے، اور اس بہانہ سے آپس کی زندگی میں کشیدگی اور شکر رنجی آجائے۔

نوجوان عورت حضرت جابرؓ کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ابھی حال میں میری شادی ہوئی ہے، آپ نے دریافت فرمایا۔ باکرہ (کنواری) ہے یا ثیبہ (بیاہی)؟ حضرت جابرؓ نے کہا ثیبہ ہے۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فهلا بكرا تلاعبها و تلاعبك — کنواری سے کیوں نہیں کی کہ تم اس سے دلبستگی کرتے اور وہ تم سے دلبستگی کرتی (بخاری باب الثیبات)

مسلم کی روایت میں اس کے ساتھ اتنے الفاظ زیادہ ہیں:۔

(نظام عفت و عصمت ص ۱۶۱)

تضاحکاك وتضاحكها (مسلم ج ۱ ص ۴۷۵) وہ تم سے ہنستی بولتی اور تم اُس سے ہنستے بولتے

میں مانتا ہوں کہ باکرہ اس لیے فرمایا کہ اس سے موافقت اور اتحادِ عمل کی زیادہ اُمید ہوتی ہے، کم سے کم پر راضی وشاکر رہتی ہے، محبت زیادہ کرتی ہے، لیکن اگر اس سے خوبصورتی و رعنائی بھی سمجھی جائے تو کیا بُرا ہے، جبکہ حدیث کا لب ولہجہ بھی اس کی تائید میں ہو کہ آپس کی تفریح اور دلبستگی میں رعنائی اور قبول صورت وسیرت کو دخل ہے۔ اسی سلسلہ کی دوسری حدیث میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

علیکم بالابکار فانھن اعذب افواھا وانتق ارحاما وارضی بالیسیر (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

تم کو کنواری عورتوں سے شادی کرنا لازم ہے کہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں بچے بہت جنتی ہیں اور تھوڑے پر خوش وخرم رہتی ہیں۔

اس حدیث میں باکرہ کی تخصیص صراحت کے ساتھ ہے، اس میں بھی ایک پہلو ایسا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی میں عورت کی دلربائی اور رعنائی دیکھی جائے تو کوئی بُری بات نہیں ہے۔ بلکہ کسی درجہ میں شاید مطلوب ہے۔

نوجوان عورت کی خصوصیات حضرت علقمہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ رضؓ کے ساتھ جارہا تھا، راستہ میں ان کی ملاقات حضرت عثمان سے ہوگئی، وہ کھڑے ہو کر ان سے گفتگو کرنے لگے، حضرت عثمان رضؓ نے حضرت عبداللہ رضؓ سے کہا:۔

الا تزوجك جاریۃ شابۃ لعلھا تذکرك بعض ما مضی من زمانك (مسلم کتاب النکاح ج ۱ ص ۴۴۹)

آپ کیوں نہیں اپنی شادی کسی نوجوان لڑکی سے کرتے، کہ وہ آپ کے گزرے ہوئے دنوں کو یاد دلا دے۔

اس حدیث کے ضمن میں امام نووی رحؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

فیه استحباب نکاح الشابۃ لانھا المحصلۃ لمقاصد النکاح فانھا الذ استمتاعا واطیب

اس حدیث میں ہے کہ نوجوان سے شادی مستحب ہے کہ مقاصد نکاح کے حصول کے لیے موزوں ہے۔

نکھۃ وارغب فی الاستمتاع الذی هو مقصود النکاح واحسن عشرۃ وافکہ محادثۃ واجمل منظرا والین ملمسا واقرب ان یعودھا زوجھا الاخلاق التی یرتضیھا۔
(نووی شرح مسلم۔ ج ۱ ص ۴۳۹)

لطف اندوزی میں مزیدار ہے، خوشبو میں سب سے عمدہ ہے اور لطف اندوزی میں طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے، رہن سہن میں بہت اچھی معلوم ہوتی ہے گفتگو میں خوش طبع ہوتی ہے دیکھنے میں خوبصورت اور چھونے میں نرم و نازک ہوتی ہے اور اس کی بھی امید ہے کہ شوہر اپنے رنگ کا اسے عادی بنالے۔

دین اور حسن کا اجتماع حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں "کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو ترغیب دیتے کہ دیندار اور خوبصورت عورت سے شادی کیا کریں، الفاظ یہ ہیں:

وکان صلی اللہ علیہ وسلم یحرص امته علی النکاح الابکار الحسان ذوات الدین۔ (زاد المعاد۔ ج ۳ ص ۱۲۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو باکرہ، خوبصورت اور دیندار عورتوں سے شادی کرنے کی ترغیب دیتے۔

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے، اس سے اتنی بات آسانی سے ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی خوبصورت عورت سے شادی کرے تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں، بلکہ اچھی بات ہے، مگر حسن وجمال کو مقصدِ اصلی قرار دینا نہ چاہیے، اور نہ صرف خوبصورتی ہی پر نظر رکھنی چاہیے بلکہ ساتھ ساتھ اخلاق و اعمال اور سیرت و کردار پر بھی نظر ہونی چاہیے۔

خوبصورتی کا معیار پھر واضح رہنا چاہیے کہ خوبصورتی کا مطلب صرف چمڑے اور رنگ و روپ کی خوبصورتی نہیں ہے، بلکہ ساتھ ہی سیرت بھی خوب ہو، اخلاق و اعمال بھی پاکیزہ ہوں، اور دین میں پختگی بھی ہو، پھر خوبصورتی کا معیار رنگ و روپ میں بھی اپنے طبعی ذوق پر ہے، کسی آدمی کو وہ عورت بھی خوبصورت معلوم ہوتی ہے جو بہتوں کی نگاہ میں بدصورت سمجھی جاتی ہے، تو اب اس معاملہ میں دوسروں کی پسند کا اعتبار نہ ہوگا

سچی بات پوچھیے تو بہت سے واقعات کی روشنی میں کہنا پڑتا ہے کہ خوبصورتی محبت سے

پیدا ہوتی ہو اور موافقت دپسندیدہ سیرت سے، واقعات شاہد ہیں کہ محبت دعشق نے رنگ و روپ کی جاذبیت کو غلط ثابت کر دیا ہے، پھر اس وقت اور بھی جب اعمال و اخلاق اچھے نہ ہوں۔ اس لیے رنگ و روپ پر جان دینا عقلمندی نہیں ہے، ہاں دینداری اور پسندیدہ اعمال و اخلاق کے ساتھ خوبصورتی مل جائے تو نعمت سمجھنا چاہیے۔

ماحصل یہ ہے کہ عفت و عصمت کی حفاظت کی خاطر اسلام نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے بلکہ کہنا چاہیے رغبت دلائی ہے کہ نوجوان، شیریں دہن اور پیکرِ حُسن سے شادی کرے مگر گوہرِ عفت اور دُرِ عصمت کی بے وقعتی کا دھیان ہرگز دل میں نہ آنے دے۔

بیوہ عورت سے شادی یہ مطلب نکالنے کی سعی نہ کی جائے کہ کنواری ہی سے شادی ضروری ہے، بیوہ سے شادی کرنا مناسب نہیں ہے۔ بلاشبہ احادیث میں کنواری عورتوں سے شادی کی ترغیب پائی جاتی ہے اور اس کی معقول وجہ بھی ہے، جیسا کہ بعض حدیثوں میں سبب بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ کنواری سے میل ملاپ اور ہم ذوقی جلد پیدا ہو جاتی ہے، پہلے پہل شوہر کے یہاں آتی ہے اس لیے شوہر جس چیز کا عادی بناتا ہے آسانی سے ہو جاتی ہے، کم سے کم چیزوں پر خوش رہتی ہے، اور ان سب سے بڑھ کر مرد ان سے دلی طور پر اتنا گھل مل جاتا ہے کہ اس کی محبت دل میں گھر کر لیتی ہے اور اس طرح مرد نظر اور خیالات کی بدکاری سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

مرد اگر خود دوسری شادی کر رہا ہو، یا زیادہ عمر کا ہو تو کمسن لڑکی سے اس کی شادی بے جوڑ ہوگی۔ اور فقہاء کرام کی رائے آپ پڑھ آئے ہیں کہ انہوں نے نوجوان لڑکی کی شادی بوڑھے مرد کے ساتھ کرنے سے منع کیا ہے، اس لیے ایسے معمر و مسن مرد کو بیوہ ہی سے شادی کرنی چاہیے کہ میاں بیوی میں نباہ ہو سکے۔

بیوہ سے شادی عہد نبوی اور عہد صحابہ میں پھر اس کے علاوہ خود ذات بابرکت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کا عملی نمونہ ہے کہ آپ نے ایک کے سوا بقیہ تمام بیوہ عورتوں ہی سے شادی کی، اپنی بعض صاحبزادیوں کی جو بیوہ ہو گئی تھیں شادی کرائی۔ جلیل القدر خلفاء اور صحابہ کرام

کی تاریخ پڑھ جائیے تو معلوم ہوگا کہ ان حضرات نے بیوہ عورتوں سے کس کثرت سے شادیاں کیں، صحابیات کی زندگی پڑھینگے تو دیکھینگے کہ انہوں نے شوہروں کی وفات کے بعد دوسری تیسری شادیاں کیں۔

ان واقعات کو عرض کر کے بتانا یہ ہے کہ اگر بیوہ سے شادی کرنا کوئی ناپسندیدہ بات ہوتی، تو خود عہدِ نبوی و عہد صحابہ میں ان بیواؤں سے کیسے شادی کی جاتی، پس معلوم ہوا کہ بیواؤں سے شادی کوئی جرعۂ تلخ نہیں، بلکہ ایک کارِ ثواب ہے، اور شرعی نقطۂ نظر سے ایک پسندیدہ عمل ہے۔

شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا

اسلام نے عفت و عصمت کے تحفظ کے لیے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ ممکن ہو تو بغیر کسی خاص اہتمام کے عورت کو شادی سے پہلے دیکھا بھی جاسکتا ہے، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع سے فرمایا

اذا خطب احدکم المرأۃ فان استطاع ان ینظر الی ما یدعوہ الی نکاحھا فلیفعل رواہ ابو داؤد (مشکوۃ کتاب النکاح)	تم سے کوئی جب عورت کو پیام نکاح دے، اور وہ اس چیز کے دیکھنے پر قدرت رکھتا ہو، جو اس عورت کے نکاح کی طرف داعی ہو، تو اس کو ایسا کرنا چاہیے۔

معلوم ہوا نکاح کے پہلے مہذب اور شرعی طریقہ پر عورت کو دیکھ سکتا ہے، تو دیکھ لے، تاکہ تذبذب جاتا رہے اور شادی کرنے میں عورت کی طرف سے جو شکوک و شبہات ہیں وہ دور ہو جائیں، آئندہ کے لیے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ عورت کے متعلق کوئی بات ایسی کہنے کا موقع نہ رہیگا جس سے عورت کی سبکی ہو، اور اس طرح مقاصدِ نکاح حسن و خوبی بروئے کار آسکینگے گو یہ ضروری نہیں ہے کہ خود ہی دیکھے، کوئی دوسرا دیکھ لے اور اس کے بیان پر اعتماد ہو تو یہی کیا جاسکے۔ مزید اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت کے متعلق جو معلومات حاصل کرنا چاہے کرسکتا ہے، دین، جمال، خاندان، خوشحالی اور اس طرح کی دوسری باتیں، تاکہ اطمینان

حاصل کیا جا سکے۔

دیکھنے کے لیے مشورۂ نبوی

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شادی کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا تو نے دیکھ لیا ہے؟ حضرت مغیرہ کہتے ہیں، میں نے کہا نہیں یا رسول اللہ۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا

فانظر الیھا فانہ احری ان یودم بینکما (ترمذی باب ما جاء فی النظر الی المخطوبہ)

اس عورت کو دیکھ لو، اس لیے کہ یہ باہمی تعلقات کی استواری کے مناسب ہے۔

یہ فرمانِ نبوی کھلا ثبوت ہے کہ جس عورت سے شادی ہونے والی ہے اس کو دیکھ لینا اور کچھ نہیں تو مستحب ضرور ہے۔ ترمذی نے بھی لکھا ہے بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ عورت کو شادی سے پہلے دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اس کا وہ حصہ نہ دیکھا جائے، جس کا دیکھنا حرام ہے، اور یہی مذہب امام احمدؒ اور اسحاق کا ہے۔

پھر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:۔

ومعنی ان یودم بینکما قال احری ان تدوم المودۃ بینکما (ترمذی ج ۱ ص ۱۳۷)

ان یودم بینکما کے معنی ہیں کہ تم میں پائیدار محبت رہ سکے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جس نے کسی عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا، پوچھا: انظرت الیھا؟ (کیا تو نے اس کو دیکھ لیا ہے) اس نے نفی میں جواب دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ اس نے دیکھا نہیں ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے، تو آپ نے فرمایا:

اذھب فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئا (مسلم باب ندب من اراد امراۃ الی ان ینظر قبل خطبتھا ج ۱ ص ۴۵۶)

جاؤ، اس عورت کو دیکھ لو، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ (عیب) ہے

امام نوویؒ کی تشریح

امام نوویؒ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس عورت کو دیکھنا جس سے شادی کرنے کا ارادہ کیا جائے

مستحب ہے، یہی ہمارا (شافعی کا) مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے، امام مالک کا مذہب ہے، اور تمام کوفیین کا۔ امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور جمہور علماء کا بھی۔ قاضی نے ایک قوم کی کراہت کا جو قول نقل کیا ہے وہ غلط ہے، اور اس صریح حدیث کے خلاف اور اجماع امت کے مخالف ہے"۔ آگے لکھتے ہیں ۔۔۔ "پھر ہمارا، امام مالکؒ کا، امام احمدؒ کا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس دیکھنے میں عورت کی رضا شرط نہیں ہے، بلکہ بغیر اطلاع عورت کی غفلت پاکر بھی اس کو دیکھا جا سکتا ہے، عورت سے طلب اذن کی بھی شرط نہیں ہے۔ عورت سے بغیر اجازت حاصل کیے اُسے دیکھا جا سکتا ہے، اجازت کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، اور اس طرح کے معاملہ میں عورت کو اجازت دینے میں حیا بھی دامنگیر ہوا کرتی ہے اور معاملہ دھوکہ کا ہے یقینی نہیں، کیونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عورت کو دیکھا جاتا ہے اور وہ پسند نہیں آتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا شادی نہیں کرتا ہے، تو اگر اجازت کے حصول کے بعد دیکھا جائے اور شادی نہ کی جائے تو اس کو اس سے اذیت اور دلی تکلیف ہوگی، اور اگر بغیر اطلاع دیکھ لی گئی، اور اس سے شادی نہ کی گئی تو یہ فعل اس کے لیے موجب اذیت نہ ہوگا، کیونکہ اس کو علم ہی نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب (شوافع) کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ شادی کا پیام بھیجنے سے پہلے ہی دیکھ لیا جائے، تاکہ اگر پسند نہ آئے تو بغیر کسی کو تکلیف دیے ہوئے معاملہ ختم ہو جائے بخلاف اس صورت کے کہ پیام نکاح کے بعد دیکھی جائے اور پسند نہ آنے پر چھوڑ دی جائے، ہمارے اصحاب (شوافع) کا قول ہے کہ اگر خود دیکھنا ممکن نہ ہو تو کسی ایسی عورت کو اسے دیکھنے کے لیے بھیجا جائے، جس پر اعتماد اور وثوق ہو، تاکہ وہ آکر صحیح صحیح خبر دے۔ اور یہ سب نکاح کی بات چیت کرنے سے پہلے ہونا چاہیے"[1]

محمد بن مسلمہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا القی اللہ فی قلب امرءٍ خطبۃ امرأۃ　　　اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کے دل میں کسی عورت سے

---

[1] شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۴۵۶ و ۴۵۷۔

فلا باس ان ینظر الیھا۔ (ابن ماجہ باب النظر الی المرأۃ الخ)

شادی کرنے کی خواہش ڈال دے تو اس کے لیے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دیکھنے میں اخلاص و اعتدال

ان تمام حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اچھا ہے، خواہ خود اپنی آنکھوں سے ہو، یا کسی معتمد عورت کے ذریعے ہو، اس سے بڑی حد تک اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے اور شادی کرنے میں شکوک و شبہات اور شیطانی وساوس پیدا نہیں ہوتے، پھر اس سلسلہ کے ابتدائی فتنے سر اٹھانے نہیں پاتے۔ البتہ لازمی شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو، دیکھنے سے منشا فتنہ پیدا کرنا نہ ہو، فقہاء کرام بھی دیکھنے کو جائز کہتے ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیری رح فرماتے ہیں:۔

قالوا یجوز النظر الی المخطوبۃ کیلا یجر الامر الی الفساد وقالوا یخلص النیۃ عند ابتداء النظر ثم یفوض الامر الی اللہ (العرف الشذی باب النظر الی المخطوبۃ ص۳۹۰)

فقہاء نے کہا ہے کہ جس سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کو دیکھنا جائز ہے، تاکہ معاملہ فساد برپا نہ کرے، اور یہ بھی کہا ہے کہ دیکھتے وقت نیت میں خلوص ہو پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔

شادی کے پہلے دیکھنا مستحب ہے

اب یہ سوال کہ شادی کے پہلے عورت کو دیکھنا کیسا ہے، اس باب میں عموماً فقہاء کرام مستحب کے قائل ہیں جسے وہ ندب کے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔ صرف مولانا ثناء اللہ پانی پتی رح کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے سنت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، مگر مقصد ایک ہی ہے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

سن للخاطب ان ینظر الی وجہ المخطوبۃ وکفیھا قبل النکاح اجماعاً۔ (تفسیر مظہری سورۃ النساء ص۶)

شادی کرنے والے کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے (عورت) مخطوبہ کو دیکھ لے، مخطوبہ کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا بالاتفاق جائز ہے۔

فقہ کی کتابوں میں عام طور سے ندب ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یندب اعلانہ .... والنظر قبلہ (در مختار ج۲ ص۱)

نکاح کا اعلان اور نکاح سے پہلے دیکھنا مستحب ہے۔

ویندب نظر الزوج الی زوجتہ قبل العقد و عقد کے پہلے شوہر کا بیوی کو دیکھنا مستحب ہے
ان خاف الشھوۃ (الکواکب المشرقہ ص۳) گو شہوت کا خوف ہو۔

حدیثیں جو نقل کی جا چکی ہیں وہی بنیاد ہیں، صحابہ کرام کا بھی اس پر عمل تھا، وہ بھی شادی کے پہلے عورت کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کا خود بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو شادی کا پیام دیا، اور میں نے چھپ کر اسے دیکھنے کی سعی کی، اور اس میں کامیاب ہو گیا۔ اور دیکھنے کے بعد اس میں کچھ ایسی باتیں دیکھیں کہ میں نے اس سے شادی کر لی[۱]

حضرت محمد بن مسلمہؓ فرماتے ہیں کہ میری نسبت ایک عورت سے ٹھہری، میں نے چھپ کر اس کو دیکھنے کی سعی کی، بالآخر ایک دن میں نے اس کو اپنے باغ میں دیکھ لیا، ان کی اس حرکت پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ رسول اللہ صلعم کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ محمد بن مسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلعم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں[۲]

حضرت عمرؓ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ اُنھوں نے حضرت علی کو کہلا بھیجا کہ آپ کی لڑکی ام کلثومؓ سے شادی کا ارادہ رکھتا ہوں، اور اس روایت کے اخیر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے ان کو دیکھ لیا تھا[۳]

دیکھنے کا شرعی طریقہ مگر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی اجازت تو ضرور ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں وہ رواج بھی ہمارے یہاں جائز ہے جو غیر قوموں میں ہے، کہ شادی کے پہلے ہونے والے میاں بیوی ایک مدت تک بیباکی کے ساتھ ملی جلی زندگی گزارتے ہیں، اور عشق و محبت کی وادی طے کر کے نکاح کی منزل پر پہنچتے ہیں۔ یہ طریقے اسلام میں قطعاً جائز نہیں ہیں۔ ابھی حضرت جابرؓ کے دیکھنے کا واقعہ نقل کیا گیا، اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام میں دیکھنے کی کیا نوعیت تھی۔ پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ اسلام

---

[۱] جمع الفوائد۔ ج۱ ص ۲۰۱۔ عن ابی داؤد [۲] ابن ماجہ باب النظر الی المرأۃ اذا اراد ان یتزوجہا
[۳] نذر المجلس اللطیف۔ ص ۱۱۱۔

میں شریف عورت کا تمام جسم ستر ہے، سوائے چہرہ اور ہتھیلی یا زیادہ سے زیادہ قدمین بھی۔ ان تین (چہرہ، ہتھیلی، قدمین) کے سوا دوسرے حصۂ جسم کا عورت کے لیے کھولنا غیر مرد کے سامنے جائز نہیں ہے، جیساکہ تفصیل کے ساتھ آئندہ معلوم ہوگا، تو بس ہمارے یہاں اسی حد تک دیکھنا چاہیے، دیکھنے میں تجسس جائز نہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عورت کو علم ہو کہ مجھے دیکھا جارہا ہے۔ مرد کو مخطوبہ کے متعلق یقین کے ساتھ کسی طرح ضروری معلومات ہوجانا چاہیے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ صرف چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

ثم انما یباح لہ النظر الی وجھہا وکفیہا فقط	مرد کے لیے جائز ہے کہ مخطوبہ (جس سے شادی کرنا ہے)
لانھما لیسا بعورۃ ولانہ لیستدل	کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھ لے کہ یہ دونوں ستر نہیں ہیں اور
بالوجہ علی الجمال وبالکفین علی خصوبۃ	اس لیے کہ چہرہ سے خوبصورتی معلوم ہوجائیگی، اور
البدن اوعدمھا (شرح مسلم۔ ج ۱۔ ص ۴۵۶)	ہتھیلی سے بدن کی تروتازگی کا اندازہ مل جائیگا۔

یہ بالکل درست ہے کہ چہرہ دیکھ کر آدمی عورت کی تراش خراش کا بڑی حد تک اندازہ لگا سکتا ہے، خوبصورتی و بدصورتی چہرہ سے عیاں ہوجاتی ہے، بلکہ آدمی ذرا ذہین ہو تو صرف چہرہ سے اس کی زندگی کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کرسکتا ہے۔ قدرت نے چہرہ کو ظاہری بدن کا قلب بنایا ہے، اور اگر اسے آئینہ باطن نما کہا جائے تو غلط نہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ کا قول پہلے نقل کیا جاچکا ہے، وہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے مخطوبہ کا چہرہ اور اس کی ہتھیلی دیکھ لی جائیگی، حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہوتی ہے، باقی قدمین اس کا فقہاء نے بعض شرعی بنیاد پر اضافہ کیا ہے۔

گو اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ مخطوبہ کا کونسا اور کتنا حصہ دیکھا جائے۔ چہرہ اور ہتھیلی پر تو اجماع ہے، اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں، اور امام اوزاعیؒ کہتے ہیں مواضع لحم کو دیکھا جائیگا، اور داؤد ظاہریؒ فرماتے ہیں کہ غلیظ حصوں کے سوا تمام بدن کا دیکھنا جائز ہے[۱]۔

---

[۱] ندا الجنس اللطیف ص ۱۱۱ و تفسیر مظہری سورۃ نساء ص ۶۔

آپ آگے پڑھینگے کہ شریعت اسلام میں پہلی نگاہ جو پڑ جائے اس کی اجازت ہے، باقی پھر دوبارہ نہ ڈالی جائے، اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ کوئی مرد اجنبی عورت سے تنہائی میں ملے اور بات چیت کرے، بوقت ضرورت لوگوں کے سامنے البتہ مل سکتا ہے۔ یہ اور اس طرح کی بہت ساری ہدایات آپ وہاں پڑھینگے، ان کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی گوا اجازت ہے، مگر ضروری حد تک، اور اعتدال کے ساتھ، اس سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے، عورت کو اس کے گھر میں اس کے رات دن کے لباس میں دیکھ لیگا اور بس، پھر شرط یہ ہے کہ نگاہ پاکیزہ ہو، اور دل میں کوئی روگ نہ ہو

قالوا یخلص النیة عند ابتداء النظر ثم یفوض الامر الی اللہ (العرف الشذی ص۳۹)

شروع میں دیکھتے وقت نیت مخلص ہو پھر معاملہ اللہ کے سپرد ہو

ان قوانین سے اسلام کا منشا یہ ہے کہ شادی میں ان تمام ضروری امور کا لحاظ رکھا جائے جس کی وجہ سے آئندہ ملی جلی زندگی میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہونے پائے، اور مقاصد نکاح اس رشتہ سے پوری طرح ادا ہوں۔

عشق و محبت علامہ رشید رضا مصری کے تجربہ کی روشنی میں

علامہ رشید رضا مصری کی یہ بات بالکل درست ہے "کہ میں تیس۳۰ چالیس سال سے عورت کے متعلق مسائل اور زن و شوئی تعلقات پر کام کر رہا ہوں، اس سلسلہ میں بہت سی قدیم و جدید کتابیں، رسالے اور اخبارات پڑھنے پڑے، اور اس مسئلہ پر اپنی تفسیر المنار میں بہت کچھ لکھ بھی چکا ہوں، مگر با این ہمہ اہل مغرب و مشرق کے اس قول کے غلط ہونے کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ "زن و شوئی تعلقات کی خوشگواری کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ شادی سے پہلے ہونے والے میاں بیوی میں تعارف ہو اور ہر ایک کو دوسرے سے عشق ہو"

تجربات نے اس بات کی غلطی آشکارا کر دی ہے اور یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ نوجوانوں کا باہمی عشق و محبت شادی کے بعد عموماً ختم ہو جاتا ہے، اور عرب کا یہ قول بالکل صادق آتا ہے:

الزواج یفسد الحب شادی پہلی محبت کی بنیاد ہلادیتی ہے۔ زن وشوئی تعلقات کی خوشگواری کے لیے صحیح قاعدہ وہی ہے جو حضرت عمرؓ نے اس عورت سے کہا تھا جس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست دی تھی، اور اپنے شوہر کے متعلق کھل کر کہا تھا کہ" اس سے طبعی محبت نہیں کرتی ہوں، یعنی میرے دل میں اس کی طبعی محبت جاگزیں نہیں ہوتی ہے"

حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر اس عورت سے فرمایا۔ اگر عورتوں میں سے کسی عورت کو اپنے شوہر سے طبعی محبت نہ ہو تو اس عورت کو چاہیے کہ یہ بات اپنے شوہر سے نہ بیان کرے، کیونکہ بہت کم ایسے گھر ہیں جن کی بنیاد طبعی محبت پر ہوتی ہے، لوگ باہمی زندگی حسب اور اسلام پر بسر کیا کریں یعنی میاں بیوی میں ہر ایک اس بات کا التزام کرے، کہ ایک دوسرے کے شرف ومجد کا لحاظ کرے اور اسلام نے زن وشوئی تعلقات کے سلسلہ میں جو ضروری ذمہ داریاں، آداب اور فرائض عائد کیے ہیں ان کو نباہنے اور بجالانے کی سعی کرے، بس اسی طریقہ سے زندگی کی خوشگواری نصیب ہوسکتی ہے۵"

یہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ دل میں جتنی محبت پاتا ہے، اظہار اس سے زیادہ کا کرے، تاکہ اس طرح بتدریج محبت دلوں میں جاگزیں ہوجائے اور باہمی زندگی اطمینان وسکون اور مسرت وانبساط سے نباہ دے۔

بلوغ کے بعد شادی کا حکم اور دیگر ہدایات

اسلام نے عفت وعصمت کے ان تمام لوازمات کو اپنی تعلیمات میں سمو دیا ہے، جن سے عفت واخلاق کی بنیادیں استوار ہوں، اور پاکبازی وپاکدامنی کا ماحول فراہم ہوجائے ساتھ ہی کہیں سے کوئی ایسا رخنہ پیدا ہونے کا موقع نہیں دیا ہے جس سے شیطانی وسوسے راستہ پا سکیں، اور انسان کو عفت وعصمت کی مٹی پلید کرنے پر آمادہ کرسکیں۔

یوں تو اسلام نے اجازت دے رکھی ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے ہی لڑکا اور لڑکی کا نکاح

۵ ندا المجلس اللطیف صد ۱۱۴

کیا جا سکتا ہے ۔ اور جوانی کا ہنگامی دور آنے سے پہلے ہی ایسا رشتہ قائم کیا جا سکتا ہے جو مرد و عورت کے خیالات کو بھٹکنے سے روک دے ، اور اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ابتدائے بلوغ میں بھی جب سوچینگے تو دونوں جائز ہی محبت اور رشتہ داری پر سوچینگے ۔

بلوغ کے بعد شادی کی تاکید مگر بلوغ کے بعد تو اسلام نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ جلد سے جلد شادی ہو جانی چاہیے کہ یہ دور شباب ہے ، امنگ کا زمانہ ہے اور جنسی خواہشات کے ابھرنے کا موقع ہے ، آدمی میں اس عمر میں گو مستقبل پر غور کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے مگر وہ جذبات کے نیچے دبی دبائی ہوتی ہے ، عموماً کمتر ہی لوگ عمر کے اس حصہ میں نفع و نقصان سوچنے کی زحمت برداشت کرتے ہیں ۔ اس لیے اگر عمر کے اس نازک ترین حصہ میں قانونی نگرانی نہ کی جائے تو راہِ راست سے دور پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہے ، اس لیے خصوصیت سے نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا :

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج ۔ (بخاری)	اے نوجوانو! تم میں جو اسباب جماع پر قادر ہو اس کو شادی کر لینا چاہیے ۔

شباب کا زمانہ بلوغ کے بعد شروع ہوتا ہے اور بتیس برس کی عمر تک رہتا ہے ، اور بعض کے نزدیک تیس تک ۔

قال الزمخشری ان الشباب من لدن البلوغ الی اثنین وثلاثین ... وقال النووی الاصح المختار ان الشباب من بلغ ولم یجاوز الثلاثین ثم کھل الیٰ ان یجاوز الاربعین ثم ھو شیخ ھکذا فی فتح الباری ۔ (مفتاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ ۔ ص ۱۳۴)	زمخشری نے کہا ہے کہ شباب بلوغ سے بتیس سال کی عمر تک ہے ، اور نووی نے کہا صحیح یہ ہے کہ شباب بلوغ کے وقت سے لے کر تیس برس کی عمر تک ہے تیس سے چالیس تک کہل (ادھیڑ پن) ہے چالیس کے بعد شیخ (بڑھاپا)

بال سفید ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے ، یہ مزاجوں کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتا ہے ، اس

تفصیل سے مقصد یہ ہے کہ بلوغ کے فوراً بعد اسلام نے شادی کرنے کا مطالبہ کیا ہے، اور منشا یہی ہے کہ عمر کے اس ہنگامہ خیز زمانہ میں انسان غلط راستہ پر پڑ کر عفت وعصمت کے دامن کو داغدار کرنے نہ پائے۔

لڑکے اور لڑکی کی شادی کا بار والد پر

اس عمر میں عموماً انسان والدین کی زیر نگرانی ہوتا ہے، شادی کا سامان خود فراہم کرنا چاہے تو اکثر انسان نہیں فراہم کر سکتا، حیا وشرم الگ دامنگیر ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ضرورت محسوس کرنے پر بھی والدین سے کہنے کی جرأت نہیں ہوتی اور ایسے زمانہ میں عفت وعصمت کبھی کبھی خطرہ میں گھر جاتی ہے، اس لیے پیغمبر اسلام نے اس عمر کی شادی کی ذمہ داری والدین پر ڈالی ہے، ہدایت نبوی ہے۔

من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثما فانما اثمہ علی ابیہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ۔ص ۲۷۱)	جس شخص کے بچہ ہو اس کو چاہیے بچہ کا اچھا نام رکھے تعلیم وتربیت دے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دے، بلوغ کے بعد اگر باپ نے شادی نہیں کی اور اس سے گناہ ہو گیا، تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ پہلی بات یہ کہ لڑکے لڑکی کو تعلیم وتربیت دے جو اس کی آئندہ زندگی میں رہبر کا کام دے اور اس کے دل میں خشیت الٰہی کی پرورش کرے، تاکہ یہ گناہ کے کاموں سے مجتنب اور متنفر رہے، دوسری بات یہ کہ جونہی بالغ ہو باپ اس کی شادی کر دے، تاخیر اور تساہلی سے کام نہ لے، کیونکہ اگر والدین کی عدم توجہی سے تاخیر ہوئی، اور اس اثناء میں اس سے گناہ سرزد ہو گیا تو والدین بھی گناہ سے نہ بچ سکیں گے۔

دوسری حدیث میں لڑکی کے متعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجھا فاصابت	توریت میں لکھا ہے کہ جس کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کی شادی نہ کرے اور اس

انما فاثمہ ذٰلک علیہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ ص۲۷۱) لڑکی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ گناہ اس شخص پر ہوگا

ان دونوں حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جائے تو والدین پر ذمہ داری ہے کہ جلد سے جلد ان کی شادی کر دیں، خود لڑکا اور لڑکی پر بھی ذمہ داری ہے کہ شادی کرنے میں ٹال مٹول نہ کرے، وقت آئے تو فوراً تیار ہو جائے اور والدین کا بھی فریضہ ہے کہ لڑکے لڑکی شادی وقت پر کر دیں، مگر ان کی رائے معلوم کر کے، تاکہ رشتہ مضبوط ہو سکے۔

شادی کی اہمیت والدین پر تاکید جتانے اور مسئلہ کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر وقت پر شادی نہ ہوئی اور والدین نے اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کیا، اور اس کی وجہ سے لغزش ہو گئی، اور لڑکے یا لڑکی میں سے کسی سے زنا یا دواعی زنا کا ارتکاب ہو گیا، تو گناہ کا ایک حصہ والدین کا بھی ہوگا اور مرتکب معصیت تو گناہ میں ڈوب ہی جائیگا۔

رشتۂ ازدواج میں استواری رشتۂ ازدواج کے انعقاد میں اسلام نے اس کا بھی خیال رکھا ہے کہ یہ رشتہ مضبوط سے مضبوط بنیاد پر قائم ہو، تاکہ آئندہ چل کر اس میں ضعف و اضمحلال نہ پیدا ہونے پائے، اسی وجہ سے شریعت نے اس کا لحاظ رکھا ہے کہ جو دو اجنبی رشتۂ مناکحت سے آپس میں مل رہے ہیں وہ دونوں اپنے عقائد و اعمال طرز معاشرت اور مسلک و مذہب میں ایک جیسے ہوں، اسی بنیاد پر مشرک مرد و عورت سے مسلمان مرد و عورت کی شادی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، قرآن کی یہ آیت "لا تنکحوا المشرکات حتیٰ یومن" جو نکاح مشرک کی حرمت کو بتاتی ہے، اس کے ضمن میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ لکھتے ہیں:

"مشرکین اور مشرکات جن کا ذکر ہوا، ان کے اقوال، ان کے افعال، ان کی محبت، ان کے ساتھ اختلاط کرنا، شرک کی نفرت اور اس کی برائی کو دل سے کم کرتا ہے، اور شرک کی طرف رغبت کا باعث ہوتا ہے جس کا انجام دوزخ ہے، اس لیے ایسوں کے ساتھ نکاح کرنے سے اجتناب کلی لازم ہے۔" [1]

[1] موضح فرقان بر حاشیہ قرآن پاک ص۴۲

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح لکھتے ہیں

"اس آیت میں مصلحت بیان کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی صحبت جب کفار و مشرکین کے ساتھ رہیگی، اور کافروں اور مسلمانوں میں مواسات کا تعلق ہوگا تو بالخصوص بسبب تعلقات ازدواج کے طور پر ہونگے، تو دین کے لیے ایک مفسدہ کا پیدا ہونا لازم ہے اور پھر کفر کا شعوری اور غیر شعوری طور پر قلب میں اثر انداز ہونا۔"[۱]

یہ تو دینی مفاسد ہیں، دنیاوی طور پر نقصان یہ ہے کہ اختلاف دین کی صورت میں محبت اور پیار کی زندگی پروان نہیں چڑھ سکتی، خوشگواری کا پیدا ہونا مشکل ہے، بلکہ تلخیوں کی خلیج وسیع ہوتی جائیگی، جس کے نتائج میں بہت ممکن ہے عفت و عصمت خطرہ میں گھر جائے، یا سرے سے مقاصد نکاح ہی انجام پذیر نہ ہو سکیں۔

مسئلہ کفائت اس مودت و محبت اور خوشگواری کی وجہ سے خود مسلمانوں میں بھی بعض چیزوں میں کفائت کا اعتبار کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ نیکو کار عورت کی شادی بدکار مرد سے یا نیکوکار مرد کی شادی بدکار عورت سے نہ کی جائیگی، قرآن پاک نے بتایا:

اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (نور - ۱۰)

زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے، اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زناکار مرد اور زناکار عورت نیک مرد اور نیک عورت کے کفو نہیں ہیں کیونکہ عملی طور پر ان دونوں میں بڑا فرق ہوگا، میل ملاپ ہونے کی امید بہت کم ہے، چنانچہ ایک جگہ اور قرآن میں کہا گیا ہے

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ (السجدہ - ۲)

کیا ایمان لانے والا ریسی کے اس درجہ میں ہوگا جس درجہ میں نافرمان ہے، ہرگز وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ۔ ج ۲۔ ص ۱۳۳۔

مال میں کفو کا تقریباً اعتبار نہیں ہے صرف امام شافعیؒ مالی کفو کے قائل ہیں، مگر تجربات کی روشنی میں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو محبت اور پریم میں حائل ہو، یوں تو کبھی کبھی ثروت و دولت بھی باعثِ فساد ہو جایا کرتی ہے۔

نسبی کفو زیادہ قابلِ اعتماد نہیں

نسب میں بھی بعض ائمہ نے کفو کا اعتبار کیا ہے۔ غالباً عقلی مصالح ان کے پیشِ نظر تھے۔ تجربہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خاندانوں کے معاشرتی اختلافات کی وجہ سے مختلف پیچیدگیاں عملی زندگی میں پیدا ہوتی ہیں، لیکن جہاں تک مسئلہ کی دینی حیثیت ہے بقول ابن حجرؒ کفو نسبی کے معتبر ہونے میں کوئی بھی صحیح حدیث نہیں ہے، بلکہ برعکس اس کے ایسے آثار و روایات کا ذخیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوت و عہدِ صحابہ میں نسبی کفو کو کسی قسم کی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔

بخاریؒ نے باب الاکفاء فی الدین کے عنوان کے نیچے دو ایسے واقعات نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نسبی کفو کا اعتبار نہ تھا۔ پہلا واقعہ حضرت ابو حذیفہؓ کا ہے جو بدری صحابی ہیں کہ انہوں نے حضرت سالمؓ کی شادی جو ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے اپنی بھتیجی ہند بنت ولیدؓ کے ساتھ کی، اور یہ ہندؓ مہاجرات میں سے ہیں۔

دوسرا دفعہ ضباعہ بنت زبیرؓ کا نقل کیا ہے کہ ان کی شادی حضرت مقدادؓ سے ہوئی ہوئی تھی، حالانکہ ضباعہؓ اپنے نسب کے اعتبار سے بہت اونچی تھیں[1]۔

حافظ ابن القیمؒ نے اس پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ نسب میں کفو معتبر نہیں ہے۔ اور کفو فی النسب میں شدت اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے، اللہ تعالیٰ نے شعوب و قبائل کو دنیا میں باہمی تعارف کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسلام میں اس کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے، کیونکہ ارشادِ ربانی ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات۔ ۲) اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلاشبہ تم میں سے وہ بڑا شریف ہے جو تم میں خدا سے زیادہ ڈرتا ہو۔

[1] بخاری باب الاکفاء فی الدین۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (حجرات - ۱) بلاشبہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

نسبی کفو کے متعلق حضور کا ارشاد اور آپ کے عہد کا عمل

یہ اور اسی طرح کی دوسری آیتیں مسلمانوں کی باہمی مساوات کو بتاتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی اس مسئلہ کو اجاگر کیاہے۔ ترمذی کی یہ حدیث اوپر نقل کر آیا ہوں، کہ اگر تمہارے پاس پیام نکاح ان لوگوں کی طرف سے آئے جن کا اخلاق اور دین تمہارے پسند کے لائق ہے تو اس سے شادی کرلو، کیونکہ دین اور اخلاق کے ماسوا کوئی دوسری چیز کو بنیاد بناؤگے تو روئے زمین میں فتنہ وفساد کے چشمے ابل پڑینگے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اٰل بنی فلاں لیسوا لی باولیاء ان اولیائی المتقون حیث کانوا واین کانوا (زاد المعاد ج ۴ ص ۲۲) بنی فلاں کی اولاد میرے اولیا نہیں ہیں میرے اولیا متقی لوگ ہیں جہاں ہوں اور جس طرح کے ہوں۔

پھر یہ بات بھی کوئی چھپی ڈھکی نہیں ہے، کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش رضؓ قرشیہ کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ سے کی۔ فاطمہ بنت قیس رضؓ فہریہ کی شادی زید رضؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ سے کی۔ حضرت بلال بن رباح حبشی رضؓ کی شادی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کی ہمشیرہ سے ہوئی۔[1]

اس طرح کے واقعات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ کفائت فی النسب کی کتنی اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔ اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ کفائت کے مسئلہ میں سختی اختیار نہ کی جائے

نکاح کا اعلان

اسلامی قوانین عفت میں تمام فتنہ وفساد کے سرچشموں کو بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے، سوسائٹی اور سماج کے اندر جس چیز سے بد اخلاقی نشو ونما پاسکتی ہے حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اس کو بند کرنے کی سعی بلیغ کرنی چاہیے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح کا اعلان بڑی حد تک ضروری سمجھا ہے، کیونکہ اگر نکاح کا اعلان نہ ہوا، تو اس راستہ سے فتنوں کے سر اٹھانے کا

[1] زاد المعاد - ج ۴ - ص ۲۲ -

اندیشہ کیا جاتا ہے، پہلی بات تو یہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ کھلے طور پر نکاح اور ناجائز تعلقات کے درمیان مابہ الامتیاز کوئی حد ضرور ہونی چاہیے، تاکہ التباس پاس نہ پھٹکنے پائے، اور آدمی ذہنی گمراہی میں مبتلا نہ ہو۔

اوپر اشارہ کر آیا ہوں کہ نکاح کی صحت کی شرط یہ بھی ہے کہ کم از کم دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہوں، جو نکاح کی مجلس میں موجود ہوں، اور ایجاب وقبول اس طرح ہو کہ گواہ سُن سکیں، اور اولیٰ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ آدمی شریک ہوں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف۔	اس نکاح کا اعلان کرو، اور نکاح مسجد میں میں کرو، اور اس پر دف پیٹو (کہ خوب اعلان ہو جائے)
(ترمذی باب ما جاء فی اعلان النکاح)	

مسجد میں نکاح کا ایک بڑا فائدہ اعلان کا حصول بھی ہے، جہاں آزادی کے ساتھ ہر خاص و عام آسکیں کسی کو پہنچنے میں کوئی اعتراض باقی نہ رہے۔ اور دف بجانے کا مقصود اعلان کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا، اسلام میں فضول لہو ولعب کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فصل ما بین الحلال والحرام الصوت والدف فی النکاح (ترمذی باب ما جاء فی اعلان النکاح)	حلال اور حرام میں حد فاصل نکاح کی شہرت اور دف ہے (کہ لوگوں کو خبر ہو)

اعلان کی ضرورت واقعہ یہ ہے اگر نکاح کی شہرت ضروری قرار نہ دی جائے تو پھر لوگ چوری چھپے آشنائی اور ناجائز تعلق کو بھی نکاح کی صف میں لا کر ملا دیں، اور اس طرح ایک چور دروازہ قائم ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ جہاں شادی کا تذکرہ ہے کہ عفت مقصود ہونا چاہیے صرف ہوس رانی نہ ہو۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک میں ایک جملہ لا کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ نکاح اعلان کے ساتھ ہونا چاہیے، ارشادِ ربانی ہے:

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْ اَخْدَانٍ ۔ (المائدہ۔۱) — وہ مرد پارسا ہو، نہ صرف مستی نکالنے والا ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والا۔

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۔ (النساء۔۴) — عورتیں پاکباز ہوں، نہ مستی نکالنے والی ہوں اور نہ چھپی چوری آشنائی کرنے والیں۔

ان آیتوں میں معجزانہ پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے اور اعلان کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔

نکاح کی شہرت بذریعہ دعوت ولیمہ

نکاح کے اعلان کی ایک اور صورت اختیار کی گئی ہے، جس کی دلچسپی اور پاکیزگی کا ہر ایک کو اعتراف کرنا پڑتا ہے، وہ یہ ہے کہ عورت کے پاس شب باشی کے بعد دعوت ولیمہ مستحب ہے۔ حدیثوں میں دعوتِ ولیمہ کی خاص تاکید پائی جاتی ہے۔ خود ذات بابرکت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعوت دی ہے، اور لوگوں کو ولیمہ کا کھانا کھلایا ہے۔ حضرت زینب بنت جحش رضؓ سے جب آپ نے عقد کیا تو بکری ذبح کی گئی اور اس کے گوشت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی دعوتِ ولیمہ کی۔ حضرت صفیہ رضؓ سے شادی کی تو حیس پکوایا، اور لوگوں کو کھلایا۔ حیس ایک خاص طرح کا عربی کھانا ہوتا ہے جو کھجور، پنیر اور گھی ملا کر بنتا ہے۔ حتی کہ بعض ازواجِ مطہرات میں اور کچھ فراہم نہ ہو سکا تو دو مُد جو سے دعوت کی۔[۱]

صحابۂ کرام کو بھی دعوتِ ولیمہ کی تاکید فرمائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کا خود بیان ہے:

قال لی النبی صلی اللّٰہ علیہ اولم ولو بشاۃ — مجھ سے نبی کریم صلعم نے فرمایا دعوت ولیمہ کرو اگو ایک ہی بکری سے ہو۔ (بخاری باب الولیمۃ حق)

بعض لوگوں نے اسی وجہ سے اس دعوت کو واجب کہا ہے، مگر صحیح یہی ہے کہ سنت ہے یا مستحب، جس کو جتنا میسر ہو۔ کچھ لوگوں کو بھی کھلانے کی سعی کرے، یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ قرض لے کر اور سود ادا کر کے روپیہ لے تو بھی ضرور لے اور دعوتِ ولیمہ کرے۔

دعوت ولیمہ کا قبول کرنا

اور پھر غور فرمائیے دعوتِ ولیمہ کا ایک طرف حکم ہے اور دوسری طرف جن

---

[۱] مشکوٰۃ و ابن ماجہ باب الولیمہ۔

لوگوں کو دعوت ملے ان کو حکم نبوی ؐ ہے کہ ضرور دعوتِ ولیمہ میں شریک ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

اذا دعی احدکم الی ولیمۃ عرس فلیجب — شادی میں جب کسی کو دعوت ولیمہ دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہیے۔ (ابن ماجہ باب اجابۃ الداعی)

مفلس کو بھی دعوت دی جائے پھر تاکید نبوی ؐ ہے کہ دعوت ایسی نہ ہونی چاہیے کہ مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے، بلکہ بھوکوں اور غریبوں کو بھی بلایا جائے، ارشادِ نبوی ؐ ہے۔

شر الطعام طعام الولیمۃ یدعی الاغنیاء ویترك الفقراء (متفق علیہ مشکوٰۃ باب الولیمہ) — بدترین کھانا، ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس میں مالدار بلائے جائیں اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔

اسی حدیث میں ہے :-

من ترك الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب الولیمہ) — جس نے دعوت ولیمہ میں دعوت کے باوجود شرکت نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

ان حدیثوں کو سامنے رکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس دعوت کی کتنی اہمیت ہے، اس میں اظہارِ خوشی کے ساتھ ساتھ ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ نکاح کی خوب شہرت ہوتی ہے اور کسی کو شک وشبہ کا موقع نہیں ملتا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعلان وشہرت کا بڑی حد تک مقصد یہی ہے کہ عفت وعصمت کی پوری طرح حفاظت عمل میں آئے، اور کوئی اس راستہ سے ناجائز طور پر عفت وعصمت کی مٹی پلید کرنے نہ پائے، اور نہ نکاح کا نام لے کر کوئی بدنیت کوئی دوسری کارروائی کر سکے، اور ساتھ ہی جائز نکاح کے سلسلہ میں کسی کے دل میں شکوک وشبہات نہ رہ جائیں۔

جائز لطف اندوزی کی آزادی

شادی ہو جانے کے بعد اسلام نے اس کا پورا موقع دیا ہے کہ شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے

دستور کے مطابق پوری طرح متمتع ہوں، اس سلسلہ میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ بھی باقی رکھی نہیں گئی ہے اور نہ دوسروں کی رکاوٹ برداشت کی گئی ہے، باہمی لطف اندوزی میں دن رات کی کوئی قید نہیں۔ جاڑا، گرمی کا کوئی سوال نہیں، بہار و خزاں کی کوئی شرط نہیں، برسات اور غیر برسات کی کوئی بات نہیں، اور نہ کسی غیر شرعی مداخلت کی گنجائش ہے۔

صرف سال کے کچھ حصوں میں ممانعت

پورے سال میں ایک مہینہ رمضان کا آتا ہے جس میں روزہ دونوں پر فرض ہے اور حالتِ روزہ میں مقاربت کی اجازت نہیں ہے، پھر بھی باہم گفتگو اور دلچسپی کی باتوں کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ بہر حال ممانعت کا تعلق صرف روزے کی حد تک ہے، افطار کے بعد، اور ان وقتوں کے علاوہ جیسا کہ معلوم ہے رمضان میں بھی آزادی عطا کی گئی، خود قرآن ہی میں صراحۃً فرمادیا گیا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ۔ ۲۳)

روزوں کی راتوں میں تمہارے لیے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کردیا گیا ہے، وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔

اس آیت میں رمضان کی رات کا نام لیا گیا ہے، ایک دوسری آیت میں تذکرہ ہے کہ غروبِ آفتاب کے بعد سے میاں بیوی سے اور بیوی میاں سے ہر طرح لطف اندوز ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جس طرح کھانے پینے کی عام اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (بقرہ ۲۳)

سو تم ان سے تو ملو، اور جو تمہارے لیے تجویز کر دیا ہے اس کا سامان کرو اور کھاؤ پیو، اس وقت تک کہ تم کو سفید خطِ صبح کا ممتیز ہو جائے سیاہ خط سے۔

رمضان کے علاوہ دوسرے کسی بھی روزہ میں عورت کو حکم ہے کہ بغیر شوہر کی اجازت حاصل کیے روزہ ہی نہ رکھے کہ کس وقت اس کو ضرورت آپڑتی ہو۔

حیض و نفاس

دو موقعے اور ہیں جن میں عورت قدرتی گندگی میں مبتلا رہتی ہے، ایک حیض کا وقت ہے،

جو خون غیر حاملہ کو تقریباً ہر مہینہ آیا کرتا ہے جس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے ، اور کم سے کم تین دن ، دوسرا نفاس کا زمانہ ہے کہ عورت کو جب ولادت ہوتی ہے اس کے بعد مسلسل کئی ہفتے اُس کو خون آتا رہتا ہے ، اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس یوم ہے اور کم کے لیے کوئی خاص مدت متعین نہیں ہے ۔ اباحیہ کے ان دنوں میں بھی مقاربت سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے ، کیونکہ عرض کیا جا چکا کہ یہ گندگی کا زمانہ ہوتا ہے ، طبعاً ایسے وقت میں عورت کے پاس جانے سے نفرت ہوتی ہے ، دوسرے مہلک امراض کے پیدا ہونے کا بھی خطرہ رہتا ہے ، قرآن پاک نے اس کا تذکرہ کیا ہے ،

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ (بقرہ - ۲۸)

لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں ، آپ فرما دیجیے وہ گندی چیز ہے پس تم حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو ، اور ان سے قربت نہ کیا کرو ، جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ، پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں ، تو ان کے پاس آؤ جاؤ ، جس جگہ سے تم کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے ۔

اس حیض و نفاس کے بعد پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے ، ان چند دنوں میں عورتیں آرام کر کے تازہ دم ہو جاتی ہیں اور حیض کے بعد ان میں حمل کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے ۔

ان مواقع کے علاوہ اگر کوئی شرعی قباحت پیش نہیں آ گئی ہے ، تو ہر وقت زن و شوہر باہم مل سکتے ہیں اور تسکینِ نفس حاصل کر سکتے ہیں ، اس سے زیادہ آزادی اس باب میں اور کیا مل سکتی ہے ۔

عورتوں سے تمتع کا بلیغ بیان قرآن پاک نے زن و شو کے باہمی تعلقات کے لیے جو عنوان اختیار کیا ہے ، وہ بڑا ہی بلیغ ہے ، اور دونوں کے باہمی داعیاتِ فطرت کی تکمیل کے لیے جو طرزِ تعبیر مقرر کیا ہے وہ بہت ہی مہذب اور پاکیزہ ہے ، ابھی اوپر کی آیت میں یہ حصہ گذر چکا ۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ ۲۳) وہ (عورتیں) تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو

اس آیت میں ہر ایک کو دوسرے کے لیے پوشاک قرار دیا گیا ہے ۔ عورت مرد کی عفت و عصمت کی حفاظت کرتی ہے اور مرد عورت کے ناموس کو بربادی سے بچاتا ہے ۔ اسی طرح عورت مرد کے لیے

زینت ہو اور مرد عورت کے لیے۔ لباس کو جب جی چاہتا ہے آدمی زیب تن کرلیتا ہے۔ یہی حال زن و شو کا ہے کہ ہر ایک دوسرے سے جس وقت چاہیں مل سکتے ہیں، اس میں محبت و یگانگت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے جو ازدواجی تعلق کی جان ہے "لباس" کے لفظ میں یہ ساری باتیں مندرج ہیں، ایک دوسری آیت میں عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے ارشاد ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ۔ (بقرہ-۲۸) — تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیت ہیں، سو اپنے کھیت ہیں جس طرف سے ہو کر چاہو، آؤ۔

لواطت کی حرمت عورت مرد کے لیے بمنزلہ کھیتی کے ہے، اس کھیتی سے مرد کو متمتع ہونے کا حق ہے، اسی لیے عورت سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی باپ ہی کی کہی جاتی ہے۔ اس آیت میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ مقاربت میں کسی خاص شکل یا ہیئت کی پابندی ضروری نہیں ہے، البتہ "حرث" یعنی کھیتی کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ پیداواری کی حدود تک یہ حکم محدود ہے۔ اسی وجہ سے لواطت حرام ہے کیونکہ یہ تو انسانی تخم کی بربادی ہے نہ کہ اس کی کاشت مذکورہ بالا آیت سے بعضوں کو غلط فہمی ہوئی ہے، اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے "حرث" ہی کا لفظ کافی ہے، ماسوا اس کے صحیح حدیثوں میں گزر چکا کہ غیر فطری استعمال خواہ بیوی ہی کے ساتھ ہو قطعی حرام ہے۔ قرآن نے ایک دوسری جگہ اس کی صراحت کی ہے کہ عورت کے آگے میں ہی آنا چاہیے۔

فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ۔ (بقرہ - ۲۸) — تم ان کے پاس آؤ جاؤ، جس جگہ سے تم کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔

اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ حکم صرف مقام کاشت میں ہے، اس حصہ میں نہیں جو حیوان میں بھی پایا نہیں جاتا، اور جس کی وجہ سے آدمی انسانیت کو پامال کرتا ہوا بہائم سے بھی نیچے گر جائے، بھلا اس کو اسلام کیسے جائز رکھ سکتا ہے، حدیث میں کھلے طور پر اس سے روکا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اتی حائضا او امرأۃ فی دبرھا او کاھنا — جو شخص حائضہ کے پاس آئے یا کسی عورت سے لواطت

فقد کفر بما انزل علی محمد رواہ الترمذی — کرے، یا کسی کاہن کے پاس آئے اس نے دین محمد صلعم کا انکار کردیا۔ (مشکوٰۃ ص۳۸)

لاینظر اللہ تعالیٰ الی رجل اتی رجلا او امرأۃ فی الدبر (ترمذی ج ا ص ۱۳۸) — جو شخص کسی مرد سے اغلام کرے یا کسی عورت سے لواطت کرے اللہ اس کی طرف نظر اٹھاکر نہ دیکھیگا۔

من اتی النساء فی اعجازھن فقد کفر رواہ الطبرانی فی الاوسط و رواتہ ثقات (مفتاح الخطابۃ۔ ص ۲۱۰) — جن لوگوں نے عورتوں سے لواطت کی وہ کافر ہوگئے۔

اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں کا ذکر آگے اپنے محل پر کیا جائیگا۔

محبت اور پیار میاں بیوی کے تعلقات کو قرآن نے محبت اور پیار کی زندگی سے تعبیر کیا ہے، اور سکون و طمانیت کی زندگی بتایا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی اہم نشانیوں میں زن و شو کے تعلق کو ایک اہم نشانی قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم - ۳) — اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری قسم سے جوڑا پیدا کیا تاکہ تم ان کے پاس چین حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان پیار اور مہربانی رکھی۔

ایک دوسری آیت اور ہے جس میں اس ملی جلی پرسکون زندگی کا نقشہ کھینچا ہے، رب العزت کا فرمان ہے

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا (الاعراف - ۲۴) — وہی ذات ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ تاکہ وہ اس سے چین حاصل کرے۔

یہ اور اس طرح کی دوسری آیتیں ہیں جو زن و شوئی تعلقات کو عمدہ پیرایہ میں بتاتی ہیں، اور انسان کی رہنمائی کرتی ہیں کہ انسان ان پاک طریقوں سے اپنی جنسی خواہشوں کی تسکین حاصل کرے اور روحانی بے چینی کا مداوا تلاش کرے، اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو جوڑا پیدا کیا کہ تنہائی کی بے چینی میں دوسرا غمگسار بنے، اور اس طرح دونوں مطمئن زندگی گزار سکیں۔

بیوی بچوں کی محبت اور اس پر تنبیہ بیوی بچے انسان کو طبعاً اتنے محبوب ہوتے ہیں کہ انسان کبھی ان میں الجھ کر

خدائی فرمان بھول جاتا ہے، لذت و مسرت اور کیف وانبساط کی خوشگوار زندگی میں محو ہو جاتا ہے، اور یہ دولت و راحت جس مالک نے عطا کی اس کی یاد سے غفلت طاری ہو جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو تنبیہ فرمائی اور آگاہ کیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ	اے ایمان والو تمہاری بعض جورؤں میں اور اولاد تمہارے
اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ	دشمن ہیں، سو ان سے بچتے رہو، اور اگر معاف کرو اور
تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ	درگزرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
رَّحِيْمٌ ۔ (تغابن - ۲)	

اس آیت کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"بہت مرتبہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے، ان تعلقات کے پیچھے کتنی برائیوں کا ارتکاب کرتا اور کتنی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے، بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضا جوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتیں۔ اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، ظاہر ہے جو اہل و عیال اتنے خسارہ اور نقصان کا سبب بنیں، وہ حقیقۃً دوست نہیں کہلا سکتے، بلکہ بدترین دشمن ہیں، جن کی دشمنی کا احساس بھی بسا اوقات انسان کو نہیں ہوتا، اس لیے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو، اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو جس کا نتیجہ ان کی دنیا سنوارنے کی خاطر اپنا دین برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں سب بیویاں اور ساری اولاد اسی قماش کی ہوتی ہیں۔ بہت اللہ کی بندیاں ہیں، جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتیں اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں، اور کتنی ہی سعادتمند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لیے باقیات صالحات بنتی ہے۔"[1]

[1] تفسیر موضح فرقان برحاشیہ قرآن پاک مترجم شیخ الہندؒ ص ۷۲۲۔

شوہر کے فرائض و اختیارات

اس جائز لطف اندوزی کے برقرار رہنے اور رشتۂ ازدواج کی استواری کے لیے اسلام نے کچھ حقوق اور احکام بیان کیے ہیں، اور اُن کے اوپر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی ہے، یہ ایک مسلم بات ہے کہ دو اجنبی جو نکاح کے رشتہ سے مل رہے ہیں، الگ الگ دل و دماغ اور فکر و عمل رکھتے ہیں، بسا اوقات دونوں کی طرزِ معاشرت میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں فرق ہوتا ہے، اس لیے دونوں میں کلی موافقت پہلی ملاقات ہی میں ہو جانا ایک بعید از قیاس بات ہے۔ پھر عورت و مرد کے دماغی توازن میں یکسانیت بھی غیر ممکن ہے، دونوں کی فطرت میں بھی قدرت نے کچھ خاص عادات و اخلاق مرکوز رکھے ہیں، ان ساری باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر اسلام نے مرد کو عورت کے تعلقات کے سلسلہ میں کچھ ضروری ہدایتیں دی ہیں اور کچھ اختیارات سپرد کیے ہیں، اور اسی طرح عورتوں کے بھی کچھ فرائض و اختیارات ہیں، یہاں پہلے "شوہر کے فرائض و اختیارات کا اجمالی بیان ہوگا۔

صبر و تحمل زندگی میں یہ کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں کہ میاں بیوی میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ اس سلسلہ میں شیطان کو بہکانے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے، اور اس سے "عفت و عصمت" کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، پھر اس وقت اور بھی جبکہ عورتیں نازک طبع، تند خو اور تلون مزاج ہوتی ہیں اس لیے اسلام میں ان حقائق و واقعات سے چشم پوشی اختیار نہیں کی گئی ہے، عورتوں کی فطری کمزوریوں کو پیشِ نظر رکھ کر مردوں کو اس سلسلہ میں مفید ہدایتیں دی گئی ہیں، تاکہ زن و شو کی باہمی زندگی میں ناخوشگواری نہ آنے پائے، اور اگر عورتوں کے کسی قول و فعل سے ان کو اذیت پہنچے تو ایسے موقع پر صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:-

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ	اور ان عورتوں کے ساتھ حسن و خوبی سے گذر بسر کرو۔ اور اگر
فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ	تم کو وہ ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز ناپسند کرو اور
خَيْرًا كَثِيرًا۔ (النساء - ۳)	اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

اس آیت میں ایک جامع ہدایتِ ربانی ہے کہ مردوں کو اگر ان کی بیویاں ناپسند ہوں اور طبیعت کے تقاضے کے خلاف معلوم ہوں، تو ایسے وقت جذبات کی جگہ عقل سے کام لینا چاہیے، اور ناگواری کو برداشت کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ کوئی تعجب بات نہیں ہے کہ انسان کو اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے ایک چیز ناپسند ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں کوئی منفعت مضمر ہو، جو اس کے لیے دین و دنیا دونوں میں موجبِ خیر و برکت ہو، اور سب سے اہم حکیمانہ نکتہ وہ ہے جس کی طرف اس ارشادِ نبوی میں اشارہ کیا گیا ہے:-

لا یفرک مومن مومنۃ ان کرہ منھا خلقا رضی منھا اخر (مسلم باب الوصیۃ بالنساء)

کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کو اس لیے مبغوض نہ رکھے کہ اس کی کوئی عادت ناگوار خاطر ہے، اس لیے کہ اگر ایک عادت ناپسند ہو اس کی کوئی دوسری عادت پسندیدہ ہوگی۔

اور یہی واقعہ ہے، برے پہلوؤں کے ساتھ بھلائی کے پہلو بھی عموماً عورت میں پائے جاتے ہیں، پس چاہیے کہ برائیوں کی تلافی بھلائی کے پہلوؤں سے آدمی کرتا رہے۔

سرورِ کائنات کی وصیت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی طبعی و فطری کمزوری کی نشان دہی فرماتے ہوئے مردوں کو ہدایت فرمائی:

استوصوا بالنساء خیرا فانھن خلقن من ضلع وانہ اعوج شیئ فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء (بخاری باب الوصاۃ بالنساء)

تم وصیت قبول کرو کہ عورتوں سے بھلائی کرو، کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر والا ہے، لہٰذا تم اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ کے لیے کجی رہ جائیگی، اس لیے عورتوں کے متعلق نصیحت قبول کرو۔

اس حدیث میں بتایا گیا، کہ ٹیڑھا پن عورتوں کی سرشت میں داخل ہے، اس سے جدا نہیں ہو سکتی، ہاں اس کی ضروری حد تک اصلاح ہو سکتی ہے، اور وہ بھی رفق و ملاطفت سے، اس لیے اس کی تو کوشش ہی نہ کی جائے کہ وہ بالکل سیدھی ہو جائے، اور ہر چیز اور ہر کام میں مرد کی موافقت کرے، کیونکہ دونوں کی طبیعت

دو طرح کی پیدا کی گئی ہے، اگر کسی نے غلط فہمی سے ایسی سعی کی تو اطمینان کے بجائے بلا ہی سامنے آئیگی، ہاں اس سے غافل بھی نہ ہونا چاہیے، کہ عورت اپنی من مانی کارروائی پر اتر آئے، کیونکہ میاں بیوی کے درمیان جو تعلقات ہیں وہ بہت گہرے ہیں۔ گھر کا سارا نظام دونوں کی مصالحت اور اتحادِ عمل میں مضمر ہے، عورت زندگی کی ساتھی ہے، اس سے ایک منٹ کے لیے ہم بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اگر باہر کا سارا نظام مرد درست رکھتا ہے تو گھر کا سارا اندرونی نظام عورت کے ہاتھ میں ہے۔ گھر میں کھانے پینے کا نظم، بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت اور اس طرح کی دوسری تمام چیزیں عورت سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میاں بیوی میں یگانگت اور موافقت نہ ہو، اور زندگی کی گاڑی تیز رفتاری سے رواں دواں ہو جس نے کہا سچ کہا کہ "مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے لیے دو پہیے ہیں" بغیر ان دونوں کی دوستی اور اتحادِ عمل کے یہ گاڑی نہیں چل سکتی۔

اوپر والی حدیث کے سلسلہ میں صاحب فتح الباری نے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں تھیں اور چونکہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے اس لیے آپ کو اس کی خبر نہ ہوئی۔

رفق وملاطفت حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بخاری نے اس باب کے بعد یہ باب باندھا ہے باب قولہ قوا انفسکم واھلیکم نارا جس کا منشا یہ ہے کہ عورتوں کو ان کی حالت پر چھوڑنا نہ چاہیے، بلکہ نرمی سے بتدریج اصلاح کی سعی پیہم کرنی چاہیے کہ مرد پر اس قدر اصلاح کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، نیز حدیث مذکور میں اس طرف راہ نمائی کی گئی ہے کہ عورتوں کے ساتھ مدارات اور ملاطفت کا برتاؤ ناگزیر ہے جو دلوں میں محبت والفت کے رسوخ کا باعث ہو۔ پھر ساتھ ہی یہ تدبیر بھی ہے کہ عورتوں کی بہت سی باتوں سے عفو و درگزر کی جائے، اور ان کی بدخلقی پر صبر و تحمل سے کام لیا جائے بات سمجھنے کی یہ ہے کہ عورت میں جب خلقۃً کجی ہے تو اس کا بالکلیہ استیصال کیسے ممکن ہے، ہاں محبت اور نرمی سے اس کی اصلاح بقدر ضرورت ہو سکتی ہے، جس میں کوئی اشکال نہیں، نرمی اور محبت سے سمجھانے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کو اپنا پورا اعتماد دے کر بتایا جائے کہ تم اپنے مقام کو

پہچانو، تمہاری ذراسی لغزش سے کتنے فتنے اُٹھ سکتے ہیں۔ اس بات سے تمہارے خاندانی وقار کو بھی ٹھیس لگیگی اور تمہارے پیارے شوہر کے لیے بھی یہ ضرر رساں ثابت ہوگی، اگر بیوی دیندار اور غیرت مند ہے تو یہی پہلو اختیار کیا جائے، الغرض عورت کے مزاج کا لحاظ بہر حال ضروری ہے

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو تحمل کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

المرأة کالضلع ان اقمتھا کسرتھا وان استمتعت بھا وفیھا عوج۔ (بخاری باب المداراة بالنساء)

عورت پسلی کی ہڈی کی طرح ٹیڑھی ہے۔ اگر اس کو سیدھا کروگے تو توڑ ڈالوگے اور اگر فائدہ اُٹھانا چاہوگے تو اس کی کجی کے ساتھ فائدہ اُٹھا سکوگے۔

اس سے واضح روایت مسلم شریف کی ہے، ارشاد نبوی ہے۔

ان المرأة خلقت من ضلع لن تستقیم علیٰ طریقة فان استمتعت بھا وبھا عوج و ذھبت تقیمھا کسرتھا وکسرھا طلاقھا (مسلم باب الوصیة بالنساء)

عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، بالکل سیدھی ہرگز نہ ہوگی۔ اس سے فائدے کے حصول کی خواہش ہو تو اس کی کجی کے ساتھ فائدہ حاصل کرسکتے ہو، اور اگر بالکل سیدھا کرنا چاہوگے تو توڑ ڈالوگے اور اس کو توڑنا اس کو طلاق دینا ہے

عورت کی تلون مزاجی تجربات کی دنیا میں ان حدیثوں کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہ آئیگی، ہم اپنی زندگی میں رات دن دیکھتے ہیں کہ عموماً عورتیں ضدی، اپنی بات پر اڑ جانے والی اور درشت خو ہوتی ہیں پھر ان کو کسی ایک حالت پر قرار نہیں، خوش رہیں تو سراپا امتنان و تشکر، اور اگر خفا ہو جائیں تو ناشکری کی انتہائی سرحد سے بھی پار ہو جائیں۔ سورج گرہن والی حدیث میں عورتوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول موجود ہے:

یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان لو احسنت الیٰ احداھن الدھر ثم رأت منك شیئاً قالت ما رأیت منك خیراً قط (بخاری باب کفران العشیر)

عورتیں شوہروں کی ناشکر گزار ہوتی ہیں، اور ان کے احسان کی منکر، تم اگر ان کے ساتھ زندگی بھر احسان کرو، پھر اگر کوئی بات تمہاری طرف سے ان کے خلاف طبیعت ہو گئی تو

بول اُٹھینگی کہ میں نے کبھی بھی تم سے کوئی بہتری نہیں دیکھی۔

مرد ایک ایک بات پر اگر دارو گیر شروع کر دے، تو نباہ مشکل ہو جائے۔ مرد میں نسبتاً ضبط و تحمل کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ اگر کوئی باہمی زندگی میں نازک موقعہ آجائے تو صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دے۔ عورت اس معاملہ میں کمزور ہے۔

جدید تحقیقات اور عورت فرید وجدی آفندی نے "المرأة المسلمة" نامی کتاب میں عورت کے مزاج کے متعلق کافی بحث کی ہے، مولانا آزاد مدظلہ نے اس کتاب کا ترجمہ اور تلخیص کی ہے جس کا نام "مسلمان عورت" ہے۔ اس کتاب میں ایک جگہ فرید وجدی نے انیسویں صدی کی انسائیکلو پیڈیا کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

"درحقیقت عورت کی جسمانی ترکیب قریب قریب بچے کی جسمانی ترکیب کے واقع ہوئی ہے، اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ بچے کی طرح عورت کا بھی حاسہ ہر قسم کے اثر سے بہت جلد اور بہت متاثر ہو جاتا ہے، بچے کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی رنج اور افسوس کا واقعہ پیش آئے تو فوراً رونے لگتا ہے۔ اور اگر کوئی خوشی کی بات ہو تو بے اختیار ہو کر اچھلنے کودنے لگتا ہے، قریب قریب یہی حال عورتوں کا ہے کہ بہ نسبت مرد کے بہت زیادہ اس قسم کے جذبات سے متاثر ہوتی ہیں، کیونکہ یہ مؤثرات اس کے تصور پر اس طرح اثر ڈالتے ہیں کہ عقل کا ان سے لگاؤ نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ ان میں استقلال نہیں ہوتا اور اسی لیے سخت اور خوفناک موقعوں پر عورت ثابت قدم نہیں رہ سکتی"[1]

عورت کے عضلات عورت اپنی قوت میں بھی مرد کے مقابل نہیں ہے، صبر و تحمل کا مادہ اس میں فطرۃً کم ہے، کیونکہ ضبط اور برداشت کی قوت کا دارومدار عضلات کی طاقت پر ہے اور عورت کے عضلات نسبتہً کمزور ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ِدوفارینی النسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے:۔

"مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے اس

---

[1] مسلمان عورت ص ۳۶۔

درجہ مختلف ہیں، اور حجم اور قوت کے لحاظ سے اول الذکر (عورت) کے عضلات اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی طبعی قوت کے تین حصے کیے جائیں، تو دو حصے قوت مرد کے حصہ میں آئیگی، اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہوگی، عضلات کی حرکت کی سرعت اور ضبط کا بھی یہی حال ہے۔ مرد کے عضلات جیسی عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں[۵]۔"

عورت میں خوبیاں مگر ان کمزوریوں کے ساتھ عورت میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں جو مرد کو بہت بھاتی ہیں اور جن سے مرد کو قلبی سکون واطمینان میسر ہوتا ہے، اس لیے عورت کی ایک پہلو کی کمزوری کو سامنے رکھ کر اس کو مطعون نہیں کرنا چاہیے۔

تجربات کی دنیا میں لسے ماننا پڑیگا کہ عورتیں عموماً جفاکش، قناعت پسند، شوہر پر جان چھڑکنے والی، بچوں کی پرورش پر نثار، گھریلو معاملات کی بہتر منتظم، اور وفا و اخلاص کی پیکر ہوتی ہیں، کہا جاسکتا ہے کہ کمزوری سے زیادہ پہلو خیر اور بھلائی کے عورت میں پائے جاتے ہیں۔

عورت کی محنت وجفاکشی کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے، جب گردش زمانہ کی وجہ سے مصائب کا ہجوم ہوتا ہے اور اس کا شوہر کسی وجہ سے مصیبت و تکلیف میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ جدید تحقیق نے بھی اس کو ثابت کردیا ہے۔ علامہ لومبروز لکھتے ہیں:

"حمل اور وضع حمل کی شدید تکلیف پر نظر کرو اور دیکھو کہ عورت دنیا میں کیسے کیسے آلام اور مصائب کی متحمل ہوسکتی ہے، اگر مرد کی طرح اس کا احساس قوی ہوتا تو ان تمام سختیوں کی کیونکر متحمل ہوسکتی۔ درحقیقت نوع انسانی کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ قدرت نے اس کو قوی احساس سے محروم رکھا ہے، ورنہ بنی نوع انسان کے نازک اور تکلیف دہ فرائض کی انجام دہی ایک غیر ممکن بات ہوجاتی"۔[۲]

عہ ہڈی سے عورت کی پیدائش میں شاید اس کی جفاکشی کی طرف بھی اشارہ ہو، نیز حسن وجمال میں مرد سے برتری شاید اسی لیے حاصل ہوئی کہ مرد حماً مسنون، صلصال کالفخار سے پیدا ہوا ہے اور عورت ایک سفید چمکدار چیز سے بنی ۱۲۔

[۱] مسلمان عورت ص۳۷ [۲] ایضاً۔ ص ۴۰۔

بلاشبہ یہ صنفِ نازک ہیں، ان کے دل چھوٹے اور نازک ہوتے ہیں، عشوہ و ادا ان کی فطرت ہے، بات بات پر ہنسنے اور خوش ہونے والی بھی ہے، اور ذرا سی خلافِ طبیعت بات پر چراغ پا ہو نا بھی جانتی ہے۔ اس لیے مرد کو عورت کی مجموعی حیثیت کا پاس کرتے ہوئے کوئی برتاؤ کرنا چاہیے، قرآن پاک میں طلاق دینے کا جہاں تذکرہ کیا گیا ہے، وہاں مردوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ عورتوں پر ظلم و تعدی نہ ہونے پائے۔

ظلم و تعدی کی ممانعت پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے:

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ (بقرہ۔۲۹)

اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو اس ارادے سے کہ ان پر ظلم کیا کروگے جو شخص ایسا کریگا سو وہ اپنا ہی نقصان کریگا، اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو لعب مت سمجھو۔

یوں تو یہ آیت طلاق کے سلسلہ ہی میں ظلم و تعدی کی روک تھام کے لیے اُتری، مگر غور کیا جائے تو اس معجزانہ بیان میں بڑی جامعیت ہے اور عورت کے حالات پر رب العزت نے ترس کھایا ہے، اور مردوں کو زیادتی سے روکا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی تلون مزاجی کو سامنے رکھ کر ارشاد فرمایا:-

لا یجلد احدکم امرأتہ جلد العبد ثم یجامعھا فی الیوم الآخر

(بخاری باب مایکرہ من ضرب النساء)

تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اس طرح نہ پیٹنے لگے جس طرح غلام کو پیٹا جاتا ہے، اور پھر دوسرے دن جنسی میلان کی تکمیل کے لیے اس کے پاس پہنچے۔

عورت میں ہیجان عورت اس لیے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ اسے پیٹا جائے، ہاں اس کی خام عقلی اور ضدی طبیعت کے پیشِ نظر اسلام نے ضرورتاً خاص حالات میں معمولی تنبیہ کی اجازت دی ہے اور اس کا موقعہ بھی بہت بعد کو رکھا ہے، یہ بھی غالباً اس لیے کہ نظامِ حیات میں برہمی نہ آنے پائے اور عورت کی عفت و عصمت محفوظ رہ سکے، تجربہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے مزاج میں ہیجان

کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، عورت طبعاً زود رنج واقع ہوئی ہے، اور مرد میں عقل وفہم زیادہ ہے، اس لیے یہ ضبط وتحمل پر قابو رکھتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا میں دو فارینی فرماتے ہیں:

"یہ اختلاف ان دونوں کے ظاہری ممیزات سے بالکل مطابق ہے، مرد میں ذکاوفہم اور ادراک کا مادہ زیادہ ہے، اور عورت میں انفعال اور ہیجان کا جذبہ بڑھا ہوا ہے۔"[1]

ایک ماہر انگریز تروسیہ کا قول ہے:

"عورت کے عصبی ضعف کا یہ نتیجہ ہے کہ تم اس کے مزاج میں مرد کی نسبت ہیجان زیادہ پاتے ہو"[2]

زدوکوب کی ممانعت عورت کی مار پیٹ سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر اور روکا ہے، ارشادِ نبوی ہے۔

لا تضربك ظعينتك ضربك امتك — اپنی شریک حیات کو لونڈی کی طرح ہرگز نہ پیٹو

(مشکوٰۃ ص ۲۸۲ - عن ابی داؤد)

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بیویوں کے حقوق ہم پر کیا ہیں، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

ان تطعمها اذا طعمت وتكسوها اذا اكتسبت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا في البيت رواہ ابوداؤد — تم جب کھاؤ اس کو کھلاؤ اور تم جب پہنو اس کو پہناؤ، نہ اس کے چہرہ پر مارو اور نہ برا بھلا کہو، اور نہ جدائی اختیار کرو اس کا موقع بھی آئے تو یہ گھر ہی میں ہو۔

(مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء)

یہ ساری تاکید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے فرما رہے ہیں کہ بعض موقعوں پر مردوں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ بعض خاص حالات میں عورتوں کو تنبیہ کی جا سکتی ہے، ایسا نہ ہو کہ مرد اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کریں اور عورتوں کو ستانے اور اذیت دینے لگیں یا اس کو حقارت کی

---

[1] مسلمان عورت ص ۵۰ [2] ایضاً ص ۵۰

نگاہ سے دیکھیں اور غریب عورت کی زندگی بے کیف بنا ڈالیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے ساتھ جو برتاؤ اور حسنِ سلوک کرکے دکھایا، عبرت کے اسباق سے وہ معمور ہے، نازک ترین مواقع میں بھی جسمانی اذیت پہنچانے کا خیال بھی شاید نہیں کیا گیا۔

سرزنش کی اجازت اور اس کا مطلب

حالانکہ قرآن پاک میں "جسمانی اذیت" تک کی اجازت خاص حالات میں دی گئی ہے، یعنی ارشاد ہوا ہے :۔

وَاللّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا۔ (النساء۔ ۶)	ایسی عورتیں جن کی بد دماغی کا تم کو احتمال ہو، ان کو زبانی نصیحت کرو، اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت تلاش کرو۔

لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ بتا رہا ہے کہ عملی طور پر اس اجازت سے مجبوریوں کے خاص حالات ہی میں فائدہ اٹھا جا سکتا ہے۔ بہرحال قرآن میں جو کچھ فرمایا گیا، اس کا مطلب ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کی صورت میں پہلا درجہ یہ ہے کہ مرد عورت کو زبان سے سمجھائے اور منا لینے کی کوشش کرے۔ دوسرا درجہ یعنی زبانی فہمائش بے اثر ہو کر رہ جائے، تب حکم دیا گیا ہے کہ اپنی خواب گاہ میں عورت کے ساتھ سونا چھوڑ دے، اور علیحدگی کی یہ شکل بھی جب ناکام ہو جائے تب فاضربوھن کی اجازت سے چاہے تو مرد فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن اس ضرب یا مار کی نوعیت کیا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حد بندی کرتے ہوئے فرمایا ہے :۔

واضربوھن ضربا غیر مبرح (المختصر من المختصر ج۱ ص۱۹۲) ان (عورتوں) کو مارو اس طرح کہ جلد نہ کھلے۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ معمولی سرزنش (چاہیے گوشمالی کہہ لیجیے) سے آگے نہ بڑھنا چاہیے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں عورتوں کے متعلق ارشاداتِ نبوی ؐ

حجۃ الوداع کا مشہور تاریخی خطبہ جہاں دوسرے اہم حقائق کا حامل ہے، ان ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا :۔

الا استوصوا بالنساء خیرًا فانما ھن	سنو! عورتوں کے متعلق بھلائی کا تاکیدی حکم قبول کرو
عوان عندکم لیس تملکون منھن	کیونکہ وہ تمہارے یہاں بطور قیدی ہیں، اس کے سوا
شیئًا غیر ذلک، الا ان یاتین بفاحشۃ	تم ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو، اگر وہ کھلی ہوئی
مبینۃ فان فعلن فاھجروھن فی المضاجع	نافرمانی پر اتر آئیں تو ان کو بستر پر تنہا چھوڑ دو، اور
واضربوھن ضربًا غیر مبرح فان اطعنکم	معمولی تنبیہ کرو۔ اطاعت کرلیں تو پھر زیادتی کی
فلا تبغوا علیھن سبیلا الا ان لکم	ضرورت نہیں۔ سنو تمہاری عورتوں پر تمہارے
علی نسائکم حقا ولنسائکم علیکم حقا	حقوق ہیں اور اسی طرح تمہاری عورتوں کے تم پر،
فحقکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم من	تمہارے حقوق میں سے یہ ہے کہ وہ ان کو تمہارے
تکرھون ولا یاذن فی بیوتکم لمن تکرھون	بستر پر بیٹھنے نہ دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے
الا وحقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی	گھروں میں ان کو نہ بلائیں جن کا آنا تمہیں پسند نہیں
کسوتھن وطعامھن۔	اور تم پر حق یہ ہے کہ تم ان کے کپڑا دینے اور کھانا دینے
(ترمذی باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا)	میں احسان کرو۔

سچ تو یہ ہے کہ ضرب جس کی اجازت قرآن میں دی گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا معلوم ہوتا ہے کہ "فاحشہ مبینہ" ہی کی حد تک اس اجازت کو محدود رکھا جائے، ماسوا اس کے خطبۂ نبویہ کے مذکورہ بالا قطعہ کا ایک ایک فقرہ "زن و شو" کے باہمی تعلقات کے متعلق بصیرتوں کی دنیا اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

غور کیجیے اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے متعلق جو ہدایتیں دی ہیں، پہلی بات تو یہی ہے کہ خانگی زندگی کے نظام میں مرکزیت پیدا کرنے کے لیے مردوں کو عورتوں پر برتری عطا کی گئی آخر دونوں کی حیثیت اگر برابر ہوگی تو اقتداری مساوات کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ عائلی زندگی کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ جائے۔ دو بادشاہ ایک اقلیم میں نہیں رہ سکتے۔ اس کے بعد وہی بات یعنی "فاحشہ مبینہ" کی صورت میں فہمائش، ترک خوابگاہ کے

بعد ضرب غیر مبرح (یعنی گوشمالی اور سرزنش) کی اجازت دی گئی ہے، اور پھر دونوں کے حقوق کا بیان ہے، اس میں مرد کو ہدایت ہے کہ پوشاک و خوراک میں حسنِ سلوک سے پیش آؤ، قوام بن جانے سے دھوکہ نہ کھاؤ کہ جو جی میں آجائے کر بیٹھو، بلکہ عورتوں کی فطری ضرورتوں اور دلچسپیوں کا خیال رکھو، کھانے پینے اور لباس میں ان کے شوق کو پورا کرو، کیونکہ اس باب میں عورتیں تمہاری محتاج ہیں۔

اصول ہے کہ جس شعبۂ زندگی میں آدمی دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اس میں اگر اس کے ذوق کی آسودگی نہیں ہوتی تو اس کو دلی آزردگی ہوتی ہے، اور اس کے نازک قلب کو ٹھیس لگتی ہے۔

جاہلیت میں عرب کا یہ جاہلی دستور تھا کہ غیر محرم مردوں اور عورتوں کے میل جول اور بات چیت میں کسی قسم کا کوئی مضائقہ لوگ محسوس نہیں کرتے تھے، جیسا کہ آج کل بھی یورپ کی جدید جاہلیت میں دیکھا جا رہا ہے۔

اس حدیث میں "ان لا یوطئن فرشکم" سے اسی طرف اشارہ ہے کہ عورتیں اب پہلی جاہلیت کی رسموں کو ختم کریں۔ "وطی فرش" کی مراد نفس زنا نہیں ہے، کیونکہ یہ تو من کل الوجوہ حرام ہے، پھر مکروہ سمجھنے کا کیا منشا ہو گا، اس سلسلہ کا دوسرا حق عورتوں پر یہ ڈالا گیا کہ گھر میں محرم یا غیر محرم جو بھی داخل ہو، اس کے آنے کے متعلق شوہر کی رائے معلوم کر لی جائے، کسی کو شوہر کی رضا معلوم کیے بغیر یونہی گھر میں نہ آنے دے۔

عورتوں سے حسن اخلاق کا برتاؤ نگاہِ نبوی میں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ مومن کی شان یہ ہے کہ حسنِ اخلاق کا پیکر اور مروت و حسنِ کردار کا مجسمہ ہو اور اس شعبہ میں بہترین مسلمان وہ ہے جو اپنے بال بچوں اور بیوی کے لیے اخلاق و مروت میں سب سے اچھا ثابت ہو، ارشادِ نبوی ہے:

اکمل المومنین ایماناً احسنھم	ایمان میں کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں
خلقاً وخیارکم خیارکم	سب سے اچھا ہو، اور تم میں بہترین وہ ہے جو

لنسائکم (ترمذی باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجہا) جو اپنی بیویوں کے لیے بہترین ثابت ہو۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ کامل اور بہترین مومن کی شناخت یہ ہے کہ حسنِ سلوک میں سب سے اچھا اپنی بیوی کے ساتھ ہو، یہ طرزِ بیان بتاتا ہے کہ مردوں کو اپنی بیویوں کے حق میں سراپا محبت و شفقت ہونا چاہیے، اور بیوی کی ہر جائز دلجوئی کرنی چاہیے۔ الغرض بیوی کے ساتھ جو اپنے آپ کو اچھا ثابت کرنے میں کامیاب ہو۔ بتایا گیا ہے کہ یہی مرد کی فطرت کی نیکی کی دلیل ہے، ورنہ کچھ دیر کے لیے مصنوعی طور پر تو بہت سے بدتر آدمی بھی جما دیتا ہے کہ وہ بڑا نیک ہے، لیکن بیوی کی دائمی رفاقت اصل فطرت اور افتادِ طبع کو ظاہر کر دیتی ہے، اور یہی مرد کی فطرت کی حقیقی کسوٹی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی پیاری بندیوں کو مارنے پیٹنے سے اجتناب کرو"۔ عرب جہاں عورتوں کو جانوروں سے زیادہ اہمیت نہ تھی، مردوں کے جو جی میں آتا تھا، ان کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے، مار بیٹھنا، پیٹ دینا، یہ تو معمولی بات تھی لیکن حکم کے نفاذ کے ساتھ ہی سارے ظالمانہ قصے ختم ہو گئے، عورتوں کی جان میں جان آئی۔

صدیوں کی مظلومیت سے خلاصی کا ردِعمل جیسا کہ ہونا چاہیے تھا وہ بھی سامنے آیا جس کا پتہ اس روایت سے چلتا ہے۔ یعنی ایک دن فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "عورتیں اپنے شوہروں کے مقابلہ میں جری ہو گئیں"۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مذکورۂ بالا فرمان کی سختی نرمی سے بدل دی گئی۔ مگر مردوں نے اس "نرمی" سے معلوم ہوتا ہے ناجائز نفع اٹھانا شروع کیا، جس کی شکایتیں دربارِ نبوت تک پہنچنے لگیں۔ انہی شکایتوں کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اعلان فرمایا کہ

لقد اطاف بآل بیت محمد نساء کثیر یشکون ازواجھن لیس اولئک بخیارکم (رواہ ابوداؤد)	بہت سی عورتوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کو گھیر لیا، جو اپنے شوہروں کی شاکی ہیں، ان کے شوہر اچھے لوگ نہیں ہیں۔
(ریاض الصالحین باب الوصیۃ بالنساء)	

"نہ اچھے ہونے کی" خبر اور وہ بھی پیغمبر کی زبان سے اپنے متعلق کون برداشت کرسکتا تھا، جیسا کہ چاہیے تھا معاملہ حدِ اعتدال پر آگیا، اور یہی مقصود بھی تھا،

حضور اپنی ازواج مطہرات میں

زندگی کے آخری حصہ میں یعنی وفات سے آٹھ نو سال پہلے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امہات المومنین کا اجتماع دوسرے مصالح کے ساتھ ساتھ "زن وشو" کے باہمی تعلقات کا عملی درس، یہ بھی اس کی ایک بڑی غرض تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ

خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی واذا مات صاحبکم فدعوہ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء)

تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی بچے کے لیے بہتر ہے اور خود میں اپنے بال بچوں کے لیے بہتر آدمی ہوں، اور جب تمہاری رفیقہ حیات مرجائے تو اس کے لیے دعا کرو۔

اس میں بھی اسی راز کا انکشاف کیا گیا ہے کہ وقتی طور پر اپنے آپ کو نیک بنا کر پیش کرنا یہ کوئی بات نہیں ہے، نیکی اور بھلائی تو وہی ہے جو بال بچوں کے تعلقات میں نمایاں ہو۔

بہر حال عمل کر کے یہی دکھایا جاتا تھا اور زبان مبارک سے بھی فرمایا جاتا تھا کہ

ان اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا والطفھم باھلہ (مشکوٰۃ ص ۲۸۲ عن الترمذی)

سب سے زیادہ کامل مومن وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو، اور اپنے بال بچوں کے لیے نرم خو ہو۔

سرور کائنات کی محبت بیویوں سے

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی وہی تھی، جو فرمایا کرتے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو حضور کی پہلی بیوی ہیں، ان کے متعلق روایتوں میں متعدد واقعات ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ان کی وفات کے بعد برابر یاد کرتے اور اسی حد تک نہیں، حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ان کی جو سہیلیاں زندہ تھیں آپ ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک فرمایا کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ:

"حضرت خدیجہؓ کو چھوڑ کر آپ کی اور کسی بیوی پر مجھے رشک نہیں ہوتا تھا، گو میں نے ان کو دیکھا نہیں تھا، مگر آپ اس کثرت سے ان کا ذکر فرماتے (کہ وہ میرے لیے اجنبی

تھیں، انس و محبت کا یہ عالم تھا کہ گھر میں جب کبھی بکری ذبح ہوتی تو آپ کو حضرت خدیجہؓ یاد آجاتیں اور گوشت کا ایک حصہ ان کی سہیلیوں میں تقسیم فرمادیتے۔[۱]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اکثر آپ سے میں کہا کرتی تھی کہ کیا حضرت خدیجہؓ کے سوا اور کوئی عورت نہیں ہے ؟ یہ کثرت یاد کو دیکھ کر کہتی، جب کبھی میں یہ باتیں کہتی تو آپؐ فرماتے بات یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان سے اولاد دی تھی، اور وہ ایسی نیک اور باوفا تھی۔[۲]

صحابۂ کرام کی بیویوں سے محبت اس عملی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی رنگ میں رنگ گئے تھے، اور ان بزرگوں کو بھی اپنی بیویوں سے بڑی مخلصانہ محبت تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ایک دفعہ جہاد کے سلسلہ میں سفر میں تھے، جہاد سے واپسی ہوئی تو راستہ میں کسی نے بتایا کہ آپ کی بیوی بیمار ہیں، یہ سننا تھا کہ آپ بے چین ہو گئے اور بڑی تیزی سے وہاں سے روانہ ہوئے اور جلد پہنچنے کی خاطر آپ نے اس موقعہ پر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔

انہی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی وجہ سے آپ کے محترم اباجان نے آپ کو حکم دیا کہ بیوی کو علیٰحدہ کر دو (یعنی طلاق دیدو) یہ سن کر حیص بیص میں پڑ گئے، ایک طرف بیوی کی محبت، دوسری طرف والد محترم کا حکم، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کوئی فیصلہ نہ کر پائے، بلکہ عملی طور پر طلاق دینے سے تقریباً انکار کر دیا، حضرت عمر فاروقؓ جو آپ کے والد محترم تھے انہوں نے یہ مقدمہ دربارِ نبوی میں پیش کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب والد کی اطاعت کا فیصلہ کیا تب کہیں جا کر حضرت عبد اللہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔[۳]

جگر گوشۂ بتولؓ حضرت امام حسنؓ نے کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، اور بیوی کا جو کچھ مہر تھا بیوی کے یہاں بھجوا دیا، ان کی بیوی کو جب طلاق کی خبر پہنچی تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگیں، قاصد نے آ کر بیوی کا یہ سب حال حضرت حسنؓ سے کہا، تو آپ بھی بے اختیار

---

[۱] و [۲] مشکوٰۃ ص ۵۷۳ عن البخاری و مسلم [۳] اسوۂ صحابہ ج ۱ ص ۳۵۳

رو پڑے، اور فرمانے لگے اگر بائن طلاق نہ دے چکا ہوتا، تو رجعت کر لیتا۔[1]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند ارجمند کے متعلق بھی اسی طرح کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ان کو اپنی بیوی سے بے حد محبت تھی، اور اس محبت کے غلو کا یہ عالم تھا کہ ان کو بیوی سے جدا ہو کر جہاد میں جانا بھی شاق گزرتا تھا، اسی وجہ سے کبھی کبھی جہاد کی شرکت سے محروم بھی رہے۔ اس کی اطلاع جب ان کے پدر بزرگوار صدیق اکبر کو ہوئی تو بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیوی کو طلاق دیدو پہلے تو صاحبزادے نے ٹالنے کی کوشش کی، مگر والد محترم کا جب اصرار ہوا تو اطاعت پر مجبور ہو گئے اور بیوی کو علیحدہ کر دیا — علیحدہ کرنے کو تو کر دیا، مگر دل سے محبت نہ گئی، جدائی پر دردناک اشعار کہنے لگے، حضرت صدیق اکبرؓ کو بیٹے کی اس حالت کا علم ہوا تو بلا کر ان سے کہنا پڑا "رجعت کر لو"۔[2]

حضرت بریرہؓ اور مغیثؓ کی محبت و عشق کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں بہت مشہور ہے اور دلچسپ بھی۔ حضرت بریرہؓ پہلے لونڈی تھیں اور ان کی شادی حضرت مغیثؓ سے ہوئی تھی، جب آزاد کر دی گئیں تو شرعی طور پر ان کو پہلے شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے کا اختیار حاصل ہو گیا، حضرت بریرہؓ نے آزادی کے بعد طے کر لیا کہ مغیثؓ کے ساتھ نہ رہینگی، حضرت مغیثؓ کو اس کی خبر ہوئی تو بیوی کی جدائی پر مدینہ کی گلیوں میں، روتے پھرتے تھے۔[3]

اسلام کے قوانین عفت و عصمت کا یہ فیض تھا کہ جو عورتیں کل تک دنیا کی نگاہ میں حقیر و ذلیل تھیں وہ آسمان عزت و عظمت کی آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں۔ اور کیسے یہ عزت و رفعت حاصل نہ کرتیں جبکہ پیغمبر اسلام نے ان کو ان کے حقوق دلوائے۔

بیوی کے حقوق کی اہمیت عبادت و ریاضت کتنی قابل ستایش چیز ہے، مگر اسلام نے یہاں بھی برداشت نہیں کیا کہ عورتوں کے حقوق پر دست درازی کر کے ان کو محروم رکھا جائے اور ان سے علیحدہ رہ کر کوئی دن رات عبادت میں مشغول رہے۔ شروع شروع میں ایک سے زائد

---

[1] [2] [3] ان واقعات کے لیے دیکھیے اسوۂ صحابہ جلد اول ص ۲۵۳۔

صحابیوں کے اس طرزِ عمل پر کہ راتوں کو عبادت گزاری میں بسر کرتے تھے اور "زن وشو" کے باہمی تعلقات کی ان کی نگاہوں میں وقعت نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاکران کو سمجھایا کہ

ان لزوجك عليك حقا (بخاری باب لزوجک علیک حق) تم پر تمہاری بیوی کا بھی ضروری حق ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کا واقعہ بڑی تفصیل سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

بیوی کے لیے نظافت کا اہتمام اپنی بیوی کے لیے اپنے آپ کو بہتر اور اچھا ثابت کرنے کی عملی صورتیں جہاں یہ ہیں کہ بیوی کی خاطر مدارات، دل جوئی وغیرہ میں کوشش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے، اسی کے ساتھ ان باتوں کا بھی مردوں کو خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے جس کی طرف نبوی ارشادات میں اشارے کیے گئے ہیں۔

مثلاً شوہر کو چاہیے کہ بیوی کے سامنے آئے تو صاف ستھرے کپڑوں میں آئے، تاکہ اس کو دیکھ کر بیوی کو مسرت ہو، اور یہ محسوس کر کے وہ خوشی سے پھول جائے کہ ہمارا شوہر لباس میں، وضع قطع میں صاف ستھرا، پاکیزہ مذاق ہے۔ گندہ گھناؤنا، بدسلیقہ، اور پھوہڑ نہیں ہے، آخر جب مرد چاہتا ہے کہ اس کی بیوی ساف ستھری رہے، میلی کچیلی نہ رہے تو اسی طرح عورتوں کی بھی تو طبعی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہمارے شوہر خوش وضع ہوں، یوں بھی مسلمانوں کو کب اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اپنے آپ کو ممسوخ و منحوس شکل میں رکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی، صفائی، پاکیزگی خوش وضعی کی اپنی آپ مثال تھی، کون نہیں جانتا کہ سفر و حضر ہر حال میں آئینہ، کنگھی، سرمہ دانی اور اسی قسم کی چیزیں جن سے اپنی اصلاح اور درستگی میں مدد ملتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التزاماً اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔[۱]

---

[۱] اس سلسلہ کے لیے مشکوٰۃ باب الترجل کا مطالعہ کیا جائے۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے تھے کہ آدمی یوں بھی بُری ہیئت میں رہے۔

حضرت عطار بن یسارؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال بکھرے ہوئے پریشان تھے، آپؐ نے اشارہ سے فرمایا کہ بالوں کو درست کرلے۔ چنانچہ اس نے اشارۂ نبوی پاکر سر اور ڈاڑھی کے بال درست کرلیے۔ اور اس شخص کے پلٹتے وقت آپ نے جب اس کو اچھی ہیئت میں دیکھا تو فرمایا، کیا یہ ہیئت پہلی ہیئت سے بہتر نہیں ہے؟ جو شیطان سی معلوم ہوتی تھی۔[1]

یہ حدیث بھی مشہور ہے:

ان اللہ طیب یحب الطیب، نظیف یحب النظافۃ۔ (مشکوٰۃ باب الترجل)	اللہ پاک ہے، پاکی کو پسند کرتا ہے، اللہ پاکیزہ ہے پاکیزگی کو محبوب رکھتا ہے۔

بیوی کے لیے سامان طہارت ونفاست

ان حدیثوں کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ شوہر کو بیوی کے لیے خصوصاً صاف ستھرا رہنا چاہیے، اور بیوی کو شوہر کے لیے تو یہ ایسی بات ہوگی جس پر عمل کرنا چاہیے، فقہائے کرام نے تفصیل کی ہے کہ مردوں کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ بیوی کو ایسے سامان فراہم کرکے دے جس سے وہ اپنے آپ کو صاف ستھری رکھ سکے۔

ویجب علیہ ماتنظف بہ وتزیل الوسخ کالمشط والدھن والسدر والخطمی والاشنان والصابون علی عادۃ اھل البلد .... واما الطیب فیجب علیہ ما یقطع السھوکۃ لاغیر و علیہ ماتقطع الصنان۔ (رد المختار۔ ج ۲۔ ص ۲۰۰)	شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کے لیے ایسی چیزوں کا سامان کردے جس سے وہ اپنے کو صاف ستھری رکھ سکے اور میل کچیل سے پاک رہے جیسے کنگھی، تیل، بیری کی پتی خطمی، اشنان اور صابون، جیسا کہ وہاں رائج ہو، اور جس سے بدبو کو دور کرسکے اتنی خوشبو کا فراہم کرنا بھی ضروری ہے، اسی طرح بغل کی بو کو دفع کرنے کا سامان۔
وعلیہ الماء ماتغسل بہ ثیابھا وبدنھا من	اتنا پانی بھی فراہم کردینا شوہر پر ضروری ہو جس سے اپنے

[1] مشکوٰۃ باب الترجل۔

الوسخ ۔ (عالمگیری مصری۔ ج ۱ صٓ ۵۴۹) کپڑے، اور اپنا بدن دھو سکے۔

حدیث میں جہاں ذکر کیا گیا ہے کہ شوہر اگر سفر میں گیا ہوا ہے، تو اس کو واپسی کے وقت چاہیے کہ بیوی کو کسی ذریعہ سے اپنی آمد کی اطلاع کرے، دفعۃً پہنچنے کی کوشش نہ کرے وہاں اس کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ عورت چونکہ شوہر کے نہ ہونے کی صورت میں صفائی کا وہ اہتمام نہیں رکھتی جو اس کو شوہر کے لیے رکھنا چاہیے، اس لیے پہلے اگر عورت کو اطلاع مل جائیگی تو وہ اپنے آپ کو سنوار لیگی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

لکی تمشط الشعثة وتستحد المغيبة ۔ تاکہ عورت پراگندگی درست کرلے اور استرہ استعمال کرکے صاف ستھری بن جائے۔ (بخاری باب طلب الولد)

عورت کی مصیبت میں اظہارِ وفاداری

شوہر کا یہ بھی اخلاقی فریضہ ہے کہ بیوی کے ساتھ وفاداری اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے۔ اگر حوادثِ زمانہ کی وجہ سے عورت پر کوئی ناگہانی مصیبت آجائے تو محبت اور لطف وکرم میں کمی نہ کرے، بلکہ پہلے سے بڑھ کر اخلاق و مروت سے پیش آئے، بیمار پڑ جائے علاج کرائے، کوئی دوسری مصیبت آئے اس کے دفعیہ کی سعی کرے اگر کسی بیماری کی وجہ سے اس کی صورت وشکل میں فرق آجائے تو عورت کو بدصورت دیکھ کر بے مروتی اور بداخلاقی کا برتاؤ نہ کرے، بلکہ اس کی دل دہی اور دل جوئی کرے۔ مرد اگر ایسا نہ کریگا تو اس کا دل ٹوٹ جائیگا، اس کی مسرت حزن وملال میں تبدیل ہو جائیگی، اور عورت مرد کی بے وفائی پر گھٹ گھٹ کر جان دے دیگی۔

ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے، کل ایک حسین ودلفریب عورت کو شادی کر کے لائے، اس پر اپنی جان نثار کی اور بلائیں لیں، اور اس کی خوشنودی کے لیے بازار چھان ڈالا اور قیمتی سے قیمتی زیور اور کپڑے لاکر دیے، سب کی ناراضی برداشت کی، مگر رفیقۂ حیات کی اداسی برداشت نہ ہو سکی ـــــ اتفاق کی بات وہی بیمار ہوئی اور آج اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چیچک نے اس کی صورت بگاڑ دی، یا آنکھوں کی بینائی چھین لی۔ آئینہ دیکھتی ہے تو اس کی آنکھوں میں

آنسو ڈبڈبا آتے ہیں کہ یہ کیا سے کیا بن گئی، اور اگر اندھی ہوگئی ہے تب تو ساری دنیا ہی اندھیری ہے۔ بیچاری عورت ان مصیبتوں کی تاب نہ لاکر دن رات روتی ہے۔ اس پر ظلم یہ ہوا کہ شوہر کی آنکھیں پھر گئیں، بات بات پر غریب جھڑکی جارہی ہے، اس کو گھر سے نکال دینے کی دھمکی دی جارہی ہے اور بے قصور ٹھوکر لگائی جارہی ہے، یہ بساطِ محبت کیوں اُلٹ گئی اور بہار خزاں میں کیوں تبدیل ہوگئی؟ کہ حسن وجمال جاتا رہا، اور وہ بھی قدرتی مرض سے۔

لِلّٰہ سوچا جائے انسانیت کا یہی تقاضا ہے، محبت کا یہی انجام ہے، اور اخلاق کی عدالت کا یہی فیصلہ ہے، پھر یہ بھی پیش نظر رکھنے کی سعی کی جائے کہ غریب وبیکس عورت کی دلسوزیوں کا وبال کس کے سر ہوگا، ان کے گرم گرم آنسو جو آنکھوں سے جاری ہیں کیا رنگ لائینگے یقین کیا جائے اسلام ایسی بے مروتی اور کج خلقی کی اجازت نہیں دیتا، وہ ایسی سنگدلی کو برداشت نہیں کرتا، بلکہ اعلان کرتا ہے:

من لا یرحم لا یرحم (ریاض الصالحین) اس پر رحم نہیں کیا جاتا ہے جو رحم نہیں کرتا۔

بیوی کے جذبات کا پاس یہ تو ایک ضمنی بات تھی بتانا یہ تھا کہ شوہر کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ بیوی کی ہر طرح دلجوئی کرے، اس کے تمام داعیات وجذبات کا پاس کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک رات بحیثیت خلیفہ گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے دردناک اشعار پڑھے جانے کی آواز آئی، آپ کھڑے ہوگئے اور غور سے سننے لگے، ایک عورت یہ شعر اپنے خاص انداز میں پڑھ رہی تھی:-

فواللہ لولا اللہ تخشی عواقبہ　　　لزحزح من ھذا السریر جوانبہ

خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کے عقاب کا خوف نہ ہوتا ـــ تو بلا شبہ اس چارپائی کے کنارے جنبش میں ہوتے

حضرت عمرؓ نے اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس عورت کا شوہر جہاد کے سلسلہ میں باہر ہے، حضرت عمر پر اس سچے جذبۂ محبت کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ وہ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں تھیں) پوچھا، عورت

بغیر مرد کے کتنے دنوں صبر کر سکتی ہے۔ حضرت حفصہؓ نے فرمایا، چار مہینے۔ یہ معلوم کر کے حضرت عمرؓ نے بحیثیت خلیفہ سپہ سالاروں کے نام یہ حکم بھیج دیا۔

لا یتخلف المتزوج عن اھلہ اکثر منھا جو شادی شدہ ہو وہ اپنی بیوی سے چار مہینے سے زیادہ غائب نہ رہے۔ (رد المحتار۔ ج ۲۔ ص ۴۳۳)

اس تاریخی واقعہ سے ثابت ہوا کہ آدمی پران باتوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے داعیات وجذبات کو بھول نہ جائے، اور اگر زیادہ مدت کے لیے پردیس میں رہے تو بال بچوں کو ساتھ رکھے۔

اس کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ایلاء کا ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص بلا قید مدت، یا چار ماہ یا زیادہ مدت کے لیے بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے اور اس پر عمل کرے تو اس صورت میں عورت کو طلاق ہو جائیگی اور اس کو دوسری شادی کی اجازت حاصل ہوگی۔

لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ (بقرہ ۔ ۲۸)

جو لوگ اپنی بیویوں سے قسم کھا بیٹھتے ہیں، ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔ سو اگر یہ لوگ رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دینگے رحمت فرمائینگے اور اگر چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں، جانتے ہیں۔

بیوی پر اعتماد مرد کا یہ بھی فریضہ ہے کہ بیوی پر اعتماد کرے، اور گھر کے اندرونی معاملات اس کے حوالہ کر دے۔ تاکہ وہ اپنی حیثیت کو جان سکے، اور اس کی عزت وعظمت اور اس کا وقار اس میں خود اعتمادی پیدا کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو گھر کا نگراں قرار دیا ہے، ارشادِ نبوی ہے:

والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے۔ (بخاری باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجہا)

دوسری بہت سی حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جن میں کہا گیا ہے کہ عورتیں اپنے شوہر کے مال کی محافظ ہیں، عورتوں پر اعتماد سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ اس کا وقار بلند ہوگا، اور یہ اپنے کو گھر کے ایک شعبہ کی ذمہ دار سمجھیگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرد کو بڑی حد تک سکون ہیگا اور اس کو اطمینان کی زندگی میسر ہوگی۔

بیوی کی رازداری بیوی کا مرد پر ایک حق یہ بھی ہے کہ مرد عورت کے پردہ کی بات کو دوسروں سے نہ کہے، بلکہ اس راز کو راز ہی کے درجہ میں رہنے دے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے پردہ کی باتوں کو افشا کرے

ان من اشر الناس عند الله منزلة الرجل	لوگوں میں اللہ کے نزدیک بدترین وہ شخص ہے
یفضی الی امرأته وتفضی الیه ثم ینشر سرھا	جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور اس کی بیوی
(مسلم باب تحریم افشار سر المرأة)	اس سے ملے پھر مرد اس راز کی بات کو پھیلائے۔

معلوم ہوا کہ مرد وعورت کی پرائیوٹ باتیں طشت از بام نہ ہونی چاہییں، امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت و مرد کے باہمی استمتاع کا تفصیلی تذکرہ کرنا حرام ہے، مثلاً یہ کہے کہ جماع کے باب میں یہ بات باہم پیش آئی، اور پھر زن وشو کے راز کی کہانی بیان کرے، حد یہ ہے کہ بلا فائدہ جماع کا اجمالی تذکرہ بھی کراہیت سے خالی نہیں امام موصوف لکھتے ہیں:-

فی ھذا الحدیث تحریم افشاء الرجل	اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے راز کی باتوں
ما یجری بینه وبین امرأته من امور	کا ظاہر کرنا جیسے لطف اندوزی اور اس کی تفصیل کہ
الاستمتاع ووصف تفاصیل ذلك و	باہم ایسے ایسے ہوا حرام ہے، اسی طرح عورت سے متعلق
ما یجری من المرأة فیه من قول او فعل	کوئی راز کی بات یا کوئی فعل یا اور کسی ایسی ہی چیز کا
او نحوه (شرح مسلم ج ۱ ص ۴۶۴)	اظہار حرام ہے۔

بیوی کا نفقہ شریعت نے جہاں مردوں پر بیویوں کی بہت کچھ ذمہ داری عائد کی ہے، ان میں

سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ "بیوی" کو نفقہ (کپڑا، کھانا اور گھر) دیا کرے، اور بیوی کو اُن ضروریات سے بے نیاز کردے جو اس کے لیے ضروری ہے، تاکہ وہ بال بچوں کی تربیت آزادی کے ساتھ کرسکے، رب العزت کا ارشاد ہے :-

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا (الطلاق - ۱)	جس کو گنجائش ہو اس کو چاہیے کہ اپنی گنجائش سے خرچ کرے اور جس کی آمدنی تلی ہو وہ جتنا اس کو خدا نے دیا ہو اسی کے موافق خرچ کرے، خدا نے جس کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ جبر نہیں ڈالا گیا ہے، بلکہ ہر شخص پر اس کی صلاحیت کے اندازہ ہی سے ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ - ۳۰)	اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ان کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے مطابق ہے، کسی شخص کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔

بتاتا ہے کہ بیوی کے "نفقہ" کا بار شوہر پر اس لیے ڈالا گیا ہے تاکہ وہ بچہ پیدا کرے، اس کی تربیت اور نشوونما میں بیوی بے فکر ہو کر کوشاں رہے، جس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ خود بچہ کی نفسیات پر بھی خوشگوار اثر پڑیگا، اور وہ افکار کے ہجوم سے طبعی طور پر محفوظ رہیگا۔

پہلے ابواب میں جو حدیثیں گزر چکی ہیں، ان میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ بیوی کا حق یہ بھی ہے

ان تحسنوا الیهن فی کسوتهن وطعامهن (ترمذی باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجها)	کہ تم ان (بیویوں) کے ساتھ کپڑا اور کھانا دینے میں خوش اخلاقی کا برتاؤ کرو۔

مقدار نفقہ حضرت ابو سفیانؓ کی بیوی ہند بنت عتبہ کا واقعہ مشہور ہے کہ نبوی سرکار میں حاضر ہوئیں اور شکوہ سنج ہوئیں کہ میرے شوہر کنجوس آدمی ہیں، بخوشی اتنا بھی دینے کو تیار نہیں جو میرے بچوں کو کافی ہو، یہ روداد سنا کر دریافت کیا :

فھل علی حرج ان اطعم من الذی لہ عیالنا (بخاری مصری ج ۳ ص ۱۹۲)
اگر میں ان کے مال سے بال بچوں کو کھلاؤں تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

آپ نے فرمایا:

خذی ما یکفیک و ولدک بالمعروف (بخاری) اتنا لے لیا کر جو تیرے اور تیرے بال بچوں کے لیے کافی ہو۔

آنحضرت صلعم کا نظم نفقہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی دستور تھا کہ ازواجِ مطہرات کے نفقہ کا نظم فرمادیا کرتے، بلکہ ایک باغ ہی اس کام کے لیے خاص کر رکھا تھا، جسے فروخت کرکے سال بھر کا نفقہ ایک ہی دفعہ جمع کرا دیتے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبیع نخل بنی النضیر و یحبس لاھلہ قوت سنتھم (بخاری باب حبس نفقۃ الرجل قوت سنۃ علی اہلہ)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نخل بنی نضیر کو فروخت فرمادیا کرتے اور اس کی قیمت اپنے اہل و عیال کے سال بھر کے نفقہ کے لیے جمع فرمادیتے۔

فقہاء نے نفقہ کی ادائیگی کو واجب کہا ہے، اور بیوی مالدار ہو، غریب ہو جیسی بھی ہو اگر وہ شوہر کے زیر فرمان ہے نفقہ دلوایا ہے۔

نفقہ کا ماحصل کھانا، کپڑا اور مکان ہے:۔

ھی لغۃ ما ینفقہ الانسان علی عیالہ و شرعاً ھی الطعام والکسوۃ والسکنی۔ (درمختار باب النفقۃ)
لغت میں نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں جو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور شریعت میں نفقہ کھانا، کپڑا اور مکان کا نام ہے۔

اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بیوی کو والدین سے ملنے کی اجازت بیوی کے حقوق میں سے شوہر پر ایک حق یہ بھی ہے کہ بیوی کو اس کے ماں باپ سے ملاقات کی اجازت دے، اور قریبی رشتہ دار سے بھی یعنی ان لوگوں سے جو محرم ہیں، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے گھر جاکر ملاقات کرتے۔ شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اپنی اپنی صاحبزادیوں سے ملنے کی غرض سے

کاشانۂ نبوی میں حاضری دیا کرتے، حدیث کی کتابوں میں اس طرح کے واقعات بکثرت مذکور ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن والدین سے ملنے کے لیے جائے تو شوہر کو روکنا چاہیے مگر یہ اس وقت جبکہ بیوی کے والدین کسی معقول عذر کی وجہ سے خود حاضری سے مجبور رہوں، ورنہ وہ خود آکر لڑکی سے مل جائینگے۔[1]

زن و شو میں اختلاف کے وقت حکم

بیوی سے کسی بات میں اختلاف ہو جائے اور کشیدگی بڑھ جائے تو شوہر کے لیے اس وقت بھی عجلت پسندی اچھی نہیں سمجھی گئی ہے۔ ضرب کے بعد بھی معاملہ درست نہ ہو تو ایسی شکل میں دونوں جانب سے پنچ مقرر کرایا جائے قرآنی ارشاد ہے

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا	اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو
فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ	تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو، مرد کے خاندان سے
وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (النساء ۶)	اور ایک آدمی جو تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو۔

مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھا جائے کہ جو بھی پنچ مقرر کیے جائیں وہ مخلص ہوں، کیونکہ ان کا اخلاص ہی ان گتھیوں کو سلجھا سکتا ہے ورنہ پھر فائدہ کے بجائے شدید نقصان کا احتمال ہے۔

قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ	ان دونوں آدمیوں کو اگر اصلاح منظور ہوگی، تو اللہ تعالیٰ
بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا	ان دونوں میاں بیوی میں اتفاق فرما دینگے۔ بلاشبہ اللہ
(النساء ۶)	بڑے علم والے اور باخبر ہیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ اس سلسلہ کی آیتوں کے تفسیری ترجمہ میں فرماتے ہیں:۔

"اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو قرائن سے ان کی بددماغی کا احتمال قوی ہو تو ان کو اول زبانی نصیحت کرو، نہ مانیں تو ان کو لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو یعنی ان کے پاس مت لیٹو

[1] دیکھیے درمختار یا ردالمحتار باب النفقہ۔

اور اس سے بھی نہ مانیں تو ان کو اعتدال کے ساتھ مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر زیادتی کرنے کے لیے بہانہ اور موقع مت ڈھونڈو..... اور اگر قرائن سے تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں ایسی کشاکش کا اندیشہ ہو کہ اس کو وہ باہم نہ سلجھا سکیں گے تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے، اور ایک آدمی جو ایسے ہی تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے تجویز کر کے اس کشاکش کو رفع کرنے کے لیے ان کے پاس بھیجو کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں اور جو بے راہی پر ہو، یا دونوں کا کچھ کچھ قصور ہو سمجھا دیں۔ ان دونوں آدمیوں کو سچے دل سے اصلاح معاملہ کی منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں بشرطیکہ وہ ان دونوں کی رائے پر عمل کریں، اتفاق فرمادینگے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور بڑے خبر والے ہیں جس طریقے سے ان میں باہم مصالحت ہو سکتی ہے اس کو جانتے ہیں۔ جب حکمین کی نیت ٹھیک دیکھینگے وہ طریقہ ان کے قلب میں القا فرمادینگے"[1]

بہر حال پنچ دیانتداری اور اخلاص کے ساتھ دونوں میاں بیوی کے اختلاف کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کی انتھک جدوجہد کریں، اور دونوں کو ایک مرکز پر لا کر باہم جوڑ دیں۔ ساتھ ہی میاں بیوی کا بھی اخلاقی فریضہ ہے کہ پنچ سے تعاون کریں اور جو صورت صلح اور میل ملاپ کی پیدا کر رہے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی سعی بلیغ کریں۔

بیوی کے فرائض و اختیارات

بیوی کے "حقوق" کے سلسلہ میں اسلام نے مردوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں اس کا اجمالی نقشہ پیش کیا جا چکا۔ اب مردوں کے "حقوق" کے سلسلہ میں عورتوں کو جو زریں ہدایات دی گئی ہیں اسے بھی اجمال کے ساتھ بیان کر دینا مناسب ہے، تاکہ دونوں کے فرائض و اختیارات

---

[1] بیان القرآن جلد ۲۔ ص ۱۱۵۔

کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکے کہ اسلام نے عصمت و عفت کے تحفظ کی کتنی زبردست جد و جہد کی ہے، اور دونوں کے باہمی رشتہ محبت کو کس قدر پائیدار اور جاندار قرار دیا ہے۔

قانون کا کمال کوئی ایسا قانون کہ جو صرف ایک فریق پر ذمہ داری عائد کرے اور دوسرے کو ہر ایک ذمہ داری سے بری قرار دے وہ کتنا ہی خوشنما اور جاذبِ نظر کیوں نہ ہو، مگر اُسے ادھورا اور ناقص ہی کہا جائیگا، آئین اور ضابطے وہی مکمل ہو سکتے ہیں جو ہر ایک پر دوسرے کی ذمہ داری کو ضروری قرار دیں، گو اس کی شکل مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

کوئی شبہ نہیں کہ عورت اپنی خلقت میں کمزور، اپنے فطری جذبات میں اعتدال سے دور اور اپنی جسمانی ساخت میں بڑی حد تک ضعیف ہے، اور اسی وجہ سے یہ قابلِ لطف و کرم، لائق اُنس و محبت اور باعثِ درگزر ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے اس کے لائق ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش رکھا جاتا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عورت و مرد کی اجتماعی زندگی نہایت ناخوشگوار حد تک پہنچ جاتی۔

نظام منزلی کی صدارت اسلام نے عورت کی ان تمام کمزوریوں کی رعایت ملحوظ رکھی، جو اسے مرد کے مقابل میں قدرت کے خزانہ سے عطا ہوئی ہیں، اور اسی وجہ سے باہمی زندگی کی صدارت و امارت مرد کے سر ڈالی گئی، یعنی زن و شو کی اجتماعی زندگی کا امیر اور صدر مرد کو منتخب کیا تاکہ نظام منزلی میں کوئی سخت وقت آئے تو مرد اپنی خدا داد قوت و شوکت سے اُسے حل کرے، اللہ تعالیٰ نے مرد کی صدارت کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ (النساء ۶)	مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔

جس کا ماحصل یہ ہے کہ مردوں کو علم و عمل میں چونکہ فضیلت اور بڑائی عطا کی گئی ہے ساتھ ہی مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور عورت کو مہر، خوراک و پوشاک وغیرہ کے راستے سے سہارا دیتے ہیں،

اس لیے مرد کو زن وشو کی باہمی زندگی کا امیر اور صدر بنایا گیا ہے۔

مرد کی صدارت کی وجہ

کوئی ذی عقل انسان اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ مرد اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بہت سے امور میں عورت سے فائق ہے، غریب عورت پر زندگی میں کچھ زمانہ ایسا گزرتا ہے جس میں وہ بڑی حد تک بیکار ہو جاتی ہے اور دوسرے کی امداد واعانت کی محتاج رہتی ہے۔ میری مراد حمل، رضاعت، بچوں کی تربیت اور حیض ونفاس کے زمانہ سے ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مرد کی صدارت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ضروری ہے کہ مرد کو اس کی بیوی کا قوّام بنایا جائے، اور فطرت کا تقاضا ہے کہ عورت پر مرد کو غلبہ حاصل ہو، اس لیے کہ مرد عقل میں کامل، سیاست میں ماہر، حمایت میں مضبوط اور ننگ وعار کو دور کرنے کی صلاحیت کا مالک ہے، اور اس حیثیت سے بھی مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے کہ مرد عورت کا کپڑا، روٹی اور گھر مہیا کرتا ہے۔"[1]

جدید تحقیق میں مرد کی حیثیت

جدید تحقیق نے بھی اس کی تائید کر دی ہے کہ مرد کا دماغ عورت سے بڑا، اس میں فہم وذکا کا مادہ نسبتاً زیادہ اور اس کی عقل میں پختگی ہوتی ہے، ساتھ ہی مرد جسم اور عضلات کا مضبوط ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اقوال نقل کیے جا چکے ہیں یہاں بھی کچھ لوگوں کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:۔

مشہور نیشنلسٹ فلاسفر علاّمہ پرودھن اپنی کتاب "ابتکار النظام" میں لکھتا ہے:۔

"عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے اسی قدر ضعیف ہے جس قدر اس کی عقلی قوت مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے، اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے: اور ایک دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن وقبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے، وہ مردوں کی رائے کے مطابق نہیں ہوتی، پس مرد اور عورت میں یہ فرق کوئی عارضی امر نہیں ہے، بلکہ عورت کی طبعی خاصیت

[1] حجۃ اللہ البالغہ، حقوق الزوجیۃ ج ۲ ص ۱۳۷۔

پر مبنی ہے"[۱]

اس قول کو نقل کر کے علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:-

"حواس خمسہ جس پر انسان کی عقلی اور دماغی نشوونما کا دار و مدار ہے، اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ نیکولس اور علامہ بیلی نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ، مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں"[۲]

پھر کچھ آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں:-

"علم سائیکوجیا نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں مادۃً اور شکلاً سخت اختلاف ہے۔ مرد کے بھیجے کے وزن کا اوسط عورت کے بھیجے سے سو ڈرام زیادہ ہے"[۳]

عورت کا دماغ جدید تحقیقات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے چھوٹا ہی، جس کا اثر عقل و شعور پر پڑتا ہے۔ تولنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ احمق کا دماغ عقلمند کے دماغ سے کافی چھوٹا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:-

"یہی وہ قوائے عقلیہ کا سرچشمہ ہے جس میں مرد کا پلہ عورت سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے، امر کے دماغ کے وزن کا اوسط عام طور پر (۴۹½) ساڑھے انچاس اوقیہ ہے اور عورت کے دماغ کا وزن صرف (۴۴) چوالیس۔ دو سو اٹھتر (۲۷۸) مردوں کے دماغ وزن کیے گئے تو سب سے بڑے دماغ کا وزن (۶۵) پینسٹھ اوقیہ اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن (۳۴) چونتیس اوقیہ ثابت ہوا، لیکن جب دو سو اکانوے (۲۹۱) دماغ عورتوں کے وزن کیے گئے تو سب سے وزنی دماغ چون (۵۴) اوقیہ کا، اور سب سے کم وزنی دماغ اکیس (۲۱) اوقیہ کا نکلا۔ کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ عورتوں کے عقلی قویٰ مرد کے قویٰ سے بدرجہا ضعیف ہیں"[۴]

---

[۱] مسلمان عورت ص ۳۹ [۲] ایضاً [۳] ایضاً ص ۴۱

پھر واضح رہنا چاہیے کہ یہ اختلاف ہر جگہ واقع ہوتا ہے، اس میں متمدن اور غیر متمدن کا کوئی سوال نہیں جس کی آڑ لے کر بعض ناسمجھ بحث شروع کر دیتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا کا مصنف پروفیسر دوفارینی لکھتا ہے :۔

جس طرح مرد اور عورت کے جسمانی اور دماغی قویٰ کا باہمی اختلاف تم کو پیرس جیسے متمدن شہر کے شائستہ باشندوں میں نظر آتا ہے اسی طرح امریکہ کے وحشی ترین اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔[1]

ماحصل یہ ہے کہ جدید تحقیقات نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ مردوں میں عورتوں کی بہ نسبت زیادہ صلاحیت پائی جاتی ہے اور مرد صلاحیت میں ہر اعتبار سے عورت سے بڑھے ہوئے ہیں۔

مرد کی صدارت کے باوجود دونوں کے حقوق برابر ہیں

زن شو کی باہمی زندگی میں مرد کی صدارت سے جو لوگ یہ مطلب پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو مرد کا غلام بنا دیا ہے سراسر بے جا اور ہٹ دھرمی ہے۔ عقل سے بیگانہ ہو کر ہی ایسی بات کہی جا سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ زن و شو کی رائے میں اختلاف ناممکن ہے؟ تو اگر کوئی بات ایسی آپڑی، جس میں دونوں کی رائے میں اختلاف واقع ہو گیا تو پھر اس وقت کیا کیا جائیگا۔ اسلام کہتا ہے کہ اس وقت مرد کی رائے کو ترجیح ہو گی اور عورت کا فریضہ ہے ایسے موقع پر مرد کی رائے کو مان لے، کہ یہ اپنی مخصوص صلاحیتوں کی وجہ سے باہمی اور منزلی زندگی کا صدر اعظم ہے۔

ورنہ اسلام خود چاہتا ہے کہ جو کام انجام پائے، وہ باہم مشورے اور اتفاق رائے ہی سے انجام پذیر ہو۔ علاوہ ازیں مرد و عورت میں مکمل مساوات ہے، اور ہر ایک کے دوسرے پر حقوق و فرائض ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ جس طرح کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی کے مثل خود

---

[1] مسلمان عورت ص ۴۵۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ - ۲۸)
عورتوں کے بھی حقوق قاعدے کے مطابق ہیں، اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔

اس آیت پاک میں باوجود ایجاز واختصار ایک بڑا ضابطہ مندرج ہے، اور ایک قاعدۂ کلیہ کا اعلان ہے، وہ یہ کہ عورت ہر چیز میں مرد کے مساوی ہے، اور تمام انسانی حقوق میں مرد کے برابر ہے صرف ایک امر میں البتہ عورت مرد کے برابر نہیں، جس کو وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور جس کی تشریح اَلرِّجَالُ قَوّٰامُونَ کے تحت کی گئی۔ اس ایک بات کے علاوہ عورت سارے معاملات، اخلاق اور عبادات میں مرد کے مساوی ہے، کوئی ایسی بات نہیں جس سے مرد کو بڑا اور عورت کو حقیر سمجھا جائے۔ اور اسلام ہی ہے جس نے سب سے پہلے عورتوں کو یہ عزت عطا کی۔

ایک فلاسفر کا قول ایک فلاسفر نے کتنی درست بات کہی ہے کہ اگر رب العزت کا مقصد یہ ہوتا کہ زن وشو کی اجتماعی زندگی کی صدارت عورت کے حصہ میں آئے تو عورت کو مرد کے سر والے حصہ سے پیدا کرتا، اور اگر عورت کو خادمہ کے درجہ میں رکھنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ عورت کو مرد کے پاؤں والے حصہ سے وجود عطا کرتا، مگر چونکہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی مقصد نہ تھا۔ بلکہ ان دونوں سے بلند ایک جداگانہ مقصد تھا اور وہ یہ کہ عورت ومرد مساوات کی زندگی گزاریں، دوستانہ برتاؤ قائم رکھیں، اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی عزت اور محبت کو اپنے دل میں جگہ دے۔ اس لیے رب العزت نے عورت کو مرد کے پہلو سے پیدا کیا۔

صدارت کے باوجود عورت سے مشورہ کا حکم یہی وجہ ہے کہ صدارت کے لیے مرد کا نام لینے کے باوجود قدرت کا منشا یہ ہے کہ سارے امور باہمی مشورے سے طے کیے جائیں، اور اس طرح کے جو کام انجام پائیں وہ باہمی رضامندی اور خوشنودی سے۔ قرآن پاک نے جہاں یہ قانون بیان کیا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، اور بچے کے باپ پر دودھ پلانے والی کا

کھانا کپڑا ہے۔ اس مقام پر یہ بیان کرتے ہوئے کہ اگر تم دودھ چھڑانا چاہو تو باہمی مشورے اور رضامندی سے ایسا کرو۔ قرآن پاک نے بیان کیا ہے۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (بقرہ ۳۰)

پھر اگر دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ جو کام انجام پائے حتی الوسع باہمی مشورے سے انجام پائے، پھر مومنوں کی یہ شان ہی بیان فرمائی ہے۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ ۴) اور وہ آپس کے مشورے سے کام کرتے ہیں۔

اس ساری تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام نے مرد و عورت میں جائز رشتہ کے قیام کے بعد ایک نظام قائم کر دیا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے دونوں میں محبت رہیگی اور پھر اس طرح عفت و عصمت پر کوئی دھبہ نہ پڑ سکیگا۔

موجودہ دور میں تعطل اس پرفتن زمانہ میں آئے دن یہ بات سننے میں آتی ہے کہ مالدار گھرانوں میں میاں بیوی میں ذراسی بات پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور دونوں علیحدہ ہو کر زندگی گزارتے ہیں، برسوں دونوں میں جدائی رہتی ہے، بیوی اپنی ضد پر رہتی ہے اور شوہر اپنی شان میں، یہ جدائی کا زمانہ دونوں کے لیے نازک ہوتا ہے، کیونکہ نفسانی خواہشات سے کوئی خالی نہیں، اسلام نے اس طرح کی زندگی کو لعنت قرار دیا ہے اور کہیں اس کی گنجائش نہیں رکھی ہے جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا۔

عورت صالحہ اور اس کا فریضہ میاں بیوی کے سامنے اگر اسلام کے قوانین ہوتے تو ایسی نوبت ہرگز نہ آتی، اور ایسے موقع پر مرد کی قوامیت کا فیصلہ فتنہ کے اس سوراخ کو بند کر دیتا "الرجال قوامون" کے بعد ہی ارشاد خداوندی ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (النساء ۶)

پس نیک بخت عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں اور مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے نگہبانی کرتی ہیں۔

اس ٹکڑے میں نیک عورت کی شناخت کا بیان ہے، اور اس طرح عورت کو مرد کی اطاعت پر اُبھارا گیا ہے تاکہ دونوں میں اختلافِ رائے کبھی ہو تو علیحدگی کی نوبت نہ آنے پائے پھر مزید اس رشتہ کی مضبوطی کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ایما امرأۃ سالت زوجھا طلاقًا فی غیر ما بأس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ	جو عورت خواہ مخواہ معمولی باتوں میں اپنے شوہر کو طلاق چاہتی ہے اس پر جنت کی بو حرام ہے

(مشکوٰۃ باب الخلع والطلاق)

اس میں عورت کو ہدایت دی گئی ہے کہ زن وشو کی باہمی زندگی میں ایسی بات ہو جائے جو تم کو ناپسند ہو تو ایسی ذرا ذراسی بات پر شوہر سے طلاق کا مطالبہ شروع نہ کر دیا کرو، کیونکہ اجتماعی زندگی میں عموماً ایسی بات ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ دونوں کے مزاجوں میں قدرتی اختلاف پایا جاتا ہے۔

عورتِ صالحہ کا فریضہ ہے کہ باہمی اجتماعی زندگی کے نظام میں جونہی برہمی اور انتشار محسوس کرے، شوہر کی صدارت کو یاد کرے اور جوش کو ترک کر کے ہوش کو رہبر بنائے، یہ یقین پیدا کرے کہ شوہر باہمی زندگی یا نظامِ منزلی کا صدر اور امیر ہے اس کی اطاعت اپنا فریضہ سمجھے۔ اگر اپنے صدر کی زیادتی کا شبہ ہو تو قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس کی زیادتی اس پر آشکارا کرے، اور حزم واحتیاط اور انصاف کا جو تقاضا ہو اسے مہذب طور پر پیش کرے۔

خدانخواستہ اگر عورت نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، تو پھر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اجتماعی زندگی کا سکون واطمینان جاتا رہیگا، ہر کام میں انتشار اور برہمی لازمی ہے اور میاں بیوی جس چھوٹی سی سلطنت کے ذمہ دار رکن ہیں وہ تباہ وبرباد ہو جائیگی، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کی نگاہ میں دونوں کی حیثیت اور دونوں کا وقار خاک میں مل کر رہ جائیگا، اور پوری قوم پر یہ راز کھل جائیگا کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی گھریلو سلطنت چلانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ جب کوئی بھی جلد ان کو اس حکومت کی رکنیت دینے پر راضی نہ ہوگا۔

شوہر کی تعظیم و تکریم مرد کی محبت اور صدارت کی وجہ سے عورت پر اپنے شوہر کی دلجوئی اور اس کی تعظیم و تکریم ازبس ضروری ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد

لو کنت اٰمر احدا ان یسجد لاحد لأمرت المرأة ان تسجد لزوجها۔ کسی کو کسی آدمی کے سجدہ کا میں اگر حکم دیتا، تو پہلے عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(مشکوٰۃ عن الترمذی باب عشرۃ النساء)

کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی تعظیم و تکریم اور اس کی دل جوئی ضروری ہے عقل بھی کہتی ہے کہ جس شوہر نے اپنے کو بیوی کی محبت میں سرشار کر لیا، اپنی کمائی اور جائداد بیوی کے آرام و عافیت کے لیے اس کے قدموں میں ڈال دی اور اپنے انس و محبت کا مرکز بنالیا، اس کی دلجوی اور عزت و مکرمت عورت کا فریضہ ہے۔

رسمی تعظیم و تکریم ہی تک تعلق کافی نہیں ہے بلکہ اخلاص بھی ضروری ہے تاکہ شوہر کے قلب پر اثر پڑے اور یہ اپنی بیوی سے خوش رہے شوہر کی رضا کی ضرورت بیوی کو دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ ارشادِ نبوی ہے:

ایما امرأة ماتت وزوجها عنها راض دخلت الجنة رواه الترمذی (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء) جو عورت مرجائے اور اس کا شوہر اس سے راضی ہو، تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

اطاعت اور فرمانبرداری شوہر کی محبت اور اس کی رضا عورت اپنے ایثار اور فرمانبرداری ہی سے خرید سکتی ہے یعنی عورت جب اپنے شوہر کی ہر جائز بات پر گردن جھکاتی رہیگی، شوہر اس پر اپنی جان چھڑکتا رہیگا اور بیوی کے لیے وہ سارے جتن کریگا جو ایک شریف مرد کر سکتا ہے، چنانچہ عورت کی خوبیوں میں شوہر کی جائز اطاعت کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:-

المرأة اذا صلت خمسها وصامت شهرها واحصنت فرجها واطاعت بعلها فلتدخل عورت جب پنج وقتی نماز پڑھے، رمضان کے مہینے کے روزے رکھے، اپنی عزت و آبرو کی حفاظت

من ای ابواب الجنۃ شاءت	کرے اور اپنے شوہر کی فرمانبردار ہو تو وہ جنت کے دروازوں
(مشکوٰۃ کتاب النکاح ص ۲۸۱)	میں سے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔

نماز، روزہ اور عفت وعصمت کے تحفظ کے ساتھ شوہر کی فرمانبرداری بھی ضروری قرار دی گئی اور اس حدیث میں اشارہ کیا گیا کہ عورت پر جہاں حقوق اللہ کی بجا آوری ضروری ہے شوہر کے حقوق کا لحاظ وپاس بھی اس کا فریضہ ہے، شوہر کے حقوق سے چشم پوشی کر کے عورت کامیاب نہیں ہو سکتی۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ بہترین عورت کونسی ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا:۔

التی تسرہ اذا نظر وتطیعہ اذا امر ولا	شوہر جب اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور جب
تخالفہ فی نفسہا ولا مالہا بما یکرہ	کسی جائز کام کا حکم دے بجا لائے اور شوہر اپنی جان و
(مشکوٰۃ عن النسائی باب عشرۃ النساء)	مال میں ایسی مخالفت نہ کرے جو اسے ناپسند ہو۔

شوہر کے حقوق کی بجا آوری کی تاکید کا اس سے دلچسپ انداز اور کیا ہو سکتا ہے، گویا جو عورت محسوس کرے کہ اس میں یہ خوبیاں نہیں ہیں، وہ یقین کرے کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہتر نہیں ہے، سب کچھ ہے مگر جو اپنے خاتم المرسلین پیغمبر کی نگاہ میں بہتر نہیں نکمی اور محروم القسمت ہے۔

شوہر کی ناجائز بات میں اطاعت نہیں

مگر یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ شوہر کی جائز اطاعت سے آگے نہ بڑھنا چاہیے یعنی عورت اپنے شوہر کی ان باتوں پر عمل نہ کریگی جو رب العزت کے احکام کے خلاف ہوں، حدیث میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک انصاری خاتون ایک مرتبہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور بتایا کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی کر دی ہے، اتفاق سے میری لڑکی کے بال گر گئے ہیں، اب میرے داماد کا تقاضا ہے کہ دوسرے بال علیحدہ سے لے کر اس کے بالوں میں شامل کر دیے جائیں کہ بد صورتی جاتی رہے۔ حضور کا اس سلسلہ میں کیا ارشاد

ہے ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسی عورت پر لعنت کی گئی ہے جو الگ سے بال لے کر اپنے بالوں میں جوڑے[1]۔

شوہر کی خوشنودی ان امور میں بلا شبہ شوہر کا حکم بجا لائیگی، جن میں شریعت کی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے، فرمانبردار بیوی کو حدیث میں بڑی گراں قدر نعمت قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کو پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ فرمانبردار بیوی کا اسلام میں کیا درجہ ہے :-

ما استفاد المومن بعد تقوی اللہ خیرا لہ من زوجۃ صالحۃ ان امرھا اطاعتہ وان نظر الیھا سرتہ وان اقسم علیھا ابرتہ وان غاب عنھا نصحتہ فی نفسھا و مالہ (ابن ماجہ باب افضل النساء)	تقویٰ کے بعد مسلمانوں کے لیے بہترین چیز جو اس کے لیے قابل استفادہ ہو وہ نیک عورت ہے کہ اگر اس کو شوہر حکم کرے بجا لائے، اس کو دیکھے تو خوش کردے، اگر قسم دے تو پورا کر دکھائے اور اگر شوہر موجود نہ ہو اپنی ذات اور شوہر کے مال میں خیر خواہ بن کر رہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کے خوف کے بعد بہترین دولت نیک اور فرمانبردار بیوی ہے جو اپنے پیارے شوہر کی لاڈلی، اس پر جان دینے والی، اپنے ہنس مکھ چہرے سے شوہر کا دل لبھانے والی، اس کے ایک ایک حکم پر اپنے کو نثار کرنے والی اور عصمت مآب ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو حکم دے کہ ایک پہاڑ سے دوسرے پر، دوسرے سے تیسرے پر منتقل ہو جاؤ، تو بیوی وہی ہے جو اس حکم کو بجا لائے[2]۔

اسلام نے زن و شو کے رشتہ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنا چاہا ہے، اور اس سلسلہ میں دونوں کے نفسیات کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک کو اس کے لائق حقوق عطا کیے ہیں۔ بیوی پر شوہر کے جو حقوق ہیں وہ سب اسی لائق ہیں کہ عورت بدل و جان بجا لائے۔

---

[1] بخاری باب لا تطیع المراۃ زوجہا فی معصیۃ اللہ [2] ابن ماجہ ص ۱۳۴

ایک دفعہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت پر اپنے شوہر کی جائز فرمانبرداری ضروری ہے، بلکہ آپ نے بیان فرمایا ہے کہ کوئی بیوی اس وقت تک ایمان کی مٹھاس سے لذت اندوز نہیں ہو سکتی ہے جب تک وہ اپنے شوہر کے جائز حقوق ادا نہ کرے[1]۔

پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ شوہر اپنے پورے گھر کا نگراں ہے جس میں بیوی بھی داخل ہے پھر نگراں کے جائز حکم سے سرتابی کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔

یہ احکام عورت بخوشی بجالائے کہ عورت اپنے شوہر کی رفیقِ حیات اور شریکِ زندگی ہے اور ایک دوست کا فریضہ ہے کہ دوسرے دوست کے لیے ایثار و قربانی سے کام لے، عورت جو کچھ کرے، رفیقۂ حیات ہی کی حیثیت سے اسے کرنا چاہیے، اپنے کو غلام اور محکوم تصور نہ کرنا چاہیے۔

جنسی میلان میں حکم کی بجاآوری

جنسی میلان کی تکمیل جو بظاہر دنیاوی امور میں سے ہے، مگر اس سلسلہ میں بھی شوہر اپنی بیوی کو بلائے تو بیوی کی طبعی محبت کا تقاضا ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

اذا الرجل دعا زوجتہ لحاجتہ فلتأتہ وان کانت علی التنور

شوہر جب اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلائے تو وہ فوراً اس کے لیے حاضر ہو جائے گو وہ تنور پر بیٹھی (روٹی پکا رہی) ہو۔

(مشکوٰۃ عن الترمذی باب عشرۃ النساء)

بلکہ حدیث میں صراحت ہے کہ اگر اس سلسلہ میں بھی حکم نہ بجالائیگی تو گنہگار ہوگی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اذا دعا الرجل امرأتہ الی فراشہ فابت ان تجئ لعنتہا الملائکۃ حتی تصبح

شوہر جب اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کرے تو فرشتے اس پر صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔

(بخاری باب اذا باتت المرأۃ مہاجرۃ الخ)

ایک دفعہ آپ نے قسم کے ساتھ فرمایا کہ عورت کو اس کا شوہر اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کرے تو رب العزت اور فرشتے اس وقت تک اس عورت سے ناخوش رہتے ہیں جب تک اس

[1] مفتاح الخطابۃ ص ۱۸۵ عن الحاکم،

کا شوہر اس سے خوش نہ ہو جائے۔[1]

جنسی میلان میں بیوی کی صحت کا لحاظ

انہی بنیادوں پر امام نووی فرماتے ہیں کہ بغیر عذر شرعی عورت کا شوہر کے مطالبہ ہمبستری کو ٹھکرا دینا حرام ہے۔[2] یہ الگ بات ہے کہ خود شوہر کو بھی بیوی کے حالات کا لحاظ کرنا ازبس ضروری ہے، صرف جنسی میلان کی خاطر عورت کی صحت کو نظر انداز کر دینا انسانیت اور اخلاق دونوں کے منافی ہے۔ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ عورت کی صحت اجازت نہ دے تو پرہیز ہی چاہیے۔

لو تضررت من کثرۃ جماعہ لم تجز الزیادۃ علی قدر طاقتہا (در مختار باب القسم)

اگر کثرت مباشرت عورت کے لیے مضر ہو تو ایسی حالت میں اس کی طاقت سے زیادہ ہمبستری مرد کے لیے جائز نہیں ہے۔

بہر حال عورت اس باب میں بھی شوہر کے حکم کی پابند ہے، اسے نافرمانی کی اجازت نہیں ہے، اس حدیث سے بھی اس کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تصوم المرأۃ وبعلہا شاھد الا باذنہ (بخاری باب صوم المرأۃ باذن زوجہا تطوعا)

شوہر موجود ہو تو بغیر اس کی اجازت کے عورت نفلی روزہ نہ رکھے۔

ان سارے قوانین کا منشا یہ ہے کہ عفت و عصمت کا تحفظ ہو، اور اخلاق و اعمال پاکیزہ رہیں ساتھ ہی زن و شوی کے تعلقات مستحکم اور باہمی اُنس و محبت قائم و دائم رہے۔

شوہر کی خوشنودی خیر القرون میں

یہی وجہ تھی کہ عہدِ نبوی اور عہدِ صحابۂ کرام میں عورتیں اپنے شوہروں کو خوش رکھنے کی بے انتہا سعی کرتی تھیں، شوہر کی ذرا سی ناراضی ان کے لیے سوہانِ روح بن جاتی تھی۔ شوہر کی بے رخی پر بھی وہ اپنا طرزِ عمل نہیں چھوڑتی تھیں۔

خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ ہے کہ ایک دن یہ اپنے ہاتھوں میں چاندی کے چھلّے پہنے ہوئی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھلوں کو ان کے ہاتھوں میں دیکھ کر فرمایا، عائشہ یہ کیا؟

---

[1] مسلم باب تحریم امتناعہا من فراش زوجہا ج ا ص ۴۶۴ [2] شرح مسلم ج ا ص ۴۶۴۔

بولیں، یہ آپ کی خوشنودی ہی حاصل کرنے کی غرض سے پہنے گئے ہیں[۱]۔

حضرت خولاءؓ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور بیان کیا کہ میں ہر رات بہن اوڑھ کر اور آراستہ ہو کر لوجہ اللہ اپنے شوہر کے لیے دلہن بن جاتی ہوں اور ان کے پاس سوتی ہوں، مگر پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے، حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ خدمتِ نبوی میں عرض کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر فرمایا، ان سے کہہ دو کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہیں[۲]۔

ازواجِ مطہرات کی آنحضرت سے محبت

اس طرزِ معاشرت کا نتیجہ یہ تھا کہ میاں بیوی میں بے حد محبت ہوتی تھی، ایک دوسرے پر جان دیتے تھے، خود ازواجِ مطہرات کی زندگی ملاحظہ فرمایئے کہ ان کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہانہ محبت تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ ایک مالدار عورت تھیں، مگر جب ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہو گئی تو انہوں نے اپنی کل دولت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر دی، آپ کو کوئی درد و غم پیش آیا تو حضرت خدیجہؓ تڑپ اٹھیں اور آپ کو تسلی دی۔

صدیقہ عائشہؓ کی محبت بھی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشہور ہے، آپ پر وہ اپنی جان چھڑکتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کا کپڑا خود اپنے ہاتھوں سے دھویا کرتیں، آپ کو خوشبو ملا کرتیں، آپ کی مسواک چبا دیا کرتیں، اس کو حفاظت سے اٹھا کر رکھتیں، حدیث ہے کہ قربانی کے جانور کے لیے خود اپنے ہاتھ سے حضرت عائشہؓ قلادہ کے لیے رسی بٹتی تھیں، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے صحابۂ کرام کے توجہ دلانے سے معلوم ہوا کہ کمبل پر دھبہ ہے آپؐ نے اُسے اُتار کر اندر بھیج دیا، حضرت عائشہؓ خود برتن میں پانی لے کر بیٹھ گئیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے دھویا، پھر خشک کر کے خدمتِ اقدس میں بھیجا[۳]۔

---

[۱] اسوۂ صحابہ ج ۱ ص ۲۵۲ [۲] ایضاً [۳] ایضاً ج ۱ ص ۲۵۰

صحابیات کی اپنے شوہروں سے محبت

صحابیاتؓ بھی اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں، اپنے شوہر کی خوشنودی پر جان دیتی تھیں، حضرت زینبؓ جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی تھیں، ان کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی، ابوالعاص ابھی مسلمان بھی نہ ہوئے تھے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آگیا، اس حق وباطل کی جنگ میں ابوالعاص کافروں کی طرف سے آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جب فتح عطا کی، اور قریش کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئی تو ان میں ابوالعاص بھی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب فدیہ پر رہائی کا اعلان ہوا تو ابوالعاص کی بیوی حضرت زینبؓ بنت رسولؐ نے ان کی رہائی کے لیے اپنے گلے کا قیمتی ہار بھیج دیا، یہ ہار حضرت زینبؓ کے پاس ان کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی یادگار کی حیثیت سے تھا[1]

حضرت حمنہؓ بنت جحشؓ کے شوہر جہاد میں گئے، اور اللہ کے دین کی بلندی کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا، حضرت حمنہؓ کو جب یہ خبر پہنچی کہ ان کے شوہر غزوہ میں شہید ہوگئے تو ضبط نہ کرسکیں اور فرط محبت سے چیخ اٹھیں[2]

حضرت عمرؓ کی بیوی روزے کے دنوں میں فرطِ محبت سے اپنے لاڈلے شوہر کے سر کا بوسہ لیا کرتی تھیں۔

حضرت حسنؓ کی بیوی کو طلاق کے بعد حضرت حسنؓ ان کے شوہر کی طرف سے جب مہر ملا، تو وہ رو پڑیں اور فرمانے لگیں جدا ہونے والے محبوب کے مقابلہ میں یہ رقم بالکل حقیر ہے[3]

ان حقائق کو غور سے پڑھا جائے اور پھر اندازہ لگایا جائے، اسلام نے زن وشو کی زندگی کو کس بنیاد پر قائم رکھنا چاہا ہے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بغیر محبت واطاعت رشتۂ نکاح بے روح جسد ہے۔

شوہر کا خیر مقدم خندہ روئی سے

جو کچھ گزر چکا اس کی روشنی میں یہ ماننا پڑیگا کہ عورت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ

---

[1] اسوۂ صحابہ ج۱ ص ۲۴۸ [2] ایضاً [3] ایضاً ج۲ ص ۲۴۹

شوہر جب گھر میں داخل ہو تو بیوی شوہر کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرے، کیونکہ قدرت نے عورت کی مسکراہٹ میں ایسی عظیم الشان قوت عنایت کی ہے کہ شوہر بیوی کی مسکراہٹ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے سارے غم بھول جاتا ہے، اور اگر مرد تکان سے نڈھال ہو رہا تھا تو پھر بیوی کے تبسم آمیز گفتگو اور دلجوئی سے تازہ دم ہو جاتا ہے، اور اس کی قوت عود کر آتی ہے۔

جو عورتیں اپنے شوہر کے سامنے منہ بسورتی ہیں، وہ گھر کو قصداً جہنم بنانا چاہتی ہیں اور شوہر کی زندگی کو گھن لگاتی ہیں، اس حدیث میں اسی طرف اشارہ گزر چکا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین عورت کی تعریف میں فرمایا:

التی تسرہ اذا نظر (مشکوٰۃ) شوہر کی نگاہ جب بیوی پر پڑے تو بیوی اس کو خوش کرے

نیز اس طرح کے موقع پر بیوی شوہر کے سامنے آئے تو بن سنور کر اور صاف ستھرے لباس میں آئے۔ گھر، بستر اور دوسرے سامان کو شوہر کے سامنے صفائی کے ساتھ پیش کرے۔

شوہر اور گھر کی خدمت ضرورت کے وقت شوہر کی خدمت سے بھی نہ چوکے کہ ازواجِ مطہرات کی یہی زندگی تھی، خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی دستور تھا، گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرلیا کرتیں، بخاریؒ نے اپنی جامع میں ایک باب ہی باندھا ہے "عمل المرأۃ فی بیت زوجھا" عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں کام وکاج کرنا۔ اور اس کے ضمن میں حضرت فاطمہ رضؓ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چکّی چلاتے چلاتے گھٹے پڑ گئے تھے۔

محدثین نے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر بتایا ہے کہ عورتوں کو چاہیے کہ گھر کے معمولی کام کاج خود کرلیا کریں۔ حضرت فاطمہ رضؓ جب چکّی چلاسکتی ہیں تو کیا یہ بعید ہے کہ آپ آٹا بھی گوندھتی ہوں، روٹی بھی پکاتی ہوں، امام مالکؒ تو اس حد تک فرماتے ہیں کہ بیوی پر اس وقت گھر کی خدمت لازم ہے جبکہ اس کا شوہر مالدار نہیں ہے، خواہ بیوی بڑے سے بڑے گھر کی ہی چشم و چراغ کیوں نہ ہو۔[1]

[1] دیکھیے عمدۃ القاری ج ۹ ص ۶۴۵ و زاد المعاد ج ۴ ص ۳۲۔

غزوۂ تبوک میں جو تین بزرگ شریک نہ ہو سکے تھے اور جن کا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بائیکاٹ کیا گیا تھا، ان میں حضرت ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، کچھ دنوں بعد حضورؐ کا یہ فرمان جاری ہوا کہ ان کی بیویاں بھی اس وقت تک ان سے ترکِ تعلق کر لیں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ آجائے، اس فرمان کے فوراً بعد ہی ہلال بن اُمیہؓ کی بیوی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی، میرے شوہر بوڑھے آدمی ہیں، کوئی خادم نہیں ہے، جو ان کی خدمات انجام دے سکے، لہذا حضور اجازت مرحمت فرمائیں تو میں ان کی خدمت کیا کروں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجۂ ہلالؓ کو اس کی اجازت دے دی[1]۔

حافظ ابن القیمؒ نے اس سلسلہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماءؓ کی خدمت کا تفصیلی واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی کس قدر خدمت انجام دیا کرتی تھیں[2]۔

ضد اور ہٹ سے پرہیز عورتوں کا ایک بڑا عیب ضد اور ہٹ ہے، اس سے عورتوں کو بالکل اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں کوئی ایک بات بھی ان کی طبیعت کے خلاف پڑی، آگ بگولہ بن گئیں اور اُلٹ پٹک شروع کر دی، اس سے آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور شوہر بیوی سے بددل ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی معقول بات ہو تو شوہر کو سمجھانے کی سعی کرے، مُنہ پھلانا اور لڑنا بُری بات ہے۔ شوہر کو گرم دیکھے تو خود نرم ہو اور اپنی گرمی کا اظہار ضروری ہی سمجھے اور جی نہ مانے، گرمی نکال لے، مگر تعلقات پر ان باتوں کا اثر نہ آنے دے۔

مرد کی زیادتی اور بد دماغی سے معاملہ پڑے تو ہوش و خرد سے کام لے، عجلت نہ کرے، کچھ دب کر ہی سہی صلح کر لے تو عورت کے لیے مفید ہے۔ قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے

[1] بخاری کتاب المغازی غزوۂ تبوک [2] زاد المعاد ج ۴ ص ۳۲

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء - ۱۹)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بدماغی یا بے پروائی کا ہو، تو دونوں کو کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کریں، اور یہ صلح بہتر ہے۔

عصمت وعفت کے تحفظ کے لیے چند ضروری قوانین

گذشتہ مباحث اگر آپ نے غور سے پڑھے ہونگے تو یہ بات آپ پر روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہوگی کہ اسلام نے اپنے قوانین میں میاں بیوی کے درمیان محبت، یگانگت اور جذبۂ ایثار کی بے انتہا رعایت ملحوظ رکھی ہے تاکہ نکاح کے جو مقاصد ہیں وہ روئے زمین پر ظاہر ہوں، اور انسانیت اطمینان وسکون کی سانس لیتی رہے، کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے زن وشو کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو سکے، اور اس طرح عصمت وعفت اور اخلاق کی مٹی پلید ہو۔

یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کے حقوق دوسرے پر اس طرح جتائے گئے ہیں کہ اگر دونوں اپنے فرائض ادا کرتے رہیں تو پھر باہمی رنجش اور کشیدگی کی کبھی نوبت نہ آنے پائے۔

میاں بیوی کی محبت میں حائل ہونے کی ممانعت

قوم کو بھی ان تمام حرکتوں سے سختی کے ساتھ اسلام نے روکا ہے جو مرد اور عورت کے تعلقات کو خراب کرتی ہوں، قرآن پاک میں جادو کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی سب سے بڑی برائی یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے میاں بیوی میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ (بقرہ - ۱۲)

سو وہ لوگ ان دونوں سے ایسا سحر جادو سیکھ لیتے تھے کہ اس کے ذریعہ کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے۔

پھر اس جادو کا انجام ذکر کرتے ہوئے قرآن ہی میں ارشاد ہے:-

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (بقرہ - ۱۱)

اور ضرور یہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

میاں بیوی میں تفریق سے شیطان کی مسرت

جس کا ماحصل یہی ہوا کہ میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنا بڑا گناہ ہے اور ایسا شخص آخرت کی نعمتوں سے محروم رہیگا۔ سید الکونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ابلیس اور اس کی ذریات کی شیطنت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابلیس اپنا تختِ شاہی بچھا کر جلوہ افروز ہو جاتا ہے اور اپنی شیطانی فوج کو انسانوں میں بھیجتا ہے تاکہ ان میں فتنے برپا کرے، چنانچہ شیطانی فوج اپنی خدمات کی انجام دہی پر روانہ ہو جاتی ہے، اور ابلیس اس فوج میں اس کو زیادہ نوازتا ہے جس نے سب سے بڑھ کر فتنہ برپا کیا ہو۔ شیطانی فوج جب اپنی فتنہ گری سے واپس آتی ہے تو ان میں سے ہر ایک اپنے سردار کے روبرو رپورٹ پیش کرتا ہے کہ میں نے یوں کیا، میں نے یہ کر ڈالا اور میں نے یہ عظیم الشان کام انجام دیا، اسی سلسلہ میں ایک شیطان آگے بڑھتا ہے، اور اپنے سردار کے روبرو آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے:

"میں نے اپنی ڈیوٹی بڑی تندہی سے ادا کی، اور اس وقت تک اطمینان کی سانس نہ لی جب تک میں نے میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنے میں کامیابی نہ حاصل کر لی"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابلیس یہ رپورٹ سن کر خوشی سے اچھل پڑتا ہے، اور اس شیطان کو اٹھا کر اپنے سینہ سے چمٹا لیتا ہے اور تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے تو نے خوب کیا، اور سب سے بازی لے گیا[1]

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں میاں بیوی کی تفریق اور پھوٹ سے شیطان کی مسرت کی وجہ یہ ہے کہ وہ زنا کی کثرت کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ حرامی بچے پھیلیں اور زمین پر

---

[1] مشکوٰۃ باب الوسوسۃ عن مسلم۔

فتنہ و فساد کی گرم بازاری ہو۔[۱]

زن و شوہر کے تعلقات بگاڑنے کی مذمت

کسی ذی عقل پر یہ بات راز نہیں ہے کہ میاں بیوی کی باہمی کشیدگی اور علحدگی سے کیا کیا برائیاں پیدا ہوتی ہیں، اس لیے اس شخص کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے، جو بالقصد میاں بیوی کے تعلقات خراب کرنے کی فکر میں منہمک رہتا ہے، اور بیوی کو شوہر سے اور شوہر کو بیوی سے بدظن کرنے کی سعی کرتا ہے، یہ انسان نہیں انسانیت کا دشمن ہے، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لیس منا من خبب المرأة علی زوجھا (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء عن ابی داؤد)

جو دین ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے اور منتشر افراد کی شیرازہ بندی کے لیے آیا ہو، اس دین مقدس کا پیرو اگر ایسا کام کرتا ہے جس سے پھوٹ پڑتی ہے اور کشیدگی بڑھتی ہے تو واقعہ ہے کہ اس میں اپنے دین کی کوئی خوبو نہیں۔

بالخصوص میاں بیوی کے تعلقات کو بگاڑنا جس سے بنا بنایا گھر برباد ہو، عفت و عصمت کو خطرہ لاحق ہو، اور اخلاق و اعمال کے گندہ ہونے کا اندیشہ ہو، کسی پیرو اسلام کے شایانِ شان ہے؟

رشتۂ نکاح کے ختم کرنے کی اجازت

رشتۂ نکاح کے قیام کا منشا تو بلاشبہ یہی ہے کہ عورت اور مرد اس رشتہ میں منسلک ہو کر عفت کی زندگی گذاریں اور تاحیات اس بندھن کو کھلنے نہ دیں، مگر کبھی زندگی میں ایسا موڑ بھی پیش آجاتا ہے کہ وہاں اس رشتہ کا ختم کرنا ہی سود مند ہوتا ہے۔

ہم رشتۂ ازدواج کے قیام کی بحث میں اس طرف اشارہ کر آئے ہیں کہ شادی کرنے سے پہلے عورت و مرد میں سے ہر ایک دوسرے کے حالات معلوم کرلیں، ممکن حد تک دیکھ بھال کرلی جائے اور طرفین کو جب ہر طرح تشفی حاصل ہو جائے، تو یہ رشتہ وجود میں لایا جائے تاکہ یہ رشتہ زیادہ سے زیادہ مضبوط ثابت ہو اور زن و شو میں اخوت و محبت قائم رہ سکے، لیکن کوئی شبہ نہیں کہ کبھی با ایں ہمہ کوئی ایسی بات پیش آجاتی ہے کہ جو نکاح کے مقاصد ہیں وہ پورے ہوتے نظر نہیں آتے،

---

[۱] حاشیہ مشکوٰۃ عن المرقاۃ ص ۱۸۔

ان مشکلات میں اسلام نے کچھ ایسے معتدل قوانین نافذ کیے ہیں، جن پر عمل کرنے سے عفت و عصمت پر خطرات کے جو بادل منڈلانے لگتے ہیں، وہ ٹل جاتے ہیں اور عورت و مرد اطمینان کی زندگی گذارنے کا راستہ پالیتے ہیں۔

ناگہانی مصائب بظاہر زن و شوئی کے تعلقات کی باگ ڈور مرد ہی کے ہاتھ میں معلوم ہوتی ہے، اور عورت مجبورِ محض معلوم ہوتی ہے، لیکن ایسی بات ہرگز نہیں، عورت کے لیے قاضی کی مجلس با اختیار قرار دی گئی ہے جس عورت پر اگر کوئی ناگہانی افتاد آپڑے، یا شوہر کے مظالم سے عاجز ہو تو قاضی عورت کو اس کے شوہر سے نجات دے سکتا ہے اور اس کی اُفتاد کی تدبیر کر سکتا ہے۔

شوہر کا نامرد ہونا دنیا میں یہ کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے کہ کبھی کسی عورت کا شوہر مرد کی شکل میں رہتے ہوئے بھی عورت کے جنسی میلان کی تکمیل سے مجبور ہوتا ہے۔ مرد اس قابل نہ ہو کہ اس کی بیوی اس سے اپنے داعیاتِ فطرت کی تسکین کر سکے، اس حالت میں اگر کوئی عورت اپنے ناکارہ شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے اور شوہر اس کے لیے آمادہ نہ ہو تو اسلام نے اس کے لیے قاضی کی مجلس کو اختیار دیا ہے۔ عورت قاضی کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اپنا مقدمہ پیش کردے، قاضی اس کے شوہر کو نوٹس دیگا، اور حالات کی تحقیقات کریگا، اگر مرد عنین (نامرد) ثابت ہوگا تو قاضی اس کو پہلے ایک سال کی مہلت دیگا کہ وہ اپنا علاج و دوا کرے، اگر مرد کارآمد ہوگیا تب تو خیر، ورنہ ناکامیابی کی صورت میں تفریق کردیگا۔ حضرت سعید بن المسیبؒ کا بیان ہے۔

من تزوج امرأۃ فلم یستطع ان یمسھا فانہ یضرب اجل سنۃ فان مسھا و الا فرق بینھما	جو کسی عورت سے شادی کرے، اور اس کو عورت سے ہم بستر ہونے کی قدرت نہ ہو، تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائیگی، اگر اس کے بعد ہم بستر ہو سکا تب خیر، ورنہ ان دونوں میں تفریق کردی جائیگی
(موطا امام مالک ج ۲ ص ۳۲)	

امام مالکؒ نے ابن شہابؒ سے پوچھا کہ نامرد (عنین) شوہر کو علاج کے لیے ایک سال کی

جو مہلت دی جائیگی وہ کب سے ہے رخصتی کے دن سے یا اس دن سے کہ قاضی کے یہاں مقدمہ آیا، ابن شہابؒ نے فرمایا :-

بل من یوم ترافعہ الی السلطان (موطا مسنفی ج۲ ص۳۲) سلطان کے پاس مقدمہ کی پیشی کے دن سے

بہرحال اس طرح عورت اپنے عنین (نامرد) شوہر سے علیحدہ ہوسکتی ہے، اور پھر شریعت کی روشنی میں دوسری شادی کرسکتی ہے۔

شوہر کا مجبوب ہونا اسی طرح اگر کسی عورت کا شوہر مجبوب ہو یعنی اس کا عضوِ تناسل کٹ جائے اور وہ عورت کے جنسی میلان کی تکمیل کے لائق باقی نہ رہے تو عورت ایسے شوہر سے اسی ترکیب سے بآسانی علیحدہ ہوسکتی ہے، بلکہ اتنی اور اس میں سہولت ہے کہ ایک سال کی تاخیر بھی نہ ہوگی، درخواست پاتے ہی قاضی تحقیقِ حال کریگا اور عورت کو مرد سے علیحدہ کردیگا۔ امام قدوریؒ عنین وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فان کان عنینا اجلہ الحاکم حولا، فان	اگر کسی کا شوہر نامرد ہو، تو حاکم اسے دوا و علاج
وصل الیہا والا فرق بینہما ان	کے لیے ایک سال کی مہلت دیگا، اگر وہ عورت کے
طلبت المرأۃ ذٰلک ... وان کان	لائق ہوگیا تب تو خیر۔ ورنہ ان دونوں میں عورت
مجبوبا فرق القاضی بینہما فی الحال	کے مطالبہ پر تفریق کردی جائیگی اور اگر مقطوع الذکر
ولم یوجلہ (قدوری مصری کتاب النکاح ص۲۷)	ہو تو قاضی فوراً بغیر مہلت تفریق کردیگا۔

شوہر خصی کا حکم خصی شوہر کا حکم بھی عنین ہی جیسا ہے یعنی مرد اپنے کو خصی کراکے اس لائق بنالے کہ اس میں جنسی میلان باقی نہ رہے، اور اس طرح وہ عورت کے لیے ناکارہ ثابت ہو تو قاضی کے پاس عورت درخواست دے، قاضی فوراً مرد کی حالت کی تحقیق کریگا۔ علاج کے لیے ایک سال کا موقع دیگا، اور اگر اس کے بعد بھی نکما ہی باقی رہیگا تو قاضی عورت کو اس مرد سے جدا کردیگا۔

والخصی یوجل کما یوجل العنین (قدوری کتاب النکاح ص۲۷) شوہر خصی کو عنین کی طرح ایک سال کی مہلت دیجائیگی

فروعات میں جانا نہیں ہے بلکہ بتانا ہے کہ اسلام نے ان تمام صورتوں کی راہ پیدا کی ہے جن صورتوں میں عورت کو عصمت کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، کوئی ایسی شکل باقی نہیں رکھی ہے کہ عورت معصیت کے لیے اپنے کو مجبور پائے۔

حافظ ابن القیم کا ارشاد حافظ ابن القیمؒ اس بحث کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

والقیاس ان کل عیب ینفر الزوج الآخر منہ ولا یحصل بہ مقصود النکاح من الرحمۃ والمودۃ یوجب الخیار۔ (زاد المعاد۔ ج ۴ ص ۳۱)

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وہ عیب جس کی وجہ سے زن و شو میں یکجہتی باقی نہ رہ سکے اور نکاح کا مقصد جو محبت و مودت ہے فوت ہو جائے تو ایسی حالت میں علیحدگی اختیار دینا ضروری ہو جاتا ہے۔

بعض جزئیات میں ائمہ کا باہمی اختلاف ہے، مگر یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ کوئی ایسی صورت اسلام نے برداشت نہیں کی ہے کہ مرد و عورت میں سے کوئی اپنے آپ کو بدکاری کے لیے مجبور محسوس کرے۔

اسلام کا قانون خلع اسی طرح کے نازک وقت کے لیے اسلام نے کشمکش کی آخری شکل میں "خلع" کی اجازت بخشی ہے، ناجائز فائدہ اُٹھانے والوں کے لیے پیش بندی کے طور پر سختی کے ساتھ خلع سے روکا ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ایما امرأۃ سألت زوجھا طلاقا فی غیر ما بأس فحرام علیہ رائحۃ الجنۃ رواہ احمد (مشکوٰۃ باب الخلع)

جو عورت ذرا ذرا سی بات پر اپنے شوہر سے طلاق کی درخواست کرے اس پر جنت کی بو حرام ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

المنتزعات والمختلعات ھن المنافقات (مشکوٰۃ باب الخلع)

شوہر سے علیحدہ ہونے والی اور خواہ مخواہ خلع کی طالب عورتیں منافق ہیں۔

ان حدیثوں کا منشا یہی ہے کہ عورتیں خواہ مخواہ اپنے شوہروں سے جدائی کی خواہش نہ کریں،

تلذذ کی خاطر ایسا کرنا اسلام کے ایک عظیم الشان قانون کو بازیچۂ اطفال بنالینا ہے۔

لیکن اگر واقعی عورت دیانتداری سے یہ محسوس کرتی ہے کہ اگر خلع کی صورت اختیار نہ کی گئی تو رب العزت کے قائم کردہ حدود باقی نہ رہ سکینگے، اور عورت کو ظنِ غالب ہے کہ موجودہ تعلقات دین و دنیا کے لیے مضر ہیں، تو ایسی مجبوری اور نزاکت کے وقت عورت خلع کے قانون سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ — سو اگر تم لوگوں کو احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابطِ خداوندی کو قائم نہ کر سکینگے تو دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔ (البقرہ - ۲۹)

عہدِ نبوی میں خلع گو حدود اللہ کے عدمِ قیام کی شرط کے ساتھ خلع کی اسلام نے اجازت دی ہے، اس سے پہلے ہرگز اجازت نہیں ہے۔ خلع کی مثال عہدِ نبوی میں موجود ہے، حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ حبیبہ بنت سہل انصاری رض حضرت ثابت بن قیس بن شماس رض سے بیاہی گئی تھیں، ایک صبح کو سویرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے لیے کاشانۂ نبوی سے نکلے، دروازہ پر پہنچے تو دیکھا، ایک عورت کپڑے میں لپٹی سمٹی ہوئی کھڑی ہے۔ صبح کی تاریکی ابھی باقی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ آپ کون ہیں؟ آواز آئی۔ یا رسول اللہ میں سہل کی بیٹی حبیبہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ حضرت حبیبہ رض نے کہا۔ نہ تو میں ثابت بن قیس کے ساتھ ہوں اور نہ ثابت میرے ساتھ یعنی ہم دونوں میاں بیوی میں اتفاق اور نباہ کی اُمید باقی نہیں رہی۔ آپ نے یہ قصہ سن لیا اور نماز کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت ثابت بن قیس رض جب خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ حبیبہ بنت سہل انصاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جو منظور تھا اسے اگر انہوں یہاں بیان کیا۔ حضرت حبیبہ رض نے مہر کی واپسی پر بھی اپنی آمادگی ظاہر کر دی اور درخواست کی کہ شوہر کا عطیہ موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رض سے فرمایا

اپنا عطیہ واپس لے لو، یہ سن کر حضرت ثابت نے بیوی سے اپنا عطیہ واپس لے لیا اور اس طرح دونوں میں جدائی ہوگئی [۱]

بخاری میں ہے حضرت ثابت رض کی اہلیہ نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر بیان دیا۔

یارسول اللہ ثابت بن قیس ما اعیب علیہ فی خلق ولا دین ولکنی اکرہ الکفر فی الاسلام۔	یارسول اللہ میں ثابت بن قیس رض کو ان کے اخلاق و دین میں عیب نہیں لگاتی لیکن بات یہ ہے کہ میں اسلام میں کفر کی بات پسند نہیں کرتی۔

یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم ان کا باغ واپس کرنے کو تیار ہو، ثابت رض کی بیوی نے اثبات میں جواب دیا، یہ معلوم کر کے آپ نے حضرت ثابت رض سے کہا

اقبل الحدیقۃ وطلقھا تطلیقۃ واحدۃ (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۰۵)	باغ لے لے اور اس کو ایک طلاق دیدے

بخاری نے یہ واقعہ جو بیان کیا ہے، یہ ہے تو حضرت ثابت رض ہی کی بیوی کا مگر حبیبہ کا نہیں ہے بلکہ ان کی دوسری بیوی جمیلہ بنت ابی سلول کا ہے۔ ابن ماجہ میں یہی واقعہ جمیلہ کے نام کے ساتھ مذکور ہے [۲]

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رض کوتاہ قد، بدصورت اور تیز مزاج تھے اس لیے کسی عورت کی نگاہ میں سماتے نہیں تھے۔ بعض روایت میں ان کی بیوی کا ان کے باب میں بڑا سخت جملہ ہے [۳]

حدیث کی کتابوں میں خلع کے اور واقعات بھی مذکور ہیں، یہاں تفصیل مقصود نہیں ہے

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم

عورت اس وقت بھی مشکلات میں نظر آتی ہے، جب اس کا شوہر لاپتہ ہو جائے نہ یہی معلوم ہو کہ مر گیا اور نہ یہی پتہ ہے کہ زندہ ہے اور ہے تو کہاں ہے، ایسے وقت عورت کیا کرے، یہ ایک اہم سوال ہے

کوئی شبہ نہیں یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے، مگر اس سلسلہ میں علماء راسخین کا

---

[۱] موطا امام مالک باب الخلع ج ۲ ص ۳۳ [۲] دیکھیے ابن ماجہ باب المختلعہ یاخذ ما اعطاہا [۳] ایضاً زاد المعاد ج ۲ ص ۲۰۵

جس پر فتویٰ ہے وہ یہ ہے کہ عورت اپنے مفقود الخبر شوہر کا چار سال انتظار کریگی، اس عرصہ میں بھی کوئی پتہ نہ ملے تو چار سال بعد عدتِ وفات چار ماہ دس دن پورا کریگی اور اس کے بعد شرعی طور پر پہلے شوہر کی قیدِ نکاح سے نکل آئیگی اور حسبِ دل خواہ شرعی حدود میں رہ کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

ایما امرأۃ فقدت زوجھا فلم یدر این ھو فانھا تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعۃ اشھر و عشرا ثم تحل	جس عورت کا شوہر کھو جائے اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں ہے، تو ایسی عورت چار سال انتظار کے گزارے اور پھر چار مہینے دس دن عدت کے دن گزارے اور حلال ہو جائے۔
(موطا امام مالک باب امرأۃ المفقود)	

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ علماء احناف نے بوقت ضرورت اس قول پر فتویٰ کی اجازت دی ہے، اس سلسلہ میں صاحب جامع الرموز، صاحب الدر المنتقی اور صاحب رد المختار کا خصوصیت سے نام لیا جاتا ہے۔ علمائے ہند میں حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور مولانا عبد الحی فرنگی محلی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جن بزرگوں نے دلیل کے ساتھ اسے تسلیم کیا ہے۔[۱]

اسلام کا قانونِ طلاق اور عفت و عصمت کی حفاظت

طلاق کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، یعنی اگر عورت و مرد کا تعلقِ ازدواج ناکام ہو جائے۔ حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے زن و شو میں صلح و آشتی اور اتحاد و اتفاق کی زندگی محال ہو جائے تو ایسے موقع پر مرد اپنی خواہش سے عورت کو علٰحدہ کر سکتا ہے، مگر یہ بالکل آخری شکل ہے۔

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایہ ج ۲ ص ۳۹۳ اور مسوّی علی الموطا ج ۲ ص ۶۸ و ۶۹۔

طلاق کا قانون یہود میں اسلام نے طلاق کا جو ضابطہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس کی تفصیل سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ طلاق کی اجازت اور گنجائش دوسرے مذاہب و ادیان میں بھی ہے، یہود کے یہاں طلاق میں بہت ڈھیل ہے، شوہر کی خواہش ہی طلاق کے لئے کافی سمجھی گئی ہے، یعنی شوہر اگر چاہے کہ موجودہ بیوی کو علیحدہ کر دے اور اس سے خوبصورت بیوی کر لائے تو اس کو طلاق کی اجازت حاصل ہوگی، اسی طرح عورت کے معمولی معمولی عیوب بھی وجہ طلاق بن سکتے ہیں۔ مثلاً عورت کی دونوں آنکھیں برابر نہ ہوں، چھوٹی بڑی ہوں۔ عورت کی بغل سے بو آتی ہو، لنگڑی یا کبڑی ہو، یا بانجھ ہو، جس طرح یہ خلقی عیوب طلاق کی وجہ کے لیے کافی سمجھے گئے ہیں اسی طرح کچھ اخلاقی عیوب بھی، جیسے سخت مزاج ہو، زیادہ بولنے والی ہو، گندہ ذہن ہو، لالچی ہو، کھانے میں نفاست پسند ہو، خوراک زیادہ ہو اور اسی طرح کے دوسرے عیوب[1]۔

مرد کو طلاق کے لیے اتنے وسیع اختیارات مگر عورت کے ساتھ ظلم یہ ہے کہ وہ مرد کے ہزاروں عیوب کے بعد بھی مرد سے علیحدگی مطالبہ نہیں کر سکتی۔

قانون طلاق عیسائیوں میں عیسائیت میں پہلے سرے سے یہ جائز نہیں تھا کہ طلاق کسی وجہ سے بھی دی جائے، رشتۂ نکاح دوامی سمجھا جاتا تھا۔ موت کے سوا جدائی کی کوئی اور وجہ ناممکن تھی اور یہ ساری سختی حضرت مسیح کے اس قول سے اخذ کی گئی تھی:

"جسے خدا نے جوڑا، اُسے آدمی جدا نہ کرے" (متی ۱۹ : ۶)

حالانکہ اس قول کا یہ مطلب سرے سے غلط تھا، یہ ایک اخلاقی ہدایت تھی اور منشاء بے وجہ طلاق دینے کو روکنا تھا، کیونکہ خود متی کی دوسری آیت یہ موجود ہے۔

"جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسرا بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے" (متی ۱۹ : ۹)

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے سعادۃ الزوجین جلد سوم احکام الطلاق عند اسرائیلیین اور ندا للجنس اللطیف صفحہ ۹۷

اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ بوقت ضرورت طلاق دی جاسکتی ہے مگر مسیحی علماء نے اس کو پہلی آیت سے متعارض سمجھ کر یہ تاویل کی کہ بعد کا اضافہ ہے، اس دوسرے قول پر عمل جائز نہ ہوگا، اور بعض مسیحی علماء نے یہ مطلب اخذ کیا کہ "حرامکاری کی صورت میں میاں بیوی میں تفریق کرادی جائے، مگر رشتۂ نکاح بدستور قائم رہے یعنی مرد وعورت میں سے کوئی اس تفریق کے بعد دوسری شادی نہیں کرسکتا۔"

آپ یہ سن کر حیرت زدہ رہ جائینگے کہ صدیوں مسیحی دنیا اسی قانون پر عامل رہی، ایک تو طلاق ہی ناجائز سمجھی جاتی تھی، اور جن لوگوں کے یہاں طلاق جائز تھی ان کے یہاں فیصلہ یہ تھا کہ مرد وعورت دونوں اب تجرد کی زندگی گزاریں۔ بعد میں مشرقی کلیسا نے کچھ صورتیں رشتۂ نکاح کے ختم کرنے کی پیدا کیں مگر مغربی مذہبی پیشواؤں نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور وہ کلیسائے روم کی ہی فقہ پر عامل رہے کہ موت کے سوا کوئی دوسرا سبب اس رشتہ کو منقطع نہیں کرسکتا، تقریباً پندرہ سو سال تک عیسائیوں کو کلیسا کے اس ظالمانہ اور جابرانہ قانون کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا رہنا پڑا۔

قانون طلاق کی اصلاح سولھویں صدی سے طلاق کے قانون کی اصلاح کی آواز اٹھی، مگر نتیجہ کے اعتبار سے کچھ زیادہ سودمند ثابت نہ ہوئی۔ انگلستان میں ۱۸۵۷ء سے پہلے تک جب تک زنا اور ظالمانہ برتاؤ نہ ثابت کیا جائے قانونی تفریق کا فیصلہ بھی نہیں ملتا تھا، اگر کسی نے یہ دو جرم ثابت کردیے تو صرف قانونی تفریق حاصل ہوتی۔ یعنی اس کو اب بھی دوسری شادی کی اجازت حاصل نہیں ہوتی۔ اور ہر حال میں شرط یہ تھی کہ مقدمہ عدالت میں پیش ہو اور عدالت ہی فیصلہ دے۔ اور مرد وعورت میں سے جو بھی طلاق کا خواہشمند ہو۔ اس پر ضروری تھا کہ دوسرے پر زنا ثابت کرے اور عورت فریادی ہے تو مرد پر زنا کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ بھی، — یہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قانون نے یہ بھی حق دیا تھا کہ مرد اپنی بیوی کے ناجائز دوست سے ہرجانہ یا یوں کہیے بیوی کی عصمت کا معاوضہ وصول کرسکتا ہے۔

۱۸۶۶ء کے قانون میں عدالت کو حق دیا گیا کہ خطاکار شوہر پر مطلقہ عورت کے نفقہ کا بار بھی ڈال دے۔ اور ۱۹۰۷ء میں "خطاکار" کی شرط بھی اڑا دی گئی یعنی میاں بیوی میں کامل انقطاع کے باوجود عدالت کو حق تھا کہ مرد سے مطلقہ بیوی کو نفقہ دلوائے۔

۱۸۹۵ء میں طے کیا گیا شوہر کے ظلم و جور کی وجہ سے اگر عورت گھر چھوڑ کر نکل جائے اور شوہر سے الگ ہو کر رہے تو عدالت شوہر کو بیوی کے پاس جانے سے روک دیگی اگر بیوی کو شوہر سے نفقہ دلوائیگی، اسی قانون میں یہ بھی طے کیا گیا کہ عورت اگر شوہر کے تغافل اور بدسلوکی کی وجہ سے زنا کی مرتکب ہوئی اور شوہر نے بیوی پر مقدمہ کر کے طلاق کا مطالبہ کیا تو عدالت شوہر کے مقدمہ کو خارج کر دیگی۔

رپورٹ شاہی کمیشن

۱۹۱۰ء میں ایک شاہی کمیشن مقرر کیا گیا کہ وہ طلاق و نکاح کے مسائل و معاملات پر غور کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے، اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اور چیزوں کے ساتھ اس کی بھی سفارش کی کہ

"اسباب طلاق کے اعتبار سے مرد و عورت دونوں کو مساوی قرار دیا جائے یعنی جن وجوہ کی بنیاد پر مرد کو طلاق کی ڈگری پانے کا مستحق ہے، انہی وجوہ کی بنا پر عورت بھی طلاق حاصل کرنے کی مستحق ہے۔

۱۹۲۳ء کے قانون میں اسے شامل کر لیا گیا، اس قانون کی رو سے مرد اگر ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب کرے، تو عورت مرد سے طلاق لے سکتی ہے۔

ایک تو اصلاح ہی ناقص ہوئی، اور دور اندیشی کا پورے قانون میں کہیں نام و نشان نہیں ہے، دوسری طرف ظلم یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے اس کو بھی برداشت نہ کیا، آپ یہ سُن کر حیرت میں پڑ جائینگے کہ ۱۹۳۰ء میں بالفاظ صریح یہ فیصلہ کیا گیا۔

"ہم کسی ایسے مرد و عورت کا نکاح نہیں پڑھا سکتے جس کا سابق شریک حیات زندہ ہے" [1]

[1] عیسائی طلاق کا بڑا حصہ حقوق الزوجین ضمیمہ ۲ سے ماخوذ ہے۔

انسانی قانون کا انجام مختصر یہ کہ یہود کے یہاں افراط تھی تو عیسائیوں نے تفریط سے کام لیا، اور اس کا انجام یہ ہوا کہ جونہی قانون نے طلاق کی معمولی اجازت دی، طلاق بکثرت ہونے لگی، ان اعداد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"سین کی عدالت دیوانی نے ایک مرتبہ صرف ایک تاریخ میں دو سو چورانوے ۲۹۴ نکاح فسخ کیے، ۱۸۸۴ء میں جب طلاق کا نیا قانون پاس ہوا تھا چار ہزار طلاقیں واقع ہوئی تھیں ۱۹۰۰ء میں یہ تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچی ۱۹۱۳ء میں سولہ ہزار اور ۱۹۳۱ء میں اکیس ہزار!"[۱]

جج لنڈسے لکھتا ہے:۔

"۱۹۲۲ء میں ڈنور میں ہر شادی کے ساتھ ایک واقعہ تفریق کا پیش آیا، اور دو شادیوں کے مقابلہ میں ایک مقدمہ طلاق کا پیش ہوا۔ یہ حالت محض ڈنور ہی کی نہیں ہے، امریکہ کے تمام شہروں کی قریب قریب یہی حالت ہے"[۲]

آرتھر گارفیلڈ ہیس ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:۔

"بیس سال قبل ہر سات شادیوں میں ایک طلاق ہوتی تھی۔ اب اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ولایات متحدہ میں ہر تین شادیوں میں ایک طلاق ہونے لگی...... یہ شرح کچھ عرصہ سے برابر بڑھتی جا رہی ہے"[۳]

"انگلستان کی ایک عدالت جب تعطیل کے بعد کھلی تو پہلے ہی روز چار ہزار ایک سو نو ۴۱۰۹ طلاقوں کی درخواستیں پیش ہوئیں"[۴]

جاہلیت کا قانونِ طلاق اسلام سے پہلے جاہلیت میں دستور یہ تھا کہ مرد عورتوں کو متعدد طلاقیں دیتے اور رجوع کر لیتے اور اس طرح برسوں عورتوں کو ستاتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک شخص جتنا چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا اور عدت کے اندر

---

[۱] پردہ ص ۵۹ [۲] پردہ ص ۷۰ [۳] صدق جدید لکھنؤ ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء [۴] زمزم لاہور ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء

رجوع کر لیتا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عورت اس مرد کی زوجیت سے نہیں نکل سکتی تھی۔ ایک مرد سو سے اوپر تک طلاق دیا کرتا تھا۔[1]

اس افراط و تفریط کا اخلاق اور عفت و عصمت پر جو اثر پڑا اس کی تفصیل لمبی ہے۔ اس سلسلہ کے لیے دوسری بہت سی کتابیں موجود ہیں ان کو ملاحظہ فرمائیں۔ لاکھوں عورتوں کی عصمت غارت ہوئی، لاکھوں مردوں کے اخلاق و اعمال برباد ہوئے، ان گنت گھر اجڑے نہ معلوم کتنے ملکوں اور آبادیوں کے اخلاقی اقدار پست ہوئے، اور قانونِ طلاق کی ناہمواری کی وجہ سے بے شمار آفتیں اور مصیبتیں پیش آئیں۔

اسلام کا قانونِ طلاق اس اندھیری رات میں اسلام کا ماہتابِ عالمتاب چمکا، اور اس کے جلو میں طلاق کا اسلامی قانون روئے زمین پر نازل ہوا اور اس نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدال کا راستہ پیش کیا اور مظلوم انسانوں کے لیے ابرِ کرم بن کر برسا یعنی اس مسئلہ میں بھی مرد اور عورت کو ان کا پورا پورا حق دیا گیا، کسی کو اس کے جائز حق سے محروم نہیں کیا گیا۔

اسلام نے طلاق کے باب میں عجلت سے سختی کے ساتھ روکا کہ اس فعل سے دو شخص اور دو خاندانوں کا تعلق ہے، ان کی عزت و آبرو اور عفت و اخلاق کا معاملہ ہے، شریعت میں گو طلاق جائز ہے مگر حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض بتایا گیا ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:-

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ کتاب الطلاق) — حلال چیزوں میں سب سے مبغوض اللہ تعالیٰ کو طلاق ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو مخاطب کر کے فرمایا

وما خلق اللہ شیئاً علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق رواہ الدارقطنی (مشکوٰۃ کتاب الطلاق) — اللہ نے روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر کوئی چیز مبغوض پیدا نہیں کی۔

---

[1] لباب النقول عن الترمذی والحاکم برحاشیہ جلالین مصری ص ۳۰

طلاق فقہاء کرام کی نظر میں فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ طلاق دراصل ممنوع ہے، ہاں کوئی عارض یا ایسی ضرورت پیش آجائے کہ بغیر طلاق کے کوئی گنجائش ہی نہ ہو تو ایسے وقت میں البتہ جائز ہے۔ جیسے میاں بیوی میں ایسی عداوت یا بغض و کینہ پیدا ہو جائے کہ نباہ غیر ممکن ہو، اور حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہو جائے[1]

اور اگر مرد میں وظیفۂ زوجیت پورا کرنے کی صلاحیت سرے سے باقی ہی نہ رہے، جیسے عنین (نامرد) ہو، خصی ہو، مجبوب ہو، اور یا شکاز[3] کی شکایت ہو، تو ان مجبوریوں کے وقت البتہ طلاق واجب ہو جاتی ہے۔[2]

طلاق کی باگ ڈور مرد کے ہاتھ میں دوسرے یہ کہ طلاق کی باگ ڈور مردوں کو سپرد کی گئی، اور یہ ایک حقیقت مسلّمہ ہے کہ مرد نسبتاً دوراندیش، معاملہ فہم، بردبار اور عقل میں عورت سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے آپ پڑھ آئے ہیں، علاوہ ازیں مرد شادی کے سلسلہ میں کافی اخراجات برداشت کرتا ہے اور اسے مہر کی کافی رقم ادا کرنی پڑتی ہے، پھر عدت کے زمانہ کا نفقہ بھی مرد ہی کے ذمہ ہے، اور دوسری شادی کی اسے ضرورت ہوئی تو پھر اس کو اخراجات برداشت کرنے ہونگے، لہٰذا ان ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے مرد کے لیے طلاق کا استعمال آسان نہیں ہے۔

طلاق کے سلسلہ کے دوسرے تمام قوانین کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس طرح طلاق کے امکانات برائے نام رہ جاتے ہیں۔

طلاق رجعی اور مسئلہ عدت پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ شریعت نے طلاق کا جو مسنون طریقہ مقرر کیا ہے، اس میں رجعت کی گنجائش رکھی ہے، یہ بھی طلاق کے عدمِ وقوع کے لیے معاون کی حیثیت رکھتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ گو طلاق تین تک ہے، مگر ان کا یکبارگی استعمال سخت ناپسندیدہ ہے۔

پھر طلاق کے بعد فوراً عورت کو نکاح کی اجازت نہیں ہے بلکہ شریعت نے اس کے لیے

---

[1] ردالمحتار ج ۲ ص ۳۵۱ [2] ایضاً ج ۲ ص ۳۵۲ [3] شکاز مرد کی ایسی کمزوری کا نام ہو کر جس کی وجہ سے دطی کے وقت انتشار نہیں پاتا۔

عدت مقرر کی ہے، یعنی اگر بالغہ حائضہ ہے تو تین حیض آنے تک رکی رہیگی، اور سرے سے حیض نہیں آتا ہے یا آئسہ ہے تو تین ماہ انتظار کریگی، اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے۔ اس عدت کا استبرائے رحم اور اولاد کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ بھی فائدہ ہو کہ طلاقِ رجعی میں مرد کو سوچنے سمجھنے کا موقع ہے۔

یہاں طلاق کے احکام بیان کرنا مقصد نہیں، بلکہ اشارہ کرنا ہے کہ اسلام نے اپنے قوانین میں ان تمام چیزوں کی رعایت ملحوظ رکھی ہے، جس سے طلاق بجائے مضر ہونے کے صحیح معنی میں مفید ہو، اور کائناتِ انسانی ان کو راہِ عمل بناکر اپنی عفت و عصمت کی جائز حفاظت کر سکے، اور عورتیں ظلم و جور کا شکار بننے سے محفوظ و مامون رہیں۔

آپ طلاق کے اعداد و شمار اُٹھاکر دیکھیں تو معلوم ہو کہ ممالک اسلامیہ میں طلاق نفی کے درجہ میں ہے۔ لہذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اسلام کا قانونِ طلاق دنیا کے لیے رحمت ہے، زحمت کا اس میں نام و نشان تک نہیں۔

کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ طلاق کا اختیار بجائے شوہر کے عدالت کو ہونا چاہیے، عدمِ تدبر کا نتیجہ ہے، اس طرح کا مسئلہ عدالت کے ہاتھ میں دینا اور عیسائیوں کی طرح زنا ثابت کرنا مرد و عورت کی زندگی کو برباد کرنا ہے، اور کون نہیں جانتا کہ پھر عورت کی دوسری شادی اس طرح تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے۔ اسلام نے خواہ مخواہ عیب جوئی کرنا اور اسے مشتہر کرنا پسند نہیں کیا ہے، آپ غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے قاضی کو فسخِ نکاح کا اختیار ان ہی امور میں دیا ہے جن کے اعلان میں کوئی خاص قباحت نہیں بلکہ کچھ مخصوص فائدے ہی ہیں، جیسے شوہر کا عنین وغیرہ ہونا۔

بہر حال مجموعی طور پر اسلام کا قانونِ طلاق کائناتِ انسانی کے لیے مفید اور اس کی عصمت و عفت کا محافظ ہے۔

لعان شوہر اگر اپنی عفیفہ، بالغہ آزاد اور مسلمان بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور مقدمہ قاضی کے

یہاں لے جائے، تو ایسی صورت میں قاضی شوہر سے چار عینی گواہ کی شہادت ثبوت میں پیش کرنے کو کہیگا۔ اگر شوہر ایسا کرنے سے قاصر رہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر چار مرتبہ کہنا پڑیگا کہ میں اس دعوے میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ کہیگا کہ اگر میں بیوی کو زنا کا الزام لگانے میں جھوٹا ہوں تو اللہ کی مجھ پر لعنت ہو، اب اگر عورت اپنے کو پاک سمجھتی ہے تو اس کو بھی یہ چار بار کہنا پڑیگا کہ بخدا اس کہنے میں میرا شوہر جھوٹا ہے، اور پانچویں بار کہیگی کہ اگر میرا شوہر اس الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ اسی کو شریعت کی اصطلاح میں "لعان" کہتے ہیں۔

قاضی کے سامنے جب لعانِ شرعی مکمل ہو جائے تو شوہر بیوی کو طلاق دیدے اور پھر قاضی دونوں میں تفریق کردیگا۔ قرآن پاک کی اس آیت میں یہی بیان ہے:۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ (نور۔۱)

جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں، اور ان کے پاس بجز اپنے کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہدے کہ بیشک میں سچا ہوں، اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو، اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔

یہاں بھی مقصود یہی ہے کہ جب میاں بیوی کی باہمی زندگی تلخ ہو جائے تو خواہ مخواہ اسے اس تلخی کے ساتھ رشتۂ نکاح میں منسلک رہنے پر قانوناً مجبور نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی حالت میں جبکہ ایک کا دوسرے کو اعتماد حاصل نہ ہو، زندگی ہر اعتبار سے جہنم کا نمونہ بن جائیگی۔

لعان کا پہلا واقعہ خود عہدِ نبوی میں پیش آچکا ہے جس کی تفصیل کتبِ حدیث میں آپ پڑھ سکتے ہیں۔ اور لعان کی دوسری تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

عِصمت وعفّت کے لوازم

عصمت وعفت کے تحفظ کے سلسلہ میں اسلام نے کچھ ایسے آئین وقوانین پیش کیے ہیں، جن کا تعلق رات دن کی زندگی سے ہے، اور ان کا لحاظ وپاس ہر محتاط انسان کے لیے بہت ضروری ہے، کیونکہ ان میں ذراسی غفلت اور کوتاہی انسان کی عفت کو مجروح کر ڈالنے کے لیے کافی ہے۔ جنسی میلان جو انسان کے خمیر میں پیوست ہے، اس میں کچھ ایسی بربریت اور درندگی ہے جو معمولی سی بے حجابی کو برداشت نہیں کرتی، اور موقع پاکر انسان کو ہلاکت میں ڈالنے کے درپے ہو جاتی ہے، پھر شیطان جس نے بنی آدم کی عداوت پر قسم کھا رکھی ہے وہ الگ تاک جھانک میں رہتا ہے اور ناپاک راستہ پر غلط طور پر جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے اسلام نے نکاح کے پہلے بھی اور بعد بھی "شرم وحیا" سے متعلق کچھ ضروری احکام نافذ کیے ہیں۔

شرم وحیا "شرم وحیا" انسان کی ایسی مخصوص صفت ہے جو اسے "لغزش" کے موقع پر سہارا دیتی ہے، اور اس نیک جذبہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم کے ان تمام حصوں کو پردہ میں رکھنے کی سعی کرتا ہے جو جنسی میلان میں ہیجانی کیفیت کی وجہ بن سکتے ہیں۔ ستر پوشی کا خیال اسی شرم وحیا کا نتیجہ ہے۔

اس روئے زمین پر بہت سی قوموں میں عریانی کا عام رواج تھا، اور اب تک بہت سے قبیلے اور آبادیاں اس مرض میں گرفتار ہیں، افریقہ اس سلسلہ میں مشہور ہے۔ یورپ میں جو ستر پوشی ہے وہ برائے نام ہے، ان کے لباس اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ عریانی کو بھی شرمانے والے ہیں، مغربی رسالوں میں ننگی تصویریں عام طور سے دیکھی جا سکتی ہیں۔

صحت اور آرٹ کے نام پر عریانی کی اشاعت ہو رہی ہے، اور اس راستہ سے عصمت وعفت پر زبردست زد پڑ رہی ہے، آدمی کی "قوت برداشت" جواب دے رہی ہے، ایک دن یہی چیزیں اخلاق واعمال کے ساتھ انسانی صحت کو بھی لے ڈوبتی ہیں۔ ایک امریکی سیاح میں

یہ ماتم پڑھیے، جسے مولانا مودودی نے اپنی کتاب "پردہ" میں نقل کیا ہے۔

"تین شیطانی قوتیں ہیں جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے، اور یہ تینوں ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں، فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرتِ اشاعت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ متحرک تصویریں جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں۔ عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار، جو ان کے لباس اور بسا اوقات ان کی برہنگی اور سگریٹ کے روز افزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید و امتیاز سے نا آشنا اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تینوں چیزیں ہمارے یہاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب و معاشرت کا زوال اور آخر کار تباہی ہے، اگر ان کو نہ روکا گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور ان دوسری قوموں کے مماثل ہو گی جن کو یہی نفس پرستی اور شہوانیت، ان کی شراب اور عورتوں اور ناچ رنگ سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے"۔

شرم و حیا اسلام میں اسی دن کے لیے اسلام نے اپنے قانونِ "شرم و حیا" کا اپنے ماننے والوں میں نفاذ ضروری سمجھا ہے، اور پیغمبر اسلام نے حیا کی مختلف پیرایہ میں تاکید فرمائی ہے اور ساتھ ہی ترغیب بھی دی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک انصاری اپنے بھائی سے کہہ رہا ہے زیادہ شرم نہ کرو۔ آپ نے سنا تو انصاری سے فرمایا یہ نہ کہو۔

فان الحیاء من الایمان متفق علیہ (مشکوٰۃ باب الرفق والحیاء) کیونکہ حیا جزو ایمان ہے۔

شریعت میں "حیا" اس صفت کا نام ہے جو انسان کو ان تمام چیزوں کے چھوڑنے پر ابھارے جو شریعت میں قبیح ہیں۔ اور اسی بنا پر ارشاد نبوی ہے:۔

الحیاء لا یاتی الا بخیر متفق علیہ (مشکوٰۃ باب الرفق والحیاء) حیا خیر ہی کی موجب ہوتی ہے۔

شرم و حیا گویا انسانی زندگی کے لیے ایک ضروری حیثیت رکھتی ہے۔ افعال میں ہو، اخلاق میں ہو یا اقوال میں جس میں حیا کا جذبہ نہ ہو اس کے لیے ہر آن گمراہ ہونے کا خطرہ ہے، رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا لم تستحی فاصنع ما شئت رواہ البخاری (مشکوۃ ص۴۳۱) شرم اٹھانے کے بعد جو جی میں آئے کرو۔

یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الحیاء من الایمان والایمان فی الجنۃ و البذاء من الجفاء والجفاء فی النار رواہ الترمذی واحمد (مشکوۃ ص۴۳۱)

شرم وحیا جزو ایمان ہے اور ایمان باعث دخول جنت ہے اور بے حیائی جفا ہے اور جفا باعث دخول دوزخ ہے۔

شرم وحیا کی اہمیت جتا کر اسلام نے ان تمام چیزوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو بے حیائی کی پیداوار ہیں، اور جن کی وجہ سے عفت وعصمت اور اخلاق کا دامن داغدار ہو سکتا ہے اس سلسلہ سے متعلق جو احکام وہدایات ہیں ان کا یہاں اجمالی طور پر بیان کیا جاتا ہے، ان تعلیمات سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ عفت وعصمت کے تحفظ کے لیے یہ چیزیں کتنی ضروری ہیں۔

بیباک نگاہ اور اس کے متعلق ہدایات

ان میں بد نظری کو ام الخبائث کی حیثیت حاصل ہے کہ یہ تمام فواحش کی بنیاد ہے، اسلام نے اس سوراخ کو پہلے بند کیا ہے، اور نظر کو آنکھوں کا زنا قرار دیا اور پھر نگاہ کا تیر مشہور ہے، اور تجربہ کی دنیا میں مسلم بھی عشق ومحبت کی تعریف کرنے والوں کی تعریف ہی کہ محبت ایک نادیدہ شئے ہے جو آنکھوں کے راستہ دل میں اتر پڑتی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نگاہیں شہوت کی قاصد اور اس کی پیامبر ہیں۔ شعراء نے اس مسئلہ پر سب سے زیادہ روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ کتنی نگاہیں ہیں جو تیر کی طرح دل میں پیوست ہو جاتی ہیں، اسلام سے پہلے کے شعراء نے بھی اقرار کیا ہے کہ دل کے زخمی کرنے میں آنکھوں کا بڑا قصور ہے اور اسلام کے بعد کے شعراء نے بھی بتایا ہے کہ نگاہوں سے دل چھلنی ہوتا ہے، پھر اس مسئلہ میں ہر مذہب وملت کے شعراء متفق ہیں، کوئی اختلاف نہیں۔ نگاہ کی اسی تاثیر کے باعث اسلام جب آیا تو اس نے اعلان کیا

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ

ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ ذرا اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کو بچائے رکھیں، اس میں ان کے لیے پاکیزگی

بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۔ ہے، اللہ تعالیٰ کو جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کی خبر ہے۔

فتنہ کا چشمہ جہاں سے ابلتا تھا اور اخلاق اور سوسائٹی پر جہاں سے ضرب پڑتی تھی ان سوتوں اور سوراخوں ہی کو بند کر ڈالا، جائز حد تک اجازت دی اور اس کے بعد پہرہ بٹھا دیا کہ کوئی شخص قصداً یا بغیر قصد ایسا کوئی کام نہ کرے جو برائی کا زینہ بن جائے۔ نگاہ جس کو سلف صالحین نے برید العشق (عشق کا پیامبر) سے تعبیر کیا ہے، اسلام نے اس پر قانون کی مہر لگا دی اور اس کے نتیجہ اور فائدہ کو بتایا کہ اس سے شہوت کی جگہوں کی صیانت وحفاظت ہوگی، نیز یہ چیز تزکیۂ قلوب میں بھی معاون ہوگی۔

اوپر کی آیت میں جس چیز کا حکم فرمایا گیا ہے وہ ایک ایک مسلمان کے لیے لازمی ہے۔ نگاہ نیچی رکھنا فطرت اور حکمتِ الٰہی کے تقاضے کے مطابق ہے، اس لیے کہ عورتوں کی محبت اور دل میں ان کی طرف خواہش فطرت کا تقاضا ہے، ارشادِ ربانی ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ (آل عمران) مرغوب چیزوں کی محبت پر لوگ فریفتہ کیے گئے ہیں جیسے عورتوں پر۔

غور وفکر سے معلوم ہوگا کہ آنکھوں کا فتنہ مہلک اور دنیا کے بہت سارے فتنوں اور آفتوں کا بنیادی سبب ہے۔ اسی وجہ سے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ آنکھوں کے فتنہ سے یقینی طور پر اپنے کو بچاؤ، کیونکہ یہ تمام فتنہ وآفت کا بنیادی سبب ہے۔

ثم عليك وفقك الله وايانا بحفظ العين فانها سبب كل فتنة وآفة (منہاج العابدین ص۲۰)

پھر صاحب منہاج العابدین لکھتے ہیں کہ آیت (قل للمومنين يغضوا من ابصارهم الخ) میں رب العزت نے تین چیزیں بیان کی ہیں، تادیب اور تنبیہ اور تہدید۔ آیت کے ابتدائی حصہ میں تادیب ہے کہ بندہ اپنے آقا کی اس باب میں فرمانبرداری کرے، یعنی کسی کی طرف اگر دیکھنا ناجائز ہو تو دیکھنے کی جرأت نہ کرے۔ اور دوسرے حصہ ازکی لهم میں تنبیہ ہے کہ اس غضِ بصر کا فائدہ یہ ہوگا کہ قلب میں پاکیزگی آئیگی اور عبادت میں زیادتی اور دلچسپی پیدا ہوگی۔ اور اگر اس ہدایت پر عمل نہ ہوگا تو آنکھوں کے ذریعہ کسی نہ کسی فتنہ میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہے جس کا نقصان یہ ہوگا کہ سکونِ قلب جاتا رہیگا اور دل

وسوسوں کی آماج گاہ بن جائیگا۔ اور آیت کے آخر حصّہ (واللہ خبیر بما یصنعون) میں تہدید ہے کہ اگر بندوں نے اس ہدایت کی پرواہ نہ کی تو یہ سمجھ رکھیں کہ رب العزت غافل نہیں وہ ساری کارروائیوں سے واقف ہے۔[1]

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ماترکت بعدی فتنة اضرّ علی الرجال من النساء متفق علیہ (مشکوٰۃ کتاب النکاح)	میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ مردوں کے لیے ضرر رساں نہیں چھوڑا۔

ایک موقع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاتقوا الدنیا واتقوا النساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء رواہ مسلم (مشکوٰۃ کتاب النکاح)	دنیا اور عورتوں سے ڈرو کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ جو پیدا ہوا وہ عورتوں میں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کا لحاظ فرمایا، اور شہوت کی رعایت سے نکاح کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا، اور پھر اس کے بعد انسانی طبیعت پر کنٹرول کیا، اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کے طریقے بیان کیے۔ حد سے بڑھتی ہوئی حرص جو حریص انسان کی طبعی خواہش ہے اس پر پہرہ بٹھایا، اور کائناتِ انسانی کو فتنہ وفساد سے محفوظ کر دیا۔

عورتوں کو ہدایت اگر اسلام نے صراحتاً مردوں کو عفت کی تعلیم دی، تو عورتوں کو بھی فراموش نہیں کیا، کیونکہ مرد اور عورت دونوں کا خمیر ایک ہی ہے، کم وبیش کا فرق ہے، عورت کی فطرت بھی شہوت اور اس کے دواعی سے خالی نہیں، اس لیے رب العالمین نے فرمایا:

قُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ	ایمان والیوں سے کہہ دے کہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شہوت کی جگہوں کو تھامے رکھیں اور

[1] منہاج العابدین ص ۲۸ و ۲۹۔ (نوٹ) یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ منہاج العابدین کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ امام غزالی کی طرف منسوب ہے، دراصل ان کی کتاب نہیں ہے (دیکھیے معارف مارچ ۵۳ء)

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ (نور - ۴)   اپنی زیبائش نہ دکھلائیں مگر جو ان میں کی کھلی چیز ہے

ان آیتوں کا لب و لہجہ بتا رہا ہے کہ آنکھوں کی بیباکی اور ان کی آزادی شہوت میں انتشار اور شرمگاہ میں ابھار پیدا کرتی ہے، عقلی طور پر سنجیدگی سے غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ آنکھوں میں ایک ایسا زہر پوشیدہ ہے جو موقع پاکر انسانی دل و دماغ میں تیزی سے سرایت کرنے کی سعی پیہم کرتا ہے اور جب سرایت کر جاتا ہے تو دل و دماغ کو ماؤف کر ڈالتا ہے، چنانچہ آپ نے دیکھا اور سنا ہوگا کہ اجنبی مرد نے جب کسی اجنبی عورت کو زینت میں دیکھا اور بار بار دیکھا اس کی دبی دبائی چنگاری انگارہ میں تبدیل ہو گئی۔

شہوت کے معاملہ میں جو حال مردوں کا ہے، کم و بیش یہی حال عورتوں کا بھی ہے، بلکہ ان کی نگاہ تو اور بھی فتنے جگاتی ہے۔ جذبات میں عورتیں عموماً آگے ہوتی ہیں اور جلد متاثر ہونا تو ان کے لیے مستقل مرض ہے، واقعات شاہد ہیں کہ بات کی بات میں عورت بدلتی رہتی ہے اس لیے ان کو اپنی آنکھوں کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے ایسا نہ ہو کہ کسی خوبرو تنومند جوان کی ادا بھا جائے اور ظاہر نہ سہی باطن ہی گندہ کر ڈالے، اور یہ بھی نہیں تو یہ ہو کہ دوسری طرف مرغ بسمل بن کر تڑپنے لگے اور اس کو خبر بھی نہ ہو۔

چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود عورت کے دل میں تو کوئی خطرہ نہیں گزرتا، مگر ان کی بے احتیاطی سے کسی مرد کا سکونِ دل جاتا رہتا ہے اور وہ مرد اپنی غرض کے سلسلہ میں اندھا بن جاتا ہے اور پھر سیکڑوں تدبیریں عمل میں لاتا ہے، بیسیوں جال بچھاتا ہے اور کبھی کبھی زبردستی کسی معصومہ کی عصمت دری کے درپے ہو جاتا ہے۔ "صدق جدید لکھنؤ" میں ایک لڑکی کا خط شائع ہوا ہے، وہ لکھتی ہے کہ "اسکول جانے میں پانچ چھ نوجوان میرا پیچھا کرتے ہیں۔ (۲- مارچ ۵۱ء)

؎ کالج، یونیورسٹی اور اسکول کے کچھ نوجوان کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے یہاں بے پردگی عام نہیں ہے اس لیے کبھی کبھی ایسی بات ہوتی ہے، پردہ یورپ کی طرح بالکل اٹھا دیا جائے تو پھر بدکاری ختم ہو جائیگی اور مخلوط سوسائٹی مردوں اور عورتوں کے احساس کو ماؤف کر ڈالیگی۔ مگر اپنا خیال اس کے بالکل برعکس ہے، دلیل میں صرف امریکہ کے صدر مسٹر ٹرومین کی میڈم کی وہ تقریر پیش کرونگا جو انہوں نے "اخلاقی پستی" کے عنوان پر کی تھی فرماتی ہیں: (بر صفحہ ۲۱۷)

نگاہ کی حفاظت کا حکم اس آیت اور قرآن پاک کی دوسری آیتوں کو سامنے رکھ کر علماء کی ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی اجنبی مرد کو دیکھے، اس کا یہ دیکھنا شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے دونوں ہی صورتیں ناجائز ہیں، حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے چنانچہ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھی ابن ام مکتومؓ نابینا کسی ضرورت سے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ابن ام مکتومؓ کو دیکھ کر آپؐ نے ہم سے فرمایا، تم دونوں پردہ میں چلی جاؤ۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے رحمتِ عالم صلعم سے کہا۔ یارسول اللہ! کیوں یہ (ابن ام مکتوم) نابینا نہیں ہیں! آپ نے فرمایا:

(افعمیاوان انتما، الستما تبصرانہ (مشکوٰۃ صہ ۲۶۹ عن ابوداود) کیا تم دونوں بھی اندھی ہو، ان کو نہیں دیکھتیں

یہ واقعہ نزولِ حجاب کے بعد کا ہے۔ اس حدیث سے عورتوں کے متعلق کیا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کسی مرد کو نہ دیکھیں "یحفظن فروجھن" کے متعلق سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ اس میں فواحش سے بچنے کا حکم ہے۔ قتادہؒ اور سفیان کہتے ہیں ان تمام چیزوں سے عورتوں کی حفاظت کا حکم ہے جو ان کے لیے حلال نہیں ہے[۱]۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:-

"عورت کو شہوت کے ساتھ کسی طرف قصداً نظر کرنا جائز نہیں، بجز زوج (شوہر) کے بلاشہوت نظر کرنے میں تفصیل ہے کہ عورت کا دوسری عورت کے بدن کو بجز ناف سے زانو

(بقیہ حاشیہ صہ ۲۱۶) "یہ لڑکیاں نہ بازاری ہیں اور نہ حسن فروش، پندرہ بیس برس کی کمسن اور بھولی بھالی لڑکیاں ہیں، اکثر یونیورسٹی، کالج اور ہائی اسکول کی طالبات ہیں...... اس وقت حکومت امریکہ اور امریکن قوم کے سامنے نامعلوم باپ کے بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا اہم مسئلہ ہے، کنواری ماؤں کے ان بچوں کی تعداد گزشتہ سال سوا لاکھ سے زیادہ تھی ان میں سے ایک لاکھ بچوں کی مائیں یونیورسٹی کی طالبات ہیں۔ نیز تربیت و تعلیم کے تحقیقاتی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بیان کیا ہے کہ ان بچوں کے باپ کالج ہی کے ہونہار طلبہ ہیں...... اصل یہ ہے کہ امریکہ میں تمام خاندانوں نے اپنی لڑکیوں کو کامل آزادی دے رکھی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک نوجوان لڑکی جو اپنی گھریلو زندگی میں محبت و شفقت سے محروم رہتی ہے کالج میں قدم رکھتے ہی کسی طالب علم سے مل کر عشق و محبت کے تجربہ کا شکار ہو جاتی ہے"۔ (ندائے حرم کراچی۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ)

(نوٹ صفحہ ہذا) [۱] ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۸۳۔

تک دیکھنا درست ہے، اور مرد کے بدن کو ناف اور زانو کے درمیان تو بالاتفاق حرام ہے، اور اس کے ماسوا کا دیکھنا مختلف فیہ ہے، شافعیہ کے نزدیک حرام ہے اور حنفیہ کے نزدیک بلا شہوت گو حرام نہیں، مگر خلافِ اَولیٰ ہے، چنانچہ ابو داؤد ترمذی ونسائی وبیہقی میں حدیث ہے کہ ابن ام مکتوم رضی صحابی نابینا نے حضور کی خدمت میں آنا چاہا تو آپ نے ام سلمہ رضی اور میمونہ رضی سے فرمایا، پردہ میں ہو جاؤ، انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو نابینا ہیں، ہم کو نہ دیکھینگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم بھی نابینا ہو، کیا تم ان کو نہ دیکھو گی؟ اور شرعی ضرورت سے اجازت ہے، اسی طرح بلا قصد نظر پڑنے سے جبکہ فوراً ہٹالی جائے، گناہ نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ یہ تفصیل ہے یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ کی، اور اس میں مِنْ تبعیضیہ کی وہی توجیہ ہے کہ بعض جگہ اجازت ہے اور بعض جگہ نہیں[۱]"

نگاہ کے نقصے حافظ ابن القیم تحریر فرماتے ہیں

"نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ اور شہوت کی جگہ کی حفاظت ہے جس نے نظر کو آزاد کر دیا اس نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اور نظر ہی ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے، کیونکہ نظر کھٹک پیدا کرتی ہے، پھر کھٹک فکر کو وجود بخشتی ہے، اور فکر شہوت کو ابھارتی ہے، شہوت ارادہ کو جنم دیتی ہے، ارادہ قوی ہو کر عزیمت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عزیمت میں مزید پختگی ہو کر فعل واقع ہوتا ہے۔ جس سے اس منزل پر پہنچ کر اس وقت کوئی چارہ کار نہیں رہتا جب کوئی مانع حائل نہ ہو[۲]"

اسی وجہ سے کہا گیا ہے:۔

الصبر علی غض البصر ایسر علی الصبر علی الم بعدہ آنکھ بند کرنا آسان ہو مگر بعد کی تکلیف پر صبر مشکل (الجواب الکافی ص۲۰۳)

ع صاحب کشاف لکھتے ہیں وغضہا بصرہا من الاجانب اصلا اولی بہا واحسن (کشاف ج۳ ص۳)

[۱] بیان القرآن جلد ہشتم ص۱۷ [۲] الجواب الکافی ص۲۰۳

کیونکہ نظر کا تیر اگر پیوست ہو گیا تو پھر اس سے حسرت، سوزشِ قلب، جگر کی ٹیس اور آہ و نغان نیم شبی پیدا ہوتی ہے، آدمی اس وقت بے قابو ہو جاتا ہے اور اس کے لیے یارائے ضبط باقی نہیں رہتا، اور یہ ایک مستقل عذابِ جان بن جاتا ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس فتنہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ

النظرة سهم مسموم من سهام ابليس — نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔ (الجواب الکافی ص۲۰۳)

من تركها من مخافتى ابدلته ايمانا يجد حلاوته فى قلبه رواه الطبرانى والحاكم وقال صحيح الاسناد (الترغیب والترہیب۔ ج ۲ ص۳۴)

ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

العينان زناهما النظر والاذنان زناهما الاستماع واللسان زناها الكلام واليد زناها البطش والرجل زناها الخطا والقلب يهوى ويتمنى و يصدق ذالك الفرج اويكذبه رواه مسلم۔ (مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر ص۲۲)

آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پیر کا زنا چلنا ہے اور دل کا وہ آرزو اور تمنا کرنا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

بعض سلف نے کہا ہے:۔

النظر سهم سم الى القلب (ابن کثیر ج ۳ ص۲۸۲) نگاہ ایک تیر ہے جو قلب میں زہر ڈال دیتی ہے۔

نظر کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس کی حفاظت بہت ضروری ہے، ورنہ اس سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں، قوم اور ملک کا امن و امان خطرہ میں گھر جاتا ہے، اخلاق و اعمال کی مٹی پلید ہو جاتی ہے اور عفت و عصمت دم توڑ دیتی ہے۔

پست نگاہی کی تاکید یہی وجہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غضِ بصر کی تاکید فرمائی ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس مسئلہ کو دل نشین فرمایا ہے۔ حضرت علی سے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

یا علی لا تتبع النظرۃ النظرۃ فان لک الاولی ولیست لک الآخرۃ (مشکوٰۃ ص۲۶۹) اے علی! ایک بار نظر پڑ جانے کے بعد پھر دوبارہ نہ دیکھو کیونکہ تمہارے لیے صرف پہلی نظر معاف ہے، دوسری نہیں۔

پہلی نظر جو بغیر قصد پڑتی ہے اس میں انسان بڑی حد تک بے بس ہوتا ہے، اس لیے یہ معاف ہے، مگر پھر دوبارہ نگاہ نہیں ڈالی جا سکتی، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پہلی نظر ڈالنے کی اجازت ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلعم سے پوچھا کہ جو نظر دفعتاً پڑ جاتی ہے اس کے متعلق کیا ارشاد ہے، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میں اپنی نگاہ پھیر لوں۔

فامرنی اصرف بصری (ابن کثیر و مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ) مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنی نگاہ پھیر لوں۔

اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

اطرق بصرک (ابن کثیر) تو اپنی نگاہ جھکا لے۔

نگاہ پھیرنا مختلف طور پر ہوتا ہے، مقصد یہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو اس فتنہ سے جو سامنے ہی بچا لیا جائے، نظر پھیر لی جائے یا نیچی کر لی جائے یا اور کسی دوسری چیز پر نگاہ جمائے تاکہ نظر اس فتنہ سے محفوظ ہو جائے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

غضوا ابصارکم واحفظوا فروجکم (الجواب الکافی ص۲۰۲) اپنی نگاہوں کو پست کرو اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں فرمایا

ای شئی خیر للمرأۃ؟ عورت کے لیے کونسی چیز بہتر ہے

کسی نے جواب نہ دیا، سب کے سب خموش رہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس مجلس میں خود میں بھی شریک تھا، مجھ سے بھی کوئی جواب نہ بن پڑا جب گھر آیا تو میں نے حضرت فاطمہ سے پوچھا۔

ای شئ خیر للنساء؟ عورتوں کے لیے کونسی چیز بہتر ہے۔

حضرت فاطمہؓ نے برجستہ جواب دیا:-

لا یراھن الرجال (مجمع الفوائد ج ۱ ص ۴۱۳) سب سے بہتر یہ ہے کہ مردوں کی نگاہ سے عورتیں محفوظ رہیں

حضرت علیؓ اس جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جواب کا تذکرہ کیا، چنانچہ آپؐ بھی خوش ہوئے اور فرمایا "فاطمہ میرا ایک حصہ ہے"۔

راستہ پر مجلس جما کر بیٹھنے سے اسی وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عام گذرگاہ ہے، ہر طرح کے آدمی گزرتے ہیں، نظر بیباک ہوتی ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی پر نظر پڑ جائے اور وہ برائی کا باعث بن جائے صحابۂ کرام سے ایک دفعہ رحمت عالم صلعم نے فرمایا کہ راستوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو، صحابۂ کرام نے اپنی مجبوری پیش کی اور بتایا کہ اس سے کبھی چارہ کار نہیں ہوتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم کو جب ایسی مجبوری ہی ہو تو پھر راستہ کا حق ادا کرو، صحابۂ کرام نے پوچھا کہ راستہ کا کیا حق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

غض البصر وکف الاذی ورد السلام والامر بالمعروف والنھی عن المنکر۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۲ و مشکوٰۃ)

نگاہ نیچی رکھنا، اذیت کا روکنا، سلام کا جواب دینا اور بھلی بات کا حکم دینا، بری بات سے منع کرنا۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اکفلوا الی ستا اکفل لکم الجنۃ اذا حدث احدکم فلا یکذب واذا اوتمن فلا یخن واذا وعد فلا تخلف وغضوا ابصارکم وکفوا ایدیکم واحفظوا فروجکم۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۲)

تم چھ چیزوں کی کفالت کرو میں تمہارے لیے جنت کا کفیل بنتا ہوں۔ جب کسی سے بات بیان کرو تو جھوٹ نہ بولو جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرو اور وعدہ خلافی نہ کرو اور اپنی نگاہوں کو پست رکھو، اپنے ہاتھوں کو روکو اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔

اس حدیث میں جن چھ چیزوں کی ذمہ داری پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی کفالت فرما رہے ہیں ان میں غضِ بصر (نگاہ پست کرنا) اور حفظِ فروج (شہوت کی جگہ کی حفاظت) بھی ہے اس سے نظر کی اہمیت بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من مسلم ینظر الی محاسن المرأۃ اول مرۃ ثم یغض بصرہ الا احدث اللہ لہ عبادۃ یجد حلاوتہا (مشکوٰۃ ص۲۷۰) کوئی مسلمان جب پہلی مرتبہ کسی عورت کی خوبصورتی دیکھے پھر وہ اپنی نگاہ پست کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی عبادت میں شیرینی پیدا کرتا ہے۔

طبرانی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لتغضن ابصارکم و لتحفظن فروجکم (ابن کثیر ج۳ ص۲۸۳) تم ضرور اپنی نگاہیں پست رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

نگاہ پست رکھنے کے فائدے ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس کے زہر میں بجھائے ہوئے تیروں میں سے نظر بھی ایک تیر ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کی حفاظت کریگا اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی شیرینی میں بدل دیگا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں پائیگا۔[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شہوت کی جگہوں سے بچنے کا عہد کرے اس کے لیے جنت کی بشارت ہے۔

من یکفل لی ما بین لحییہ وما بین رجلیہ اکفل لہ الجنۃ (ابن کثیر ج۳ ص۲۸۳) جو شخص اس چیز کا کفیل بن جائے جو اس کی داڑھیوں (زبان) اور پاؤں کے درمیان (شرمگاہ) ہو تو میں اس کے لیے جنت کا کفیل بنتا ہوں۔

ابن کثیر نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام آنکھیں رو رہی ہونگی مگر ان میں کچھ آنکھیں خوش ہونگی۔ ایک وہ آنکھ جس کو محارم اللہ سے محفوظ رکھا گیا ہے اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستہ میں جاگنے کی صعوبت برداشت کی ہو اور تیسری وہ آنکھ جس نے خشیتِ الٰہی سے آنسو بہایا ہے۔[2]

اس ساری تفصیل کے بعد آسانی سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ رب العالمین نے

---

[1] ابن کثیر ج۳ ص ۲۸۲ [2] ایضاً

حفظِ ماتقدم کے طور پر جن بہت سی باتوں کا حکم دیا ہے ان میں نگاہ بھی ہے، اور شہوت کی جگہ سے مکمل اجتناب بھی، اور مقصد یہ ہے کہ عفت و عصمت جو انسان کے لیے نیز پوری قوم اور ملک کے لیے ایک بیش قیمت موتی ہے اس کی حفاظت کے تمام جائز طریقے برتنا ضروری اور انسانی فریضہ ہے، تاکہ انسانی سوسائٹی فتنہ و فساد کی آماجگاہ نہ بن سکے، اور ملک و شہر کا امن و امان خطرہ میں نہ گھرے۔

اس سلسلہ میں عورتوں کو خصوصی خطاب بھی کیا گیا ہے کیونکہ صیغۂ مذکر میں اصولی طور پر عورتیں بھی مخاطب تھیں، مگر پھر صیغۂ مؤنث لاکر ان کو مزید تاکیدِ شدید کی گئی ہے۔ خصوصی خطاب کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے متعلق خود قرآن نے کہا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ — مرغوب چیزوں کی محبت نے لوگوں کو فریفتہ کیا ہے جیسے عورتیں۔

جاہلی بے پردگی سے ممانعت اور یہی وجہ ہے کہ عورتیں حدود و قیود میں گھری نظر آتی ہیں شریعت مطہرہ نے ان پر ہر جگہ پہرہ لگا دیا ہے اور ان تمام خطرات کی حفاظت کی ہے جو ان کی ذات سے وابستہ ہیں، رات دن کے تجربات ہیں کہ عورتوں کی بیباکانہ چہل پہل مردوں کی جماعت میں ایک شورش پیدا کر دیتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى (احزاب۔۴) — اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور جاہلیت کے وقت میں دکھانے کا جو دستور تھا اس طرح دکھلاتی نہ پھرو۔

اس آیت کا شانِ نزول گو خاص ہے مگر حکم عام ہے، اس آیت میں رب العزت نے عورتوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ حدودِ شرعی کے اندر رہیں، جاہلیت کی رسم ترک کر ڈالیں۔

جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ عورتیں بن سنور کر مردوں میں بیباک گھومتی تھیں، زینت کی عجیب و غریب تدبیریں عمل میں لائی جاتی تھیں، دوپٹہ کو اس طرح ڈالتی تھیں کہ سینہ کا ابھار، گلے کے زیورات، کانوں کی بالیاں اور ان کی ہیئت فتنہ سامان ہوتیں، مرد اس ادا کو دیکھ کر مسحور ہو جاتے پھر جاہلیت میں عورتیں مٹکتی چلتی تھیں اور ان کا بانکپن اور ان کی ادائیں غضب ڈھاتی تھیں۔

اس لیے اسلام جب آیا تو اس نے اصلاح کی، عورتوں کو پہلے رسم و رواج سے روکا، اور پاک زندگی کا سلیقہ بتایا، پہلی بات یہ ہے کہ عورتیں گھر ہی میں رہیں اور ضرورتاً نکلیں تو جاہلیت کے طریقہ پر بن سنور کر نہ نکلیں۔

نزولِ حجاب یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اول اسلام میں پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا بلکہ ہجرت کے بعد پانچویں سال میں یہ حکم نازل ہوا حضرت فاروق اعظمؓ کو اس کی بڑی فکر تھی اور ان کی دلی خواہش تھی کہ پردہ کا حکم نازل ہو، انہوں نے مختلف طور پر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا حضرت عمر بن الخطابؓ کی جن قلبی خواہشوں کو رب العزت نے شرفِ قبولیت بخشا ان میں سے ایک یہ حجاب کا مسئلہ بھی ہے، صحیحین میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔

یارسول اللہ ان نساءک یدخل علیھن البر والفاجر فلو حجبتھن فانزل اللہ تعالیٰ آیۃ الحجاب۔ (بخاری کتاب التفسیر ج ۲ ص ۱۱)	آپ کی ازواج مطہرات کے پاس نیک و بد ہر طرح کے لوگ آتے ہیں کاش آپ ان کو پردہ میں رکھتے اس پر آیت حجاب اتری۔

اور ان کی اسی درخواست کے بعد یہ آیت نازل ہوئی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ (احزاب - ۷)	اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں بغیر اجازت نہ جاؤ۔

عورتوں سے استفادہ پردہ کی اوٹ سے یہ واقعہ حضرت زینب بنت جحشؓ کی شادی کے موقع پر پیش آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے جب شادی ہوئی تو لوگوں کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ کھانے کے بعد تمام لوگوں کو چل دینا چاہیے تھا، مگر تین آدمی بات چیت کرتے رہ گئے اور اس موقع پر وہاں بیٹھنے والوں کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچی، خود تو آپ حیا و شرم کی وجہ سے نہ فرما سکے مگر اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حجاب کے متعلق پوری ہدایت نازل فرما دی[1]۔ عورتوں سے ضروری استفادہ کی راہ بھی بند نہیں کی گئی بلکہ اس کا ایک معقول اور پاکیزہ تر

[1] بخاری کتاب التفسیر ج ۳ ص ۱۱۹۔

راستہ باقی رکھا، ارشاد فرمایا گیا :-

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ. (احزاب - ۷)

اور جب تم بیبیوں سے کوئی کام کی چیز مانگنے جاؤ تو پردہ کے باہر سے مانگ لو، اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے خوب ستھرائی ہو۔

یہ آیتیں گو شانِ نزول میں خاص ہیں، مگر حکم میں عام ہیں۔ تمام مسلمانوں کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ عورتوں سے جو کچھ لینا ہو پردہ سے لیں، مواجہ نہ ہونے پائے، تاکہ طرفین خود بھی محفوظ رہ سکیں اور دوسروں کو بھی غلط فہمی میں پڑنے نہ دیں۔

مخلوط سوسائٹی مضر ہے کوئی شبہ نہیں کہ عورت اور مرد کے میل جول کی حالت میں نفسِ انسانی کو بہکنے کا موقع ملتا ہے اور شیطان کے لیے دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا غنیمت راستہ ہاتھ آجاتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمیں عورتوں پر اعتماد نہیں ہے اور مردوں کو ہم شیطان سمجھتے ہیں، بلکہ ہم عورت اور مرد دونوں ہی کو قابلِ اعتماد اور لائقِ وثوق یقین کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی ہم اس کے بھی قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں شہوت ودیعت کی ہے، مرد عورت کی اس میں کوئی تفریق نہیں اور تاریخ کی روشنی میں ہم جانتے ہیں کہ دشمنوں اور بدباطنوں نے پاکدامن عورت و مرد پر تہمت ڈالی ہے اور اس سے پیدا شدہ شر و فتن بھی ہمیں معلوم ہیں، اس لیے عقل کی روشنی میں بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تدبیر اختیار کی جائے جس سے وہ راستے بند ہو جائیں جن سے ہو کر فتنہ و فساد کے چشمے ابلتے رہتے ہیں۔

تاریخِ اخلاقِ یورپ نے مرد و عورت کے باہمی میل جول کے نتائج جو سامنے پیش کر دیے ہیں اور خود ہمارے ملک میں کالج و یونیورسٹی کی ملی جلی زندگی نے جو تجربات فراہم کر دیے ہیں ان کو سامنے رکھ کر عقلاً بھی پردہ کا شرعی حکم بغیر افراط و تفریط سراپا رحمت ہے۔

مخلوط تعلیم کا اثر عفت و عصمت پر ایک خاتون ان الفاظ میں اپنی دلسوزی کا اظہار کرتی ہیں "جو لڑکیاں مخلوط تعلیم کی پیداوار ہیں ان کی اخلاقی سیرت کے متعلق یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مخلوط تعلیم

سے ان کی خلقی عصمت اور غیرت تباہ ہو جاتی ہے، اور ان میں زیادہ سے زیادہ مردانہ اوصاف پیدا ہو کر انہیں زیادہ سے زیادہ خراب کر دیتے ہیں، جس کے بعد گھریلو زندگی کے نظام سنبھالنے کے قابل نہیں رہتیں۔ موجودہ یونیورسٹیوں کی مخلوط تعلیم جو مغربی خطوط پر قائم ہے ہماری لڑکیوں کے لیے بے سود اور غیر ضروری ہے[۱]"

جن ملکوں میں مخلوط تعلیم عام ہے ان کے واقعات ملاحظہ فرمائیے۔ امریکہ کے متعلق وہاں کے جج لنڈسے کا بیان ہے:

"ہائی اسکول کی کم عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے صنفی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے[۲]"

اسی جج لنڈسے کا بیان ہے:

"اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم ۴۵ فیصدی لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکتی ہیں[۳]"

ایک مغربی خاتون مسز ڈورن تھی ہال اپنے مضمون "عورتوں کی تعلیمی دقت" میں رقمطراز ہیں:

"آخر میں یہ امر قابل توجہ ہے کہ مخلوط طریقۂ تعلیم میں اگرچہ دعویٰ کتنا بھی کیا جائے۔ ان جذباتی دقتوں کا ازالہ نہیں ہوتا جو نوجوانوں میں صنفی شعور کے آغاز سے پیدا ہو جاتی ہیں اور جو بعض طبائع کے لیے مطالعہ میں کامل انہماک کی راہ میں حقیقی رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں جو چودہ اور اٹھارہ برس کی درمیانی مدت میں ناگزیر ہیں۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین روزمرہ کے اختلاط کے نتیجہ کے طور پر نہ صرف جذباتی تعلقات پیدا ہو سکتے ہیں، بلکہ مطالعہ اور ضبطِ زندگی کے لیے اور بھی زیادہ تباہ کن یہ بات ہے کہ بعض اوقات شاگرد استاذ ول سے جذباتی وابستگی پیدا کر لیتے ہیں[۴]"

یہ جو کچھ پیش کیا گیا ملاؤں کے بیان نہیں، سب جدید تعلیم یافتہ مرد و عورت کے بیانات

۱ھ زمزم لاہور۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء ۲ھ پردہ از مولانا مودودی ص۱۰۱ ۳ھ ایضاً ص۶۵ ۴ھ ندائے حرم جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

ہیں اور تجربہ کے بعد دیے گئے اور لکھے گئے ہیں۔ جب تعلیمی اداروں اور تعلیم یافتہ طبقہ کا یہ حال ہو پھر عوام کے متعلق آپ کیا رائے قائم کریںگے۔

آپ یقین فرمائیں کہ اسلام کی تعلیمات بڑی دور اندیشانہ اور انسانی نفسیات کے بالکل مطابق ہیں۔ عفت و عصمت کے بچاؤ کی شکل یہی ہے کہ اسلام کی تعلیم کو رواج دیا جائے اور اُسے جزوِ زندگی بنایا جائے۔

پاکیزہ نفس و پاکدامن عورتوں کے امتیاز کی ضرورت

کوئی ذی عقل اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مختلف طبیعتوں کے لوگ ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں، جہاں نیک لوگ بستے ہیں وہیں کچھ بدطینت لوگوں کا بھی بسیرا ہوتا ہے جو ہر وقت ٹوہ میں رہتے ہیں اور جن کی نگاہیں بیباک ہوتی ہیں اور اس جماعت میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں، مگر جو لوگ اس طرح کے ہوتے ہیں وہ اپنے رہن سہن اور طور طریقہ کے اعتبار سے بڑی حد تک جانے پہچانے جاتے ہیں بدکار مردان عورتوں کو خواہ مخواہ چھیڑنے کی جرأت کرتے ہیں جن کے متعلق ان کو کسی ڈھنگ سے معلوم ہو جائے کہ یہ دوسری قبیل سے ہیں، اس لیے اسلام جب آیا اور واقعات بھی اس طرح پیش آئے تو ارشادِ ربانی ہوا۔

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔ (احزاب - ۸)	اے نبی اپنی عورتوں اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں لٹکا لیں، اس میں زیادہ امید ہے کہ وہ پہچانی پڑینگی تو ان کو کوئی نہ ستائیگا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پاکدامن اور مومن عورتیں اپنا دوپٹہ باضابطہ رکھ لیا کریں، جس سے نمایاں طور پر معلوم ہو کہ یہ شریف طبقہ کی عورتیں ہیں، زناکار اور بدچلن نہیں ہیں، تاکہ فاسق اور بدکار مردوں کو معلوم رہے اور وہ اپنی شرارت کی وجہ سے ان کو چھیڑنے کی ہمت نہ کریں۔

دستور بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ وہ عورتیں جو خاص طرز کا لباس پہنتی ہیں یا خاص طور پر بن سنور کر نکلتی ہیں اور اپنی خوبصورتی اور زینت کا اعلان کرتی ہیں ان کے متعلق آج تک مرد کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے، اور جو مرد دوسرے قماش کے ہوتے ہیں، موقع پاکر آنکھ لڑانے کی سعی کرتے ہیں بخلاف ان عورتوں کے، جن کو اپنی عزت و آبرو کا پاس رہتا ہے عصمت مآب اور دیندار ہوتی ہیں ان کے رہن سہن ہی سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے اور کوئی بھول کر بھی ان سے الجھنے کی کوشش نہیں کرتا، اس آیت کے ضمن میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی تحریر فرماتے ہیں :-

"یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیں۔ روایات میں ہے اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لیے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہیے"۔

عہد نبوی میں امتیازی لباس کا حکم

عہد نبوی میں بھی کچھ بدمعاش یہودی اور منافق اس طرح کے تھے جو عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور دوسری قسم کی عورتوں کے ساتھ بعض پاکدامن شریف عورتیں بھی ان کی چھیڑ چھاڑ سے نہیں بچتی تھیں، دوپٹہ اور چادر بڑھا کر آپ نے لباس میں امتیاز پیدا کر دیا۔ اس امتیاز پیدا کر دینے کے بعد خود رب العالمین نے فرمایا :

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ	اگر منافق لوگ اور جن کے دلوں میں روگ ہے باز نہیں آئے
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ	اور جھوٹی خبریں مدینہ میں اڑانے والے باز آئے تو پھر
لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ	بلاشبہ ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دینگے پھر وہ تیرے ساتھ
اِلَّا قَلِيْلًا (احزاب - ۸)	تھوڑے دنوں کے علاوہ شہر میں رہنے نہ پائینگے۔

اس امتیازی شان کے بعد بھی اگر کسی بدطینت نے کسی پاکدامن عورت کو چھیڑا تو اس کو معاف نہیں کیا جائیگا، اور عہد نبوی میں ایسا ہی ہوا۔ یہودی جلاوطن ہوئے۔

کہنا یہ ہے کہ اولاً تو قرآن کا مطالبہ ہے کہ عورتیں بغیر ضرورت گھر سے باہر نہ پھریں، جیسا کہ

قرآن کی اس سلسلہ کی پہلی آیت (وقرن فی بیوتکن) میں اشارہ گزرا، بلکہ قرآن کا صراحتاً حکم گزرا ہے ارشادِ نبوی ہے۔

ان المرأة عورة فاذا اخرجت استشرفها الشیطان واقرب ما تکون بروحة ربها وھی فی قعر بیتھا (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۲)

عورت ستر ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اُسے جھانکتا ہے اور اس کے لیے اپنے گھر کے گوشہ میں ہی رہنا باعث رحمت الٰہی ہے۔

گھر سے باہر آنے کے شرعی آداب

ثانیاً قرآن پاک کا مطالبہ ہے کہ اگر ضرورت کی وجہ سے ان کو نکلنا ہی پڑے تو نگاہیں پست رکھیں، اور شہوت کے مقام سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں مثلاً مرد و عورت کا ملا جلا کلب گھر اور مخلوط سوسائٹی، سنیما، تھیٹر اور اس طرح کی دوسری جگہوں سے مکمل اجتناب رکھیں، جس کا حکم قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ الخ میں گزرا، پھر یہ کہ نکلیں تو ستر کو چھپا کر، اور آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے، بجز ہتھیلی اور چہرہ کے، جس کا ذکر لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں ہے، ثالثاً باہر نکلیں یا کسی کے سامنے آئیں تو چادر (دوپٹہ) اوپر سے ڈال لیں، اور بدن کا تراش وخراش ظاہر نہ ہونے دیں، جیسا کہ ابھی آیت گزری یُدْنِیْنَ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ اور دوسری جگہ قرآن پاک نے اعلان کیا:

وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ (نور ۴) اور اپنی اوڑھنی عورتیں اپنے گریبان پر ڈال لیں

دوپٹہ ڈالنے کا طریقہ

خمار لغت میں اس دوپٹہ کو کہتے ہیں جس کو عورت اپنے سر پر ڈالتی ہے سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ سر پر سے لا کر سینوں پر اس طرح ڈالا جائے کہ جسم کے اُبھار اور مواضع زینت میں سے کوئی حصہ نظر نہ پڑے اس طرح ہرگز نہ ہو کہ دوپٹہ کا آنچل پیچھے کی طرف ڈال لیا جائے جس سے سینہ کا ابھار نہ چھپ سکے بلکہ اس میں اور ابھار پیدا ہو جائے، جیسا کہ جاہلیت کے دور میں رواج تھا، اور جس کو اسلام مٹانے آیا تھا، یہاں یہ حکم ہے کہ قمیص کے اوپر دوپٹہ اس طرح ڈالا جائے کہ پوری ستر پوشی ہو سکے۔

ہمارے شعراء کرام کے یہاں جوبن کے ابھار کو جو جگہ حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اور

طبعاً نیز شعرا وغیرہ کا تازہ کردہ احساس بسا اوقات آدمی کو اس اُبھار کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اس لیے موجودہ دور میں اور بھی ضرورت ہے کہ اس کی پوری ستر پوشی عمل میں لائی جائے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں :-

یرحم اللہ نساء المھاجرات الاول لما	اللہ اول ہجرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے جب
انزل اللہ (ولیضربن بخمرھن الخ) شققن مروطھن	دوپٹہ کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے اپنی چادریں
فاختمرن بھا (بخاری کتاب التفسیر مصری صـ۱۳ ج ۳)	پھاڑ پھاڑ کر دوپٹہ بنالیا۔

ابن کثیر نے اور بھی بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں اس آیت پر پورا پورا عمل کیا گیا۔

اظہار زینت وغیرہ کی ممانعت رابعاً نکلیں تو کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جس سے زینت کا اظہار ہو یا دوسروں کی توجہ اس کی طرف کھینچے۔ نہ ظاہری طور پر ایسی بات ہو اور نہ باطنی طریقہ پر، بلکہ ہر طرح ظاہر و باطن پاک ہو۔ باطن کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

یَعۡلَمُ خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ	وہ آنکھوں کی چوری اور دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔

اور ظاہر کے متعلق ہدایت فرمائی۔

وَلَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِہِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ	اور عورتیں اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں کہ ان کی مخفی
مِنۡ زِیۡنَتِہِنَّ وَتُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا	زینت جانی جائے۔ اور اے ایمان والو سب مل کر
اَیُّہَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (نور ۴)	اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم بھلائی پاؤ۔

عورتیں عموماً پاؤں میں مختلف اور متعدد زیورات پہنا کرتی ہیں، بعض زیور بنایا ہی اس طرح جاتا ہے کہ جب عورتیں اس کو پہن کر چلیں گی اس میں آواز پیدا ہوگی جیسے گھونگرو وغیرہ اس طرح کے زیورات بالکل ممنوع ہیں، شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ اور بعض زیور خود تو نہیں بجتے، ہاں دوسرے زیور سے ٹکرا کر آواز دیتے ہیں جیسے چھڑا اور کڑا وغیرہ اس طرح کے زیورات گو پہننا جائز ہیں مگر احتیاط کا حکم ہے کہ چلنے میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر آواز نہ پیدا

کریں پھر ان کو پہننے اور پہن کر چلنے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان کی چمک و دمک دوسروں کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر رہی ہوں کیونکہ آواز ہو یا چمک دمک بسا اوقات یہ بھی فتنہ و فساد بن جاتی ہے۔

اس سے یہ بات بھی بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب زیورات کے اِخفا کا حکم ہے اور ان کی آواز کے متعلق احتیاط اور ممانعت کا حکم ہے۔ تو جن اعضا میں یہ زیورات پہنے جاتے ہیں ان کے اِخفا کا تو بدرجہ اولیٰ حکم ہوگا اور شریعت میں ان اعضاء کے ستر کا تاکیدی حکم ہے بھی۔ پس معلوم ہوا کہ زیورات اور ان کے اعضا سب کی ستر پوشی کا حکم ہے۔

لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ کے ضمن میں بیضاوی کہتے ہیں یہ اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ آواز مردوں میں عورتوں کی خواہش پیدا کرتی ہے۔ نیز فرماتے ہیں یہ تعبیر اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ اظہارِ زینت سے منع کیا جاتا یا بلند آوازی سے روکا جاتا (کیونکہ اس تعبیر میں یہ سب خود بخود داخل ہو گئے)

تفسیر کبیر میں ہے کہ انسانی فطرت ہے کہ جب مرد عورت کی پازیب کی آواز سنتا ہے تو اس کے جنسی میلان میں تلاطم پیدا ہونے لگتا ہے اور عورتوں کو دیکھنے کی خواہش میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک آزاد کردہ لونڈی حضرت زبیرؓ کی صاحبزادی کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں لے گئیں۔ لڑکی کے پاؤں میں بجنے والا زیور تھا، حضرت عمرؓ نے اُسے کاٹ ڈالا اور فرمایا، میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا "مع کل جرس شیطان" عن ابی داؤد۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ایک عورت بجنے والا زیور پہن کر جانے لگیں تو انہوں نے روک دیا اور فرمایا اسے اتار کر آؤ۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلعم کو فرماتے سنا:

لا تدخل الملائکة بیتاً فیه جرس — اس گھر میں فرشتہ داخل نہیں ہوتا جس میں گھنٹی ہوتی ہے۔

(فتاوی عبدالحی اُردو جلد ۲ صفحہ ۲۷۵)

خوشبو مل کر نکلنے کی ممانعت اس آیت میں جو علت بیان کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوا، کہ کوئی ایسی چیز نہ کی جائے کہ وہ دوسروں سے عورت کی مخفی باتوں کی چغلی کرتی ہو، یا ان کو عورت کی طرف متوجہ

کرتی ہے، لہذا معلوم ہوا، خوشبو اور عطر اور سینٹ لگا کر گھر سے باہر نہ نکلیں، حدیث میں عورتوں کے لیے مسجد کی اجازت مذکور ہے، مگر وہاں بھی گو وہ عبادت کے لیے خدا کے گھر میں حاضر ہو رہی ہیں، خوشبو مل کر نکلنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ ہدایت ہے کہ کپڑوں میں بھی چمک دمک نہ ہو معمولی اور استعمال کے کپڑوں میں مسجد آئیں[1]۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عورتوں کو اگر ضرورت کی وجہ سے نکلنے کی حاجت ہو تو اس طرح نکلیں کہ وہ دوسروں کے لیے جاذب نظر نہ ہوں، ایک حدیث ہے:

کل عین زانیۃ والمرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ (ابن کثیر ۲۸۶/۳) — ہر آنکھ زانیہ ہے اور جو عورت خوشبو لگا کر مجلس پر گزرتی ہے، وہ بھی زانیہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی ایک عورت سے ملاقات ہو گئی جس سے خوشبو پھوٹ رہی تھی، دریافت فرمایا، مسجد سے آ رہی ہو؟ بی بی نے کہا، ہاں۔ فرمایا خوشبو ملے ہوئی ہو؟ انہوں نے کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا، میں نے اپنے محبوب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے اس کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا ہے۔ چنانچہ وہ پلٹی ہیں تو اپنے کپڑوں کو خوب اچھی طرح دھویا[2]۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الرافلۃ فی الزینۃ فی غیر اھلھا کمثل ظلمۃ یوم القیامۃ لا نور لھا۔ — اپنے اہل وعیال کے سوا دوسرے لوگوں میں بن سنور کر جانا ایسا ہے جیسے قیامت کے دن کی تاریکی جس کے لیے کوئی روشنی نہ ہو۔

(ترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ خروج النساء فی الزینۃ)

عام گزرگاہ سے اجتناب کا حکم

اوپر جو آیت ذکر کی گئی اس سے یہ بھی کنایۃً معلوم ہوا کہ فتنہ سے بچنے کی خاطر عام راستہ سے نہ گزریں جہاں مردوں کی ریل پیل ہو، بلکہ وہ کنارے سے ہو کر گزر جائیں۔ مسجد میں جہاں ان کو حاضری کی اجازت ہو وہیں ان کو حکم ہے کہ پچھلی صف میں ملیں

[1] اس سلسلہ میں میری کتاب "اسلام کا نظام مساجد" کا یہ باب دیکھیں ۱۲ منہ [2] ابن کثیر ۲۸۶/۳

حدیث میں صراحت ہے:

خیر صفوف النساء اٰخرھا وشرھا اولھا، رواہ مسلم (ریاض الصالحین ۱۵۵)	عورتوں کے لیے بہترین صف اس کی پچھلی صف ہے اور اس کی اگلی بدترین صف ہے۔

اور مردوں کے لیے اسی حدیث میں مذکور ہے کہ ان کے لیے بہترین صف پہلی ہے اور بدترین آخری اسی طرح مسجد سے واپسی میں ہدایت تھی کہ عورتیں پہلے آجائیں تب مرد مسجد سے چلیں، اور یہ کہ اگر مردوں کا ساتھ ہو جائے تو راستہ کے کنارے ہو جائیں۔ ایک دفعہ ایسا ہو گیا تو آپ نے فرمایا:

استأخرن فانه لیس لکن ان تحققن الطریق علیکن بحافات الطریق (ابن کثیر ج۳ ص۲۸۶)	عورتیں پیچھے ہو جائیں، عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ راستہ کے کنارے سے چلیں۔

اس حکم کے بعد عورتوں کا اسی پر عمل رہا، اس طرح چلتی تھیں کہ ان کا کپڑا دیوار سے لگتا ہوتا تھا

اسلام میں احترام عفت

آج کون ایسا عقلمند ہے جس کو دنیا کا تھوڑا بہت بھی تجربہ ہو اور وہ ان ہدایات کی حکمتوں کا انکار کردے، جو قوم اور جماعت ان ہدایات کو نہیں برتا کرتی وہاں عفت وعصمت خطرہ میں گھر جاتی ہے۔ جس کی خبریں رات دن ہم اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں، صدق لکھنؤ کا فائل دیکھ جائیے اس میں اس طرح کی سیکڑوں خبریں مل جائینگی کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بغیر قصد و ارادہ بھی نوجوان تیرِ نظر کا شکار ہو جاتے ہیں، اور دلدادۂ جاناں پر فریفتہ ہو کر جان کی بازی لگا دیتے ہیں، اسلام نے فروع سے صرف نظر کیا ہے مگر اصل حقیقت کو خوب سمجھا ہے، اور ان تمام راہوں پر آہنی دیوار کھینچ دی ہے جن سے فتنوں کے داخلہ کا خطرہ ہو سکتا ہے، اور اس طرح عفت وعصمت کے دامن کو داغدار ہونے سے بچا لیا ہے۔

بات کرنے میں لوچ نہ ہو

اسی حد تک بس نہیں ہے، اسلام نے اس کا حکم بھی دیا ہے کہ اگر وہ کسی اجنبی مرد سے اپنے شوہر کے علاوہ مجبوراً باتیں کریں، گو وہ پردہ کی اوٹ سے ہو، تو بھی باتوں میں لوچ اور شیرینی پیدا نہ ہونے پائے تاکہ کسی بدطینت کو شرارت کا موقع نہ ملے، ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا۔ (احزاب ۴)

اور دبا کر باتیں نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ للچا کرے، اور تم معقول بات کہو۔

اپنے شوہر کے ساتھ بات کرنے کا جو طریقہ ہے وہ بس اسی کے لیے خاص ہے، دوسروں کے لیے وہ طرزِ گفتگو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ غیر سے جو بات کی جائے وہ صاف اور کھلی ہو عشوہ وادا کے ساتھ گفتگو ہرگز نہ کی جائے اور گفتگو میں لب ولہجہ خشک ہی رکھا جائے، لگی لپٹی باتیں جس سے مرد کے شیطانی نفس کو حیلہ کی راہ سوجھتی ہے اس سے بالکلیہ اجتناب ضروری ہے۔

فقہاء نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عورت کی آواز ستر نہیں ہے ضرورت کے وقت وہ اجنبی سے بول سکتی ہے، ہاں کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ عورت کی آواز بھی ستر ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسی گفتگو جس میں لوچ ہو، عورت کے لیے جائز نہیں ہے، یا بغیر ضرورت مردوں سے بات چیت کی آزادی نہیں ہے

صاحب ردالمحتار نے علامہ مقدسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے "کہ کوئی نا سمجھ صوت المرأة عورة (عورت کی آواز ستر ہے) کا مطلب یہ نہ سمجھے کہ بات چیت کو ہم ناجائز کہتے ہیں۔ بلکہ ہم تو بوقت ضرورت اجنبیوں کے لیے عورتوں سے کلام کو جائز کہتے ہیں، ہاں ہم یہ جائز نہیں سمجھتے کہ عورتیں تیز آواز میں بولیں، لوچدار گفتگو کریں، آواز میں شیرینی اور جاذبیت پیدا کریں، جس سے مردوں کے دل ان کی طرف کھنچیں اور ان کے جنسی میلان میں تحریک پیدا ہو، اور یہی وجہ ہے کہ ہم عورتوں کو اذان دینے کی اجازت نہیں دیتے کہ عموماً اس میں خوش آوازی سے کام لیا جاتا ہے۔"[1]

محرم کے لیے رعایت اسلام نے اظہارِ زینت، بے پردگی، چبا کر بات چیت کرنے اور اس طرح کی دوسری چیزوں سے سختی کے ساتھ روکا ہے، البتہ اپنے ان خصوصی رشتہ داروں کے سامنے آنے کی اجازت دی ہے جن کو اپنے خصوصی رشتہ کی وجہ سے طبعاً عورت کے لیے خیر کی خواہش ہوتی ہے، جیسے باپ، اپنا خاص بھائی، اپنا لڑکا اور اپنا خاص بھتیجا وغیرہ۔ قرآنِ پاک

---

[1] ردالمحتار۔ ج ۱، ص ۲۸۳۔

میں ارشادِ ربانی ہے :-

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ	اور اپنی زینت عورتیں نہ کھولیں مگر اپنے خاوند کے لیے
اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ	یا اپنے باپ کے آگے، یا اپنے خاوند کے باپ کے یا
اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ	اپنے خاوند کے بیٹے کے، یا اپنے بھائی کے، یا اپنے بھتیجوں
اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ	کے یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنی عورتوں کے یا اپنی
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ	لونڈیوں کے، یا خدمت میں مشغول رہنے والوں
اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ	کے جو مرد کچھ غرض نہیں رکھتے، یا لڑکوں کے جو لڑکوں
الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ	نے ابھی عورتوں کے بھید کو نہیں پہچانا۔
النِّسَآءِ (نور - ۴)	

اس آیت میں جہاں بھائی کا ذکر ہے اس سے صرف اپنا حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائی مراد ہے۔ چچا زاد بھائی، ماموں زاد بھائی، پھوپھا زاد بھائی اور اس طرح کے دوسرے وہ بھائی مراد نہیں ہیں جن سے شادی کبھی بھی جائز ہو سکتی ہے ان سے بھی پردہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح غیروں سے۔

محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی شادی درست نہ ہو اور ابدائے زینت صرف انہی کے سامنے جائز ہے جو محرم ہیں، ہندوستان اور غیر ملک میں چچا زاد اور ماموں زاد بھائی وغیرہ سے جو بے پردگی کا رواج ہے شریعت کے خلاف ہے، بھائی کے لڑکے سے مراد آیت میں اپنا سگا علاتی اور اخیافی بھائی کا لڑکا ہی مراد ہے، دوسرے بھائیوں کے لڑکے مراد نہیں ہیں۔ اسی طرح بہن کے بیٹوں میں صرف حقیقی، علاتی اور اخیافی بہن کے لڑکے شریک ہونگے، غیر نہیں، اپنی عورتوں سے آیت میں دین کی شریک بہنیں مراد ہیں۔ کافر عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے کہ وہ اجنبی مرد کے حکم میں داخل ہیں، ہاں کافر لونڈیوں سے پردہ نہیں ہے۔ غلام بھی اجنبی مرد کے حکم میں ہی ہے، ان سے بھی پردہ ہوگا اگر یہ بالغ ہوں۔

مردوں میں جو نابالغ ہوں یا کم عقلی کی وجہ سے عورت مرد کی اس کو تمیز نہ ہو اور عورت سے اس کو کوئی رغبت ہو، ان سے پردہ ضروری نہیں ہے بقیہ تمام بالغ مردوں سے پردہ عورت کے لیے ضروری ہے، گو وہ بوڑھا ہو، عنین ہو یا مجبوب ہو۔

جن کے سامنے ابداء زینت کی اجازت ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کیا ہی جائے ہاں ان کے سامنے کسی وجہ سے ظاہر ہو جائے تو شرعاً مضائقہ بھی نہیں ہے مگر جن حصوں کا کھولنا جائز ہے وہ ہتھیلیاں اور چہرہ ہے، جیسا کہ اوپر قرآن کی آیت گزر چکی ہے اور زیادہ سے زیادہ محرم کے سامنے وہ اعضاء بھی ضرورتاً کھولے جا سکتے ہیں جن میں زیور پہنے جاتے ہیں، میری مراد کان، بازو اور گردن وغیرہ سے ہے، ہاں شوہر سے کسی حصہ کا اخفا ضروری نہیں ہے، البتہ ادب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی شرمگاہ نہ دیکھے۔

مخنث عورتوں میں نہ آئے مخنث کو بھی عورتوں میں آنے کی اجازت نہیں ہے، ابتدا میں اجازت تھی۔ ایک مخنث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آتا تھا، لوگوں کا خیال تھا کہ اس کو عورتوں کی ذات میں کوئی توجہ نہیں، مگر تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس کو بھی عورتوں کے حسن و جمال سے مناسبت ہے، چنانچہ ایک دن وہ بیٹھا کسی عورت کی آمد کا نقشہ کھینچ رہا تھا، اس کی خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے فرمایا:

الا اری هذا یعلم ما ههنا لا ید خلن علیکم (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰۵)

یہ یہاں کی باتیں جانتا ہے اب یہ تمہارے پاس نہ آنے پائے۔

اور اس کے بعد اسے عورتوں میں آنے سے روک دیا گیا۔

مراہق کے لیے ہدایت شریعتِ مطہرہ نے مراہق (یعنی قریب البلوغ) لڑکے کو بھی عورتوں میں میں آنے کی اجازت نہیں دی اور نہ عورتوں کو ان کے سامنے ابداء زینت کی۔ مراہق کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایاکم والدخول علی النساء (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ) عورتوں کے پاس آنے جانے سے پرہیز کرو۔

شوہر کے عزیز و قریب سے اجتناب

شوہر کے رشتہ داروں کے سامنے ہونے اور مذاق کرنے کا جو رواج ہندوستان میں ہے وہ بھی شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے، وہ شوہر کا بھائی ہو یا کوئی اور عزیز، محرم میں صرف شوہر کا باپ داخل ہے، دوسرا کوئی نہیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شوہر کے عزیز و قریب (جیسے بھائی وغیرہ) کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

الحمو الموت (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ) شوہر کے رشتہ دار عزیز (بھائی وغیرہ) موت ہیں۔

یعنی ان سے تو اور بھی پرہیز کرنا چاہیے، جو غیر محرم ہیں اور قرابت دار ہیں ان کے نزدیک جانا بھی نہیں چاہیے اس لیے کہ اقارب سے فتنہ کا خوف بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے اور فتنہ میں پڑنے کا زیادہ امکان ہے، کیونکہ یہ تو بے دھڑک پہنچیں گے۔[۱]

کسی مرد سے تنہائی میں نہ ملے

اسلام ان تمام خطروں سے عفت و عصمت کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے جن سے عفت پر حرف آسکتا ہے، کسی مرد کا عورت سے تنہائی میں ملنا جس قدر خطرہ کا باعث ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ پھر مزید اس سے تہمت جو خواہ مخواہ آئیگی وہ بھی پوشیدہ نہیں، اس لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا، ارشاد نبوی ہے۔

لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثھما الشیطان۔ (مشکوٰۃ ص ۲۶۹)

کوئی مرد کسی عورت سے تنہائی میں نہیں ملتا ہر گز تیسرا شیطان موجود رہتا ہے۔

ایسی حالت میں شیطان جانبین کی شہوت میں ابھار پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے اور مرد و عورت دونوں کے قلب میں برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے، یہاں کامیابی نہیں ہوتی، تو کسی تیسرے کو بہکاتا ہے کہ ان کے حق میں سوئے ظن کا اظہار کرے، اور اس طرح ناکردہ گناہ میں کلنک کا ٹیکہ لگانا چاہتا ہے۔

اس مہذب زمانہ میں برائی کا سبب بہت کچھ یہی طریقہ ہے کہ عورتیں بیباکانہ تنہائی میں اجنبی مردوں سے ملتی ہیں، اور باتوں باتوں میں مرد عورت پر اپنی محبت کا غلط سکہ بٹھانا چاہتا ہے۔

[۱] حاشیہ ترمذی ج ۱ ص ۱۴۰ عن اللمعات ۱۲

جن کے شوہر گھر میں نہیں ان سے بچو

ایک حدیث میں ہے کہ ان عورتوں کے پاس ملنے کے لیے نہ جایا کرو، جن کے شوہر گھر میں نہیں ہیں، اور اس ممانعت کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ شیطان خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شہوت میں تحریک پیدا کردے۔

فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم (مشکوٰۃ ص ۲۶۹) — اس لیے کہ شیطان تم میں خون کے دوران کی طرح دوڑتا رہتا ہے۔

اسی حدیث میں ہے کہ راوی نے خود ذات بابرکت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے فرمایا میرا بھی یہی حال تھا، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شیطان پر مجھے غلبہ حاصل ہوگیا اور اب اس سے ہر طرح محفوظ ہوں۔

ومنی ولکن اللہ اعانني علیه فاسلم (مشکوٰۃ ص ۲۶۹) — اور میرا بھی یہی حال تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اعانت فرمائی اب وہ تابع ہے۔

ان حدیثوں کی روشنی میں مرد و عورت کی باہمی کشش کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے موجودہ دور میں جو کچھ فتنے پیدا ہوتے رہتے ہیں ان سے بھی اس کی پوری تائید ہوتی ہے اور ہر ذی عقل حدیث کے اس نقطۂ نظر کے ماننے پر مجبور ہے۔

ام المومنین صفیہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت معتکف تھے، میں ایک رات آپ سے ملنے گئی۔ چنانچہ میں نے آپ سے بات چیت کی، پھر اٹھی کہ واپس چلی چلوں، میرے ساتھ آنحضرت بھی ہولیے تاکہ مجھے گھر تک پہنچا دیں، ہم دونوں جارہے تھے کہ دو انصاری بزرگ گزرے اور جب ان لوگوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو اور جلدی سے چل دیے۔ آپؐ نے ان دونوں سے فرمایا۔ اطمینان سے جاؤ یہ میرے ساتھ صفیہ بنتِ حی ہیں ان دونوں نے کہا سبحان اللہ یا رسول اللہؐ، یعنی کیا آپؐ کے متعلق بھی بدگمانی ہوسکتی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا

ان الشیطان یجری من ابن اٰدم مجری الدم — آدمی میں شیطان خون کی طرح دوڑتا پھرتا ہے میں
وانی خشیت ان یقذف فی قلوبکما شرا او — ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ تم دونوں کے دل میں کوئی

قال شیئاً متفق علیہ　　　بات نہ ڈال دے۔

(ریاض الصالحین کتاب الملح والمنثورات۔ ص ۶۸۳)

جدید تحقیقات ہماری تائید میں

اب تک اس باب میں قرآن پاک، احادیث اور عقلِ انسانی کی روشنی میں بحث کی گئی مگر کچھ لوگوں کو اس وقت تک تسکین نہیں ہوتی، جب تک وہ اہلِ یورپ کی رائے نہیں ملاحظہ کر لیتے، چنانچہ ایسے روشن خیال طبقہ کے لیے انسائیکلوپیڈیا وغیرہ کے حوالہ سے کچھ اقوال نقل کیے جاتے ہیں جن سے ہمارے مطمح نظر کی مزید تائید ہوتی ہے

رومن امپائر جو تمام یورپ کی ماں ہے اور جو حکومت تمدن و تہذیب کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھی، یہاں رومن امپائر میں بھی عروج و ترقی کے زمانہ میں عورتیں پردہ ہی میں رکھی جاتی تھیں ان کو باہر کے کاموں سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ انیسویں صدی کی انسائیکلوپیڈیا میں مذکور ہے

"رومانوں کی عورتیں بھی اسی طرح کام کاج پسند کرتی تھیں، جس طرح مرد پسند کرتے ہیں اور وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں، ان کے شوہر اور باپ بھائی صرف میدانِ جنگ میں سرفروشی کرتے رہتے تھے، خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد عورتوں کے اہم کام یہ تھے کہ وہ سوت کاتیں اور اون کو صاف کر کے اس کے کپڑے بنائیں، رومانی عورتیں سخت پردہ کیا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان میں جو عورت دایہ گری کا کام کرتی تھی، وہ اپنے گھر سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتی اور اس کے اوپر ایک موٹی چادر اوڑھتی جو ایڑی تک لٹکتی رہتی، پھر اس چادر پر بھی ایک عبا اور اوڑھی جاتی جس کے سبب سے اس کی شکل کا نظر آنا تو کیا جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا[1]

عورتوں کی بے پردگی کا نتیجہ

اس دور میں اس ملک اور قوم کی ترقی و عروج کا آفتاب نصف النہار پر تھا، تمام شعبہائے زندگی میں سب سے فائق تھے، مگر ٹھیک یہی زمانہ تھا کہ ان کو عیش پرستی اور لہو لعب کا شوق پیدا ہوا اور پھر اس سلسلہ میں مردوں نے اپنی ہر مجلسِ نشاط میں عورتوں کو

[1] مسلمان عورت صفحہ ۱۵۶

شریک کرنا چاہا کہ ان کے بغیر مجلس سونی اور بے رونق معلوم ہو رہی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کو پردہ کی قید سے باہر نکالا، اور ان کے دامنِ عصمت کو داغدار بنانے کی سعی کی، اور کچھ ہی دنوں میں ان کی عورتیں ناچ و رنگ کی محفلوں میں کھل کر آگئیں۔ پھر رومانی حکومت کا کیا حشر ہوا...؟ بربادی شروع ہو گئی اور ساری عظمت و شوکت کی عمارت زمین پر آگئی اور بلاشبہ اس بربادی کا بڑا سبب عورتوں کی آزادی ہی تھی، تاریخ کی روشنی میں علامہ فرید وجدی تحریر فرماتے ہیں:

مگر بات یہ ہوئی کہ جب انہیں بے پردہ بنایا گیا تو باقتضائے فطرت مردان پر مائل ہونے لگے اور اس کے لیے آپس میں کٹنا مرنا شروع کر دیا، یہ ایک ایسی سیاسی حقیقت ہے، جس کے ماننے میں کوئی شخص بحث ہی نہیں کر سکتا ہے[1]۔

علامہ لوکس پیرول نے ریویو آف ریویوز جلد ۱۰ میں "پولیٹکل فساد" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے، اس میں کہتا ہے کہ "اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی بنیادیں منہدم کرنے میں سب سے زبردست کارکن عورت رہی ہے[2]" پھر آگے چل کر رقمطراز ہے:-

"رومانی جمہوری حکومت کے پچھلے دور میں مدبرانِ سلطنت اور اعیانِ مملکت نازک مزاج اور عیش پسند عورتوں کی صحبت بہت پسند کرنے لگے تھے، اور ایسی عورتیں ان دنوں بکثرت پائی جاتی تھیں[3]"

مرد و عورت کے آزادانہ میل جول کا انجام

پھر عورتوں کے بے پردہ ہونے اور آزادی پانے کے بعد ملک کی کیا حالت ہوئی؟ تاریخ میں پڑھیے، عورتوں کی آزادی کی وجہ سے ملک کے اخراجات بہت زیادہ بڑھ گئے، فتنہ و فساد کے چشمے ابلنے لگے، ان کے اخلاق و اعمال نے تعفن پیدا کر دیا اور پھر ہوا یہ کہ

عورت و مرد کے اس آزادانہ میل جول کی وجہ سے روما والوں میں جیسی کمینہ عادتیں اور گندہ خصلتیں پیدا ہو گئی تھیں میرا قلم ان کے لکھنے سے شرماتا ہے جن سے ان کی ہمتیں مردہ ہو گئیں، ارادے پست ہو گئے اور طبیعتوں میں کمینہ پن آگیا، پھر تو ان میں باہمی چشمک اور خونریزی

[1] مسلمان عورت ص ۱۵۸ [2] ایضاً ص ۱۵۸ [3] ایضاً ص ۱۵۹

وخانہ جنگی کا زور ہوا، اور یہ فساد اس قدر بڑھا کہ انسانیت اور اخلاق کا ان میں نام تک نہیں رہا۔[1]

یہ ایک تاریخی واقعہ تھا جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا، مگر غرض یہ کرنا ہے کہ عورتوں کے متعلق حجاب کا جو خداوندی قانون ہے، تجربات کی روشنی میں اہلِ یورپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے، چنانچہ فلسفہ حسّی کا موسس اگسٹ کونٹ اپنی مشہور تصنیف "النظام السیاسیہ علی حسب الفلسفۃ الحسیۃ" میں لکھتا ہے۔

"جس طرح ہمارے زمانہ میں عورتوں کی سوشیل حالت کے متعلق خیالی گمراہیاں پیدا ہو رہی ہیں اسی طرح تغیرِ نظامِ تمدن اور آدابِ معاشرت کے ہر ایک دور میں پیدا ہوتی رہی ہیں مگر وہ لا آئندہ نیچر جو جنس محب (عورت) کو منزلی زندگی کے لیے مخصوص رکھتا ہے، اس میں کبھی کوئی اہم تغیر واقع نہیں ہوا، یہ قانونِ الٰہی اس درجہ صحیح اور محقق ہے کہ گو اس کی مخالفت میں سیکڑوں باطل خیالات قائم ہوتے رہے مگر یہ بغیر کسی نقصان یا تغیر کے سب پر غالب آتا رہا۔۔۔۔ مردوں کے مشاغل میں عورتوں کی شرکت سے جو خوفناک نتائج اور فساد پیدا ہو رہے ہیں ان کا علاج یہی ہے کہ دنیا میں جنس عامل (مرد) پر جنس محب (عورت) کے جو مادی فرائض ہیں ان کی حد بندی او تعیین کر دی جائے، مرد پر واجب ہے کہ عورت کے تغذیہ کا انتظام کرے یہی وہ قانونِ طبعی اور ناموسِ الٰہی ہے جو جنس محب کی اصلی زندگی کو منزلی دائرہ میں محدود کرتا ہے، یہی وہ قاعدہ ہے جو ہیئتِ اجتماعی کے خوفناک اور مہیب اشکال کو احسن و اکمل کر دیتا ہے، یہی وہ قانون ہے جو عورت کو اپنے طبعی جذبات سے ترقیِ نوعِ انسانی جیسے شریف فرض کی بجا آوری پر آمادہ کرتا ہے۔"[2]

علومِ مادیہ کا ایک اور ماہر ژول سیمان اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے:۔

"عورت کو چاہیے عورت رہے، ہاں بے شک عورت کو چاہیے عورت رہے، اسی میں

---

[1] مسلمان عورت ص ۱۶۶ [2] ایضاً ص ۶۴ و ۶۵۔

اس کے لیے فلاح ہے، اور یہی وہ صفت ہے جو اس کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ قدرت کا یہ قانون ہے اور قدرت کی یہ ہدایت ہے اس لیے جس قدر عورت اس سے قریب ہوگی اس کی حقیقی قدر و منزلت بڑھیگی، اور جس قدر دور ہوگی اس کے مصائب ترقی کرینگے۔ بعض فلاسفہ انسانی زندگی کو پاکیزگی سے خالی سمجھتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ انسان کی زندگی دلفریب، پاک اور بے حد پاکیزہ ہے بشرطیکہ ہر مرد اور ہر عورت اپنے ان مدارج سے واقف ہو جائے جو قدرت نے اس کے لیے قرار دیے ہیں اور اپنے ان فرائض کو ادا کرے جو قدرت نے اس کے متعلق کر دیے ہیں۔[۱]"

عورت اپنے جنسی فرائض سے آگے

اسی حد تک نہیں بلکہ تجربات نے ثابت کر دیا ہے اور علمائے یورپ کو اس بات کے ماننے پر مجبور کر دیا کہ جو عورت اپنے جنسی فرائض انجام نہیں دیتی وہ عورت نہیں ہے چنانچہ یہی ژول سیمان ایک موقع پر لکھتا ہے:

"جو عورت اپنے گھر سے باہر کی دنیا کے مشاغل میں شریک ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عامل بسیط کے فرائض انجام دیتی ہے مگر افسوس ہے کہ عورت نہیں رہتی۔[۲]"

سماج کا فریضہ

آج بہت سے مسلمانوں کو اسلامی پردے کی شکایت ہے، وہ مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اپنے دین کی ان ہدایات پر چراغ پا ہوتے ہیں مگر غور کیجیے کہ خود علمائے یورپ اس سلسلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ اگسٹ کونٹ "النظام السیاسی" میں لکھتا ہے:

"شوہر یا کسی قریبی رشتہ دار کی عدم موجودگی میں سوسائٹی کا فرض ہے کہ عورت کی ضروریات کا اپنی دولت سے انتظام کرے، تاکہ معاش کی ضرورت سے مجبور ہو کر اسے گھر سے باہر کی زندگی میں اپنے آپ کو مبتلا نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ حتی الامکان عورت کی زندگی کو منزلی دائرے میں محدود رہنا چاہیے اور ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ عورت خارجی زندگی کے مصائب اور تکلیفوں سے محفوظ رہے اور قدرت نے اسے جس دائرہ

---

[۱] مسلمان عورت ص ۵۸، ۵۹ [۲] ایضاً

میں محدود کر دیا ہے۔ اس سے باہر نکلنے پر مجبور نہ ہو[1]

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے لیے جو قانون اول دن مرتب کیا تھا آج دنیا پھر پھرا کر اسی پر آرہی ہے۔ اسلام نے بےکس و مجبور عورت کا بار مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالا تھا، کچھ پہلے لوگ سمجھ رہے تھے کہ یہ ملک پر بار ہے جو نہ ہونا چاہیے، مگر اسے کیا کہیے کہ خود علمائے یورپ اس حد تک آگئے ہیں کہ مجبور عورتوں کا بار سوسائٹی پر ڈالتے ہیں۔

عورتوں کی آزادی خود ان کے حق میں

کون نہیں جانتا کہ عورتوں کی آزادی ملک کو تباہ کر ڈالتی ہے، قوم کی ریڑھ کی ہڈی توڑ ڈالتی ہے اور خود عورتوں کو جنت سے جہنم میں پہنچا دیتی ہے عورت اس بیسویں صدی میں خوش ہے کہ اسے حقوق مل رہے ہیں وہ ہر محکمہ میں ملازمت حاصل کر رہی ہے مگر اسے پتہ نہیں کہ مردوں نے اسے بیل گائے کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا ہے، اسے ذرہ برابر چین نہیں، اپنے قدرتی فرائض سے دن بدن دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مردوں کی تفریح کے لیے عورتوں کو سینما کے پردوں پر آنا پڑا، مردوں کی دلبستگی کا سامان مہیا کرنے کے لیے تھیٹر کی ناپاک زندگی قبول کرنی پڑی۔ مردوں کی ہوس پوری کرنے کے لیے ان کو کلب اور ناچ گھروں میں ناچنا پڑا اور حد یہ ہے کہ محض مردوں کی شہوت پرستی کے سلسلہ میں عورتوں کو عریاں کلب بنانا پڑا، مگر اب تک عورت یہی سمجھ رہی ہے کہ مردوں کی غلامی سے ہمیں نجات مل گئی

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

عورتوں کی آزادی مردوں کے حق میں

مرد نہیں سوچتا کہ عورت کی آزادی سے اس کو کیا نقصان ہو رہا ہے، کتنی شریف زادیاں سینما اور تھیٹر وغیرہ کی نمائش بن گئیں، کتنے شریفوں کی بہو بیٹیاں گھر سے نکل گئیں اور کتنی پاک دامن عورتوں کی عصمت رسوا ہو رہی ہے۔ کالج، یونیورسٹی اور کلبوں میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہر پڑھا لکھا جانتا ہے۔

---

[1] مسلمان عورت ص ۹۔

اسلام نے عورتوں کی قدم قدم پر اسی وجہ سے عصمت میں رہنمائی کی ہے کہ نظامِ تمدن برقرار رہے اور مرد و عورت دونوں اپنے فرائضِ منصبی بحسن و خوبی انجام دے سکیں جہاں شریعت کی بتائی ہوئی راہ کے خلاف عورت و مرد کا اجتماع ہوتا ہے وہاں یقینی طور پر جلد یا بدیر فتنے اٹھتے ہیں اور دونوں ہی اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہ اور کاہل ثابت ہوتے ہیں۔

عورت کہاں سے کہاں پہنچتی ہے

ہمیں جناب ماہر القادری صاحب کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ "ذوقِ بے حجابی اور شوقِ تبرّج صرف چہرہ کی بے نقابی پر ہی قناعت نہیں کرتا، پہلے نقاب اٹھتی ہے، پھر جھکی ہوئی نگاہیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی ہیں پھر لباس میں تخفیف ہونا شروع ہوتی ہے، پھر آرائش اور بناؤ سنوار میں یہ جذبہ کار فرما ہوتا ہے، کہ لوگ دیکھیں اور شوق و قدر دانی کی نگاہ سے دیکھیں، ہوسناکیوں، بے اعتدالیوں اور برائیوں کا یہ سلسلہ شاخ در شاخ ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جو عورت پہلی بار چہرہ کو بے نقاب کرتے ہوئے فرطِ شرم و غیرت سے پسینہ پسینہ ہوگئی تھی وہ آگے چل کر کلب گھروں میں غیر مردوں سے بغلگیر ہوکر ناچتی اور تھرکتی ہے[۱]"

پردہ میں ضعفِ اعصاب کا شکوہ غلط ہے

جو لوگ پردہ کے نقصانات میں اعصاب کی کمزوری، شہوت کا ابھار اور تعلیم وغیرہ سے محرومی بتاتے ہیں وہ سراسر غلط ہے خودکشی کے اعداد و شمار نے ثابت کر دیا ہے کہ اعصاب کس کے کمزور ہوتے ہیں شہوت پرستی کا مسئلہ بھی مغرب و مشرق کی بدکاری و زناکاری کے واقعات نے عیاں کر دیا ہے، تعلیم کے سلسلہ میں عرض ہے کہ اسلام میں اہلِ علم عورتوں کی تاریخ پڑھیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ پردہ میں رہ کر جو شادی ہوتی ہے اس میں طلاق کی نوبت بکثرت آتی ہے۔ اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ یورپ و ایشیا، یا پردہ دار اور غیر پردہ والے ملک کے طلاق کے اعداد و شمار جمع کر لیے جائیں[۲]

ہمیں تو صرف یہ بتانا ہے کہ عفت و عصمت کی حفاظت پردہ ہی میں ہے جس کی اسلام

---

[۲] اس سلسلہ میں المرأۃ المسلمۃ از فرید وجدی کا مطالعہ کریں، یا اس کا اردو ترجمہ "مسلمان عورت"

نے ہدایت کی ہے جس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ یورپ کے بیشتر ممالک میں پردہ سے متعلق عام چرچا شروع ہو گیا، جرمنی میں "عورتیں گھروں کی طرف واپس ہوں" کی تحریک شروع ہوئی، امریکہ میں ہر سال ایک لاکھ خودکشی کے واقعات ہوتے ہیں جن میں کامیابی سترہ ہزار کو ہوتی ہے اور ان میں نمبر عورتوں ہی کا بڑھا ہوا ہوتا ہے، جو عشق و محبت کی ناکامی کا نتیجہ ہے۔

غیر عورت کی حالت مرد سے بیان نہ کی جائے

اسلام نے ان راستوں پر بھی پہرہ بٹھا دیا ہے جو غیر محسوس طور پر عفت و عصمت کے لیے خطرناک ہیں، مثلاً رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت جب عورت سے ملے اور اسے دیکھے تو وہ جا کر دوسری عورت کا حال کھول کر اپنے شوہر سے بیان نہ کرے کہ ممکن ہے اس کے شوہر کے دل میں دوسری عورت کی خوبی اور اس کا حسن و جمال گھر کر جائے اور وہ اس کے پیچھے پڑ جائے، ارشادِ نبوی ہے:۔

لا تباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها كأنه ينظر اليها۔ — عورت عورت کے ساتھ اس طرح نہ رہے کہ وہ اپنے شوہر سے اس کی حالت اس طرح کھول کر بیان کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

(بخاری باب لا تباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها)

اس طرح شہوت میں ابھار پیدا ہونے کا امکان بلا شبہ ہے اور پھر اس سے فتنہ کے برپا ہونے کا۔

مرد اپنی بیوی کا راز ظاہر نہ کرے

اسی طرح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو بھی منع کیا ہے کہ وہ اپنے زن و شو کی باہمی راز کی بات کسی غیر مرد سے بیان کرے، ارشادِ نبوی ہے:

ان من اشر الناس عند الله منزلة الرجل يفضي الى امرأته وتفضي اليه ثم ينشر سرها (مسلم باب تحریم افشاء سر المرأة ج ۱ ص ۴۶۴) — اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدتر وہ شخص ہے کہ وہ اور اس کی بیوی یکجا ہوا اور پھر مرد اس بھید کو کھول دے۔

عورت کو جس طرح دوسری عورت کی ہیئتِ جسمانی وغیرہ کے بیان سے روکا گیا ہے اسی طرح یہاں مرد کو روکا گیا ہے کہ اپنی بیوی کے پرائیویٹ پہلو کو کسی کے سامنے بیان کرے یہاں بھی اور باتوں کے ساتھ ایک بات یہ ہے کہ دوسرے کے جذبات کو برانگیختہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ

انسانی شہوت کا حال یہ ہے کہ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہوتی ہے فطرتاً اس میں تلاطم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی انسانی دماغ کہاں کہاں کے چکر لگانے لگتا ہے۔ اس لیے عقل وشعور کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کی بیہودہ باتوں سے پرہیز کیا جائے، اور شہوت انگیز باتوں سے مکمل اجتناب برتا جائے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ بلا فائدہ مجملاً جماع کا تذکرہ بھی مکروہ ہے، ہاں ضرورت کی بات اور ہے۔ جیسے کوئی یہ سمجھے کہ جماع پر اس کو قدرت نہیں ہے تو البتہ ایسے موقع پر جماع کا تذکرہ مکروہ نہ ہوگا، اور تفصیل تو ہر حال میں حرام اور بُری چیز ہے۔[۱]

ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والی باتوں سے اجتناب

شریعت نے اسی وجہ سے ہر اس طریقہ سے منع کیا ہے، جو انسانی طاقت میں ہیجان پیدا کر سکتا ہے اور جس سے کسی فتنہ وفساد یا گناہ اور معصیت کا اندیشہ سامنے آسکتا ہو۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے دواعی پر کڑی نگرانی فرمائی ہر کوئی بھی داعیہ جو عقل وشعور میں معصیت کا موجب ہو سکتا ہے اس کو عمل میں لانے سے منع فرما دیا ہے، چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:۔

لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ۔ رواہ مسلم

کوئی مرد دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے اور نہ عورت ہی دوسری عورت کا ستر دیکھے۔

(مشکوۃ باب النظر الی المخطوبہ)

انسانی فطرت ہے کہ ستر کے دیکھنے سے شہوت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے، مرد مرد کا ستر دیکھے یا عورت عورت کا، یا یہ شکل ہو کہ مرد عورت کا ستر دیکھے اور عورت مرد کا ستر دیکھے اور شہوت میں جب ہیجان پیدا ہوتا ہے، تو خطرہ منڈلانے لگتا ہے انسانی طبیعت بے قرار ہو جاتی ہے اور پھر ایک غلط جذبہ اس کے دل میں گھر کر لیتا ہے۔ کبھی مرد کو مرد سے عشق ہو جاتا ہے اور طبیعت میں گندگی ہو تو موقع پاکر گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے کبھی اس کی شہوت کا زور اسے کسی اجنبی

[۱] شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۴۶۳

عورت کی طرف مائل کر دیا ہے اور کم و بیش یہی حال عورت کا ہوتا ہے کہ کبھی وہ آپس میں عشق و محبت کی داستان چھیڑ دیتی ہے اور کبھی کسی غیر مرد سے نظرِ لطف و کرم کی متمنی ہوتی ہے اور یہ دونوں ہی طریقے غلطی میں بلکہ معصیت میں مبتلا کر دیتے ہیں، پھر یہ بھی بات ہے کہ ستر پوشی اسلام میں ضروری ہے اور دیکھنا اس کے خلاف ہوتا ہے۔ یوں بھی رسم و رواج میں ستر پوشی ایک ضروری چیز سمجھی جاتی ہے اور اس کے خلاف کرنا ذلت کی بات۔

ایک ساتھ دو مرد یا دو عورتیں لیٹیں

اور انسانی طبعت اور اس کی قوت شہوت ہی کے پیش نظر اسلام نے اس بات سے بھی روکا ہے کہ دو مرد ایک کپڑے میں سوئیں یا لیٹیں، اسی طرح دو عورتیں ایک کپڑے میں لیٹیں یا سوئیں۔ اسی حدیث کا آخری حصہ ہے۔

ولا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأۃ فی ثوب واحد رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ) — کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ کوئی عورت ہی دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں سوئے یا لیٹے۔

ایک ساتھ دو مرد یا دو عورت کا لیٹنا نفسیات نے بھی غلط ثابت کر دیا ہے کیونکہ اس کا نتیجہ خوشگوار نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا یہ فرمانا بھی درست ہے کہ یہ چیز شہوت میں بہت ہیجان کا باعث ہو جایا کرتی ہے جس سے کبھی کبھی سحاق کی رغبت ہوتی ہے اور کبھی لواطت کی[1] ۔ جو نہایت مبغوض فعل ہیں۔

ستر اور اس کی پردہ پوشی

مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے جس کا چھپائے رکھنا مرد کے لیے ضروری ہے، سوائے بیوی کے اور کسی پر ظاہر نہیں کر سکتا، اور آزاد عورت کا ستر چہرہ اور ہتھیلی چھوڑ کر سارا جسم ہی ہے مگر عورت کا ستر عورت کے لیے بھی ناف سے لے کر گھٹنے تک ہی ہے، اتنا حصہ عورت کا عورت بھی نہیں دیکھ سکتی سوائے بچہ کی پیدائش کے موقع کے جس میں معذوری ہے، یا پھر شوہر کے لیے۔ انسانی فطرت میں بڑی حد تک یہ بھی داخل ہے کہ اپنی شرمگاہ دیکھنے سے بھی شہوت

---

[1] اس مسئلہ پر تفصیلی بحث بعد میں آئیگی ان شاء اللہ ۱۲-

بھڑکتی ہے اس لیے اسلام نے اس سے بھی روکا ہے کہ آدمی تنہائی میں بھی ننگا نہ ہو، پھر یہ مروت کے خلاف بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

ایاکم والتعری، فان معکم من لا یفارقکم الا عند غائط وحین یفضی الرجل الی اهله فاستحیوهم واکرموهم (حجۃ اللہ ج۲ ص۱۳۶)

ننگے ہونے سے بچو اس لیے کہ تمہارے ساتھ وہ بھی ہیں جو جدا نہیں ہوتے مگر پاخانہ کے وقت یا جماع کے وقت، لہٰذا ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا،

احفظ عورتك الا من زوجتك او ما ملكت يمينك فقال افرأيت اذا كان الرجل خاليا؟ قال فالله احق ان يستحيا منه (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص۱۳۶)

اپنے ستر کی دیکھ بھال کرو ہاں اپنی بیوی یا لونڈی کے پاس ہو تو اور بات ہے۔ اس نے پوچھا اگر کوئی تنہا ہو تو؟ تو اس وقت اللہ سے شرمانا حق ہے۔

ادب کا تقاضا تو بلا شبہ یہی ہے کہ تنہائی میں کراماً کاتبین فرشتے اور خود رب العزت کی موجودگی کا تصور و خیال غالب ہو، اور حیا اور شرم کا پاس باقی رہے، مگر ساتھ ہی بالکل ننگے ہونے میں جذباتِ نفس میں بھی ہیجان کی کیفیت کبھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بہر حال ادب اور حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ جب بالکل مجبوری نہ ہو ننگے ہونے کی جرأت نہ کی جائے۔ اور اس طرح بے حیائی کو راہ نہ دی جائے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الا لا یبیتن رجل عند امرأة ثیب الا ان یکون ناکحا او ذا محرم رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۲۶۸)

کسی بیاہی عورت کے پاس کوئی غیر مرد رات نہ گذارے مگر یہ کہ وہ نکاح کرنے والا ہو یا محرم ہو

یہ سب حفظِ ماتقدم کے طریقے ہیں اور کوئی شبہ نہیں سب ہی خطرات کے مقام ہیں، اس لیے اجتناب بہر حال ضروری ہے، اور عفت پر حرف آنا اور معصیت میں مبتلا ہونا بڑی حد تک ممکن ہے۔

عورت تنہا سفر نہ کرے

اسلام نے عفت و عصمت کو کہیں بھی بے سہارے نہیں چھوڑا۔ ہر جگہ

گنجائش پر اس کے تحفظ کی سعی کی ہے زندگی میں اگر کبھی عورت کو سفر کی ضرورت پیش آتی ہے تو اسلام سفر میں بھی اس کی عصمت کا سامان کرتا ہے، چنانچہ قانونِ الٰہی ہے کہ عورت سفر میں اس وقت تک نہیں جا سکتی جب تک کوئی محرم اس کے ساتھ نہ ہو، حج جو عبادات میں داخل ہے اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے اس کی ادائیگی بھی وہ بغیر محرم کے نہیں کر سکتی ظاہری احتیاط کو بھی اسلام نے اس باب میں فراموش نہیں کیا ہے، ارشادِ نبوی ہے:

لا یحل لامرأۃ تومن باللہ والیوم الاٰخر تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الا مع ذی محرم علیھا متفق علیہ (ریاض الصالحین باب تحریم سفر المراۃ وحدھا)

مومنہ عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر محرم کو ساتھ لیے ایک دن اور ایک رات کی مسافت میں تنہا سفر کرے۔

محرم وہ شخص ہے جس سے کبھی بھی اس کی شادی جائز نہ ہو جیسے اپنا بھائی باپ وغیرہ یا شوہر ساتھ ہو، بغیر محرم کے تنہا عورت کا سفر کرنا حرام ہے۔ محرم کے علاوہ کوئی غیر محرم ساتھ ہو اس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے عقل میں بھی بات آتی ہے کہ گھر چھوڑ کر عورت جب باہر جاتی تو اسے خطرات سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ راستہ میں نیک و بد ہر طرح کے آدمیوں سے ہو کر راستہ طے کیا جاتا ہے۔ خلقتاً عورتیں کمزور ہوتی ہیں، وہ زبات کی نازک ہوتی ہیں، ان کے عقل و شعور میں نسبتاً وہ پختگی نہیں ہوتی جو ہونی چاہیے، اس لیے ایسے موقع پر کسی خاص آدمی (جیسے شوہر باپ اپنا بھائی وغیرہ) ہی کا ساتھ ہونا ضروری ہے، جو اس کی ہر موقع پر مناسب امداد کر سکے، اور کبھی رفیقِ سفر کی امداد و اعانت سے متاثر ہو تو کوئی غلط جذبہ ابھارنے والا نہ ہو۔ ایک دفعہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:-

لا یخلون رجل بامرأۃ الا ومعھا ذو محرم ولا تسافر المرأۃ الا ذی محرم فقال رجل یا رسول اللہ اِن امرأتی خرجت حاجۃ وانی کتبت فی غزوۃ کذا وکذا قال

کوئی مرد کسی ایسی عورت سے نہ ملے جس کا محرم اس کے ساتھ نہ ہو، اور کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میری بیوی حج کو جا رہی ہے اور میں نے غزوہ کی شرکت کا

قال انطلق فحج مع امرأتک متفق علیہ (ریاض الصالحین صفحہ ۱۴۷)

ارادہ کرلیا ہے آپ نے فرمایا تو اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے جا۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے عورتوں کے متعلق قانون الٰہی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی عفت وعصمت اور دوسری ضروریات کا کتنا لحاظ اور پاس ہے، جہاد کے مقابلہ میں اس بات کو ترجیح دی گئی کہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ سفر حج میں جائے، عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے، جہاد کی شرکت سے بھی ضروری اس وقت عورت کے ساتھ جانا ہے۔

سفر میں جاتے ہوئے گھر کی حفاظت

مرد سفر میں جاتا ہے تو وہاں بھی عورتوں کو فراموش نہیں کرسکتا اپنی اور بیوی دونوں کی عفت وعصمت اور دوسری ضرورتوں کا لحاظ پاس کرنا ضروری ہے سفر کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایسی دعائیں پڑھے جس میں اپنے اور اپنے بال بچوں کے تحفظ اور آرام کی درخواست ہو خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کے لیے نکلتے تو دعا پڑھتے جس کا ایک حصہ یہ ہے۔

اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل، اللّٰھم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکآبۃ المنظر وسوء المنقلب فی المال والاھل (ریاض الصالحین باب ما یقولہ اذا رکب الخ)

اے اللہ! تو سفر میں مالک ہے اور اہل عیال میں خلیفہ، اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ سفر کی مشقت اور برا منظر پیش آئے اور اس سے کہ مال اور اہل وعیال میں برائی دیکھوں۔

اور امت کو بھی ہدایت ہے کہ نکلتے ہوئے یہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ تمام اور باتوں کے ساتھ رب العزت تو میرے بال بچوں اور بیوی کی محافظت کرنا، الٰہ العالمین! اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ سفر سے واپسی پر مال اور بال بچوں میں کوئی ناگوار بات دیکھنے میں آئے، گویا اس طرح وہ اپنے بال بچوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی محافظت میں دیتا ہے یوں تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ محافظ ہی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جہاں سفر کی ضرورت پوری

ہو جائے فوراً اپنے بال بچوں میں واپس آؤ، ارشادِ نبوی ہے

السفر قطعة من العذاب یمنع احدکم	سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے تم کو کھانے پینے اور
طعامه وشرابه ونومه فاذا قضی	سونے سے روک دیتا ہے لہذا جوں ہی سفر کی
نهمته من سفره فلیعجل الی اهله	ضرورت ختم ہو جلدی سے بال بچوں میں پلٹ آؤ

متفق علیه (ریاض الصالحین باب استحباب تعجیل السفر)

مجاہدین کے گھروں کی عفت کا خیال

مجاہدین اسلام کی بیویاں جو شوہروں کے جہاد میں چلے جانے کے بعد تنہا رہ جاتی ہیں ان کے درجہ اور ان کی حرمت کو عام مسلمانوں کی عورتوں سے بہت بڑھا کر رکھا گیا ہے، ان کو ماں کا درجہ دیا گیا ہے اور ان کی حفاظت و عصمت کا لحاظ ہر مسلمان پر ضروری قرار دیا گیا ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حرمة نساء المجاهدین علی القاعدین	مجاہدین کی بیویوں کی عزت گھر پر رہنے والوں
كحرمة امهاتهم ما من رجل من القاعدین	کے لیے ان کی ماں کی برابر ہے کوئی گھر میں بیٹھنے والا
یخلف رجلا من المجاهدین فی اهله فیخونه	مجاہدین میں سے کسی کے اہل میں خیانت کا ارتکاب
فیهم الا وقف له یوم القیامة فیاخذ من	کریگا تو قیامت کے دن اس مجاہد کو لایا جائیگا اور
حسناته ما شاء حتی یرضی	وہ اس خائن کی جتنی نیکیاں لے کر خوش ہو گا لے لیگا

(ریاض الصالحین باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیة ص۲۶۵)

قوانینِ استیذان

اسلام نے جہاں تمام جزئی وکلی امور کے لیے قوانین وضع کیے اور ضابطے مقرر کیے وہاں یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ گھروں کے داخلہ کے لیے کوئی باضابطہ دستور نہ بناتا، چنانچہ اس نے عفت وعصمت کے تحفظ اور دوسری حکمتوں کے پیش نظر یہ ضابطہ قرار دیا کہ کوئی کسی غیر کے گھر میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو، اور پھر حصولِ اجازت کا طریقہ بتایا کہ لے سے

عمل میں لاکر اجازت طلب کرے۔

گھروں میں داخلہ

سوائے اس گھر کے جو رہن سہن کے لیے نہیں ہے یا ہے مگر وہ عام ہو آنے کی کسی کو کوئی رکاوٹ نہیں جیسے خانقاہ کا وہ حصہ جو عوام و خواص ہر ایک کے لیے ہو، مدرسہ جہاں کسی کو ممانعت نہیں، سرائے جو ہر شخص کے لیے برابر ہے، دروازہ اور دالان جو جو عام لوگوں کے لیے بنایا ہی گیا ہے یا وہ گھر جس میں کوئی رہتا نہیں ہے بلکہ اس میں سامان وغیرہ ہے۔ اس طرح کے گھر وغیرہ میں تو بلا شبہ بغیر حصولِ اجازت بھی آسکتا ہے کہ یہ اپنے وضع ہی کے اعتبار سے عام ہیں، چنانچہ ارشادِ باری ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ۔ (نور ۴)

اس میں تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو، جس میں سامان ہو کوئی رہتا بستا نہیں، اور جو کچھ تم ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو اللہ کو معلوم ہے۔

ہاں جن لوگوں کو ایسے عام گھروں سے روک دیا گیا ہے وہ البتہ نہیں جا سکتے ہیں۔

گھروں میں بغیر اجازت داخلہ ممنوع

بقیہ اور دوسرے گھروں کا حکم یہ ہے کہ بغیر اجازت داخل نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ (نور ۴)

اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا کسی گھر میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لو اور اس گھر والے کو سلام نہ کر لو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تاکہ تم یاد رکھو

غیر کے گھر میں داخل ہونا چاہے تو پہلے شرعی طریقہ پر اجازت حاصل کر لی جائے یہ گھر خواہ اس کی ملکیت ہو یا وہ کرایہ پر رہتا ہو اور یا وہ عاریۃً اس میں گزر بسر کرتا ہو۔ پھر اس گھر میں محارم ہوں یا غیر محارم، مرد رہتے ہوں یا عورتیں۔ تمام شکلوں میں جو مختارِ خانہ ہے اس سے اجازت لینی چاہیے بغیر اس کے کوئی چارہ کار نہیں۔ خود گھر والا اجازت دے یا اس نے جس کو اجازت دینے کا اختیار دیا ہے وہ اجازت دے۔

طلب اجازت کا شرعی طریقہ حصولِ اجازت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہاں پہنچ کر سلام کرے اور پوچھے کیا میں اندر آؤں؟ آنے کی اجازت مل جائے تو اندر جائے۔ اجازت نہ ملے یعنی گھر کے مختار نے کہا کہ ابھی نہیں آسکتے، تو ایسی حالت میں فوراً پلٹ آئے، اصرار نہ کرے اور نہ زبردستی کرے۔ اور اگر آواز دی جواب نہیں ملا تو تین مرتبہ اذن کے لیے شرعی طریقہ اختیار کرے، تیسری مرتبہ بھی کوئی جواب نہ ملے تو پلٹ آئے۔ اور ایسا گھر جس کے متعلق صراحت کے ساتھ معلوم نہیں ہے کہ اس میں کوئی ہے یا نہیں، تو اس طرح کی مشکوک حالت میں بھی بغیر اجازت اندر داخلہ کا حکم نہیں ہے۔ ارشادِ رب العالمین ہے:-

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا	پھر اگر اس میں کسی کو نہ پاؤ تو اس میں داخل نہ ہو
حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا	جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے، اور اگر جواب
فَارْجِعُوْا هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو پھر جاؤ۔ اس میں تمہارے
عَلِيْمٌ۔ (نور - ۲۸)	لیے پاکیزگی ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

فرض کر لیا جائے کہ گھر میں کوئی نہ ہو تو سوال ہے کہ دوسرے کے یہاں تم جانے کا کیا حق رکھتے ہو جب کہ وہ گھر ایسا ہے جہاں اذنِ عام نہیں اور گھر والے نے جب کھل کر کہہ دیا کہ واپس جائیے تو پھر کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، اس کے بعد زبردستی جانا کسی کو ایذا دینا ہے، اور ایذا دینا سخت جرم ہے، دوسرے اپنی رسوائی بھی ہے کہ خواہ مخواہ دوسرے کے یہاں جم گئے۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ جب کہہ دیا گیا کہ واپس ہو جاؤ تو اجازت کے حصول کے لیے اصرار نہ کیا جائے، پردہ میں سہولت کا طالب نہ ہو اور نہ دروازہ پر کھڑے ہو کر انتظار کیا جائے، کیونکہ یہ ساری شکلیں کراہت سے خالی نہیں ہیں، نیز آدابِ حسنہ کے خلاف ہیں بلکہ واپس پلٹ جائے۔ دروازہ پیٹنے کی اجازت نہیں ہے۔ صاحب کشاف نے اس آیت کے ضمن میں اس کی صراحت کی ہے۔[1]

---

[1] کشاف ج ۳ ص ۷۰۔

طلبِ اذن کی حکمت پھر طلبِ اذن میں بڑی حکمت اور بہت فائدے ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ طلبِ اذن جس کو حدیث کی اصطلاح میں "استیذان" کہتے ہیں واجب ہے اور واجب پر عمل ضروری ہے، دوسرے یہ کہ کیا معلوم دفعۃً اندر جانا تمہارے لیے خود مضر ہو، یا گھر والے کا اس سے نقصان ہو، اور ان میں سے جو بھی صورت ہو ہر ایک سے اجتناب ضروری ہے تیسرے یہ کہ ہو سکتا ہے دفعۃً (یکبارگی) جانے میں نظر ایسے محل پر پڑے جہاں دیکھنا ناگوار خاطر ہو، خود جانے والے کے لیے بھی، اور گھر والوں کے لیے بھی، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دفعۃً کسی ناپسندیا ناجائز چیز پر نظر پڑ جانے سے زندگی کو روگ لگ جاتا ہے۔ اس لیے عقل و خرد کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کے گھر میں اجازت حاصل کیے بغیر گھسنے کی جرأت نہ کی جائے۔

ایسی حویلی جس میں ایک باپ کی متعدد اولاد ہوں اور وہ سب یا کچھ ان میں سے شادی شدہ ہوں تو ایسی حالت میں بھی اپنا خیال ہے کہ اصول کے مطابق اجازت کے حصول کی ضرورت ہے، اس لیے کہ غیر محرم عورتیں ہیں، یا کم از کم ایسی صورت اختیار کی جائے کہ گھر کی عورتیں داخل ہونے سے پہلے خبردار ہو جائیں، اور وہ اپنے کو سنبھال لیں، اور یہ طریقہ ہر زنانہ گھر میں جانے کے وقت اختیار کرنا چاہیے۔

طلبِ اذن کی صحابۂ کرام کو تعلیم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے استیذان کی تعلیم عملی طور پر صحابۂ کرام کو دی۔ اس لیے اس سے متعلق واقعات حدیث کی کتابوں میں بکثرت آئے ہیں، طلبِ اذن کے باب میں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

الاستیذان ثلاث فان اذن لک والا فارجع متفق علیہ (ریاض الصالحین باب الاستیذان)	طلب اذن تین مرتبہ ہے اگر اجازت مل جائے تب تو خیر ورنہ واپس ہو جانا چاہیے۔

بنی عامر کے ایک شخص کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ گھر کے اندر تھے، دروازہ پر پہنچ کر درخواست کی، داخل ہونے کی اجازت ہے؟ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کو یہ آواز جب پہنچی تو خادم سے فرمایا، باہر جو شخص آیا ہے اُس کے پاس جاؤ اور اس کو اجازت طلب کرنے کا شرعی سلیقہ سکھاؤ۔ اسے بتاؤ کہ تم اس طرح کہو "السلام علیکم، کیا میں اندر آؤں؟" دروازہ پر جو شخص آیا تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کو جو آپ اندر اپنے خادم کو دے رہے تھے سُن لیا۔ اور اب کے کہا "السلام علیکم، اندر حاضر ہو سکتا ہوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شرعی طریقہ سے طلبِ اذن سنا تو آپ نے اس کو اجازت دے دی، اور وہ شخص اندر آیا۔[۱]

حضرت کلدہ بن الحنبلؓ کہتے ہیں کہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور بغیر سلام کیے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو گیا، یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس جاؤ اور یہ کہو "السلام علیکم، کیا اندر آؤں؟"[۲]

صحابۂ کرام کا عمل ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اجازت جب لینی ہو تو پہلے سلام کیا جائے پھر اندر حاضر ہونے کی اجازت طلب کرے، بغیر سلام طلبِ اذن ناپسندیدہ طریقہ ہے، اوپر والی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجازت کے لیے تین مرتبہ آواز دی جائیگی، تیسری مرتبہ بھی جب جواب نہ ملے تو واپس ہو جائے۔ حدیث میں حضرت ابو موسیٰؓ کا واقعہ مذکور ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی خدمت آئے، تین مرتبہ شرعی طریقہ کے مطابق اجازت طلب کی، کوئی جواب نہیں ملا، پلٹ آئے۔ حضرت عمرؓ کسی کام میں مصروف تھے۔ اطمینان ہوا تو فرمایا کہ اُن (ابو موسیٰ) کو بلالو، آدمی اُن کو بلانے باہر آیا، تو دیکھا حضرت ابو موسیٰ جا چکے ہیں، جا کر حضرت عمرؓ کو خبر دی، پھر دوبارہ جب کسی موقع سے حضرت ابو موسیٰؓ آئے تو حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ اس وقت کیوں واپس ہو گئے؟ جواب دیا کہ تین مرتبہ میں نے اجازت چاہی، اجازت کی آواز نہیں آئی چل دیا، کیونکہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے۔

ان استأذن احدکم ثلاثا فلم یوذن — تم میں سے کوئی تین بار طلب اذن کرے اور اس کو

---

[۱] ریاض الصالحین، باب الاستیذان وآدابہ [۲] ایضاً

لہ فلینصرف (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰۸) اجازت نہ دی جائے تو اس کو پلٹ آنا چاہیے

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت سعد بن عبادہؓ کے یہاں تشریف لائے اور اجازت چاہی، تین مرتبہ سلام کے ساتھ اجازت طلب کی، کوئی جواب نہیں ملا تو تیسری مرتبہ کے بعد واپس ہو گئے، اتنے میں حضرت سعدؓ دوڑے آئے اور آپؐ کو لے گئے ۔لے

دروازہ پر تاک جھانک کی ممانعت

اجازت کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ دفعۃً گھر والے کو دیکھ نہ لے، خود سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ اپنے حجرہ میں بیٹھے ایک چھری لیے سر کھجلا رہے تھے کہ کوئی آیا اور جھانکنے لگا۔ آپ کو اس کی خبر ہوئی تو بہت خفا ہوئے اور فرمایا اگر مجھے علم ہوتا تو اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالتا، کیا اس کو معلوم نہیں ہے کہ

انما جعل الاستیذان من اجل البصر دیکھ لینے ہی کی وجہ سے طلب اذن کا قانون بنایا گیا ہے۔

(بخاری باب الاستیذان من اجل البصر ج ۲ ص ۹۲۳)

اسی وجہ سے حکم ہے کہ اصولی طور پر اس کو دروازہ سے علٰحدہ ہو کر کھڑا ہونا چاہیے۔ دائیں بائیں جدھر مناسب ہو، کھڑا ہو جائے۔ دروازہ کے بالکل مقابل کھڑا نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن بسرؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی دروازہ پر آتے تو دروازہ کے مقابل نہیں کھڑے ہوتے تھے، بلکہ دائیں جانب کھڑے ہوتے یا بائیں جانب، اور فرماتے السلام علیکم، السلام علیکم، راوی کا بیان ہے کہ عہدِ نبوی میں دروازوں پر پردہ لٹکانے کا رواج نہیں تھا۔ اس کا منشا یہ ہے کہ اگر پردہ ہو تو دروازہ کے سامنے کھڑا ہونا بھی ناجائز نہیں ہے، مگر اصول کے پیشِ نظر اب بھی مناسب یہی ہے کہ دروازہ کے بالکل مقابل کھڑے ہو کر اجازت نہ طلب کی جائے، کیونکہ بسا اوقات پردہ اٹھا کر کوئی اندر سے نکلتا ہے تو سامنے سے گھر کے آدمی پر نظر پڑ جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر حاضر ہوا اور

لہ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۹ ؎۲ مشکوٰۃ باب الاستیذان عن ابوداؤد۔

اجازت طلب کی، وہ شخص دروازہ کے مقابل تھا آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ ایسے (یعنی دائیں) یا ایسے (بائیں) کھڑے ہو۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ طلبِ اذن نگاہ ہی کی وجہ سے ہے[1]۔

پھر دروازہ پر پہنچ کر تاک جھانک نہیں کرنا چاہیے، یہ تاک جھانک دروازہ کی دراز سے ہو یا کھڑکی وغیرہ سے، کیونکہ اس سے مقصد ہی فوت ہو جائیگا، پھر اس لیے کہ آپ ابھی پڑھ چکے کہ نگاہ ہی سے بچنے کے لیے یہ قاعدے وضع کیے گئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے ممانعت کی ہے۔ صحیحین میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو ان امرأ اطلع علیك بغیر اذن فخذفته بحصاة ففقأت عینه ما کان علیك من جناح (ابن کثیر۔ ج ۳ ص ۲۷۹)

اگر کوئی بغیر اجازت تم کو جھانکے اور تم اس کو کنکری اٹھا کر مارو جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

جس جرم کی اتنی سخت سزا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ہو، اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فی نفسہ یہ جرم کتنا بڑا ہوگا۔

طلب اذن کے وقت اپنا مشہور نام بتلائیے

سلام کے بعد طلبِ اذن کے لیے جب آواز دے اور گھر سے کوئی پوچھے تو کون ہے؟ تو اجازت چاہنے والے کو اپنا مشہور نام بتانا چاہیے، جواب میں یہ نہیں کہنا چاہیے "میں ہوں" اس لیے کہ اس سے پتہ نہیں چلتا کہ کون آیا ہے، تاکہ گھر والے کو اجازت دینے میں سہولت رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبہم جواب کو ناپسند فرمایا ہے۔ ایک دفعہ حضرت جابرؓ خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے، آپ نے اندر سے فرمایا، کون ہیں؟ حضرت جابرؓ نے کہا "میں ہوں" رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سن کر ناپسند فرمایا اور کہا یہ "انا، انا" (میں، میں) کیا[2]۔

اس طریقۂ استیذان کی بعد میں صحابۂ کرام نے بھی تعلیم فرمائی اور خود بھی برابر عمل کیا، اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تاکید کی۔

---

[1] ابن کثیر۔ ج ۳ ص ۲۷۹ [2] مشکوٰۃ باب الاستیذان عن البخاری ومسلم۔

محرم بھی اجازت حاصل کرے یہ استیذان (اجازت چاہنا) اپنے لوگوں سے بھی چاہیے، یعنی اپنی ماں بہن وغیرہ ہوں تو ان سے بھی اجازت لے کر اندر داخل ہونا چاہیے، بلکہ بڑی حد تک ضروری ہے، استیذان والی آیت کے شان نزول میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری عورت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور شکوہ سنج ہوئی کہ کبھی میں اس حال میں ہوں کہ میں پسند نہیں کرتی کہ کوئی مجھے دیکھے، خواہ باپ ہو، خواہ بیٹا، اور طرفہ تماشہ یہ کہ اسی حال میں ہوتی ہوں اور گھر والے آتے جاتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی لَا تَدْخُلُوا بُیُوْتًا الخ حدیث میں متعدد واقعات اس طرح کے آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم بھی اندر آئیں تو اجازت لے کر آئیں، اس لیے کہ معلوم نہیں گھر میں عورتیں کس حال میں ہوں، عموماً جانبین میں کوئی پسند نہیں کرتا کہ عورتوں کو ایسی حالت میں دیکھے کہ وہ آزادانہ بیٹھی ہوں جو عورتوں میں خاص نشست ہوتی ہے، اپنا تو خیال ہے کہ گھر میں صرف بیوی ہو تو بھی خبر دے کر داخل ہونا چاہیے کیونکہ طبعاً آدمی اپنی بیوی کو بھی بے ستری میں دیکھنا پسند نہیں کرتا اور نہ عورت ہی اسے گوارا کرتی ہے۔

ماں سے بھی طلب اذن ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اپنی ماں سے بھی اجازت طلب کروں۔ آپ نے فرمایا، ہاں، استیذان ماں سے بھی ہے، اس نے کہا کہ میں تو ان کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔ مقصد کہنے کا یہ تھا کہ ماں کا مجھ سے پردہ نہیں ہے پھر طلب اذن کی کیا ضرورت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان سے بھی اجازت لے لیا کرو۔ اس شخص نے کہا میں ان کی خدمت کرتا ہوں یعنی اس وجہ سے برابر آنا جانا ہوتا ہے پھر کیا ضرورت ہے دشواری بڑھ جائیگی، آنحضرتؐ نے سمجھا کر فرمایا "اپنی ماں کی خدمت میں بھی حاضر ہونا ہے تب بھی اجازت حاصل کر لیا کرو، کیا تم ماں کو ننگی دیکھنا پسند کرو گے" اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا" تو پھر اسی وجہ سے تو کہتا ہوں کہ اجازت حاصل کرکے جاؤ۔[1]

[1] باب الاستیذان عن المالک مرسلاً واحکام القرآن لابن العربی ج ۳ ص ۹۸۔

سلف صالحین کا طریقہ حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب کسی ضرورت سے اندر آتے تو پہلے دروازہ پر آکر رُک جاتے، کھانستے، تھوکتے اور اس کے بعد اندر آتے، دفعۃً بغیر اطلاع آنا پسند نہیں کرتے تھے، یہ زینب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زوجہ محترمہ ہیں۔[۱]

حضرت ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ جب گھر آتے تو اجازت طلب کرتے، دروازہ پر آکر زور سے آواز دیتے۔[۲]

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ آدمی جب اپنے گھر میں داخل ہونے لگے، تو دروازہ پر آکر زور سے کھانسے، یا زور سے اپنا جوتہ پٹکے جس سے اندر خبر ہوجائے کہ مرد آ رہا ہے۔[۳]

استیذان میں تین سلام جو رکھے گئے ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ پہلا گھر والے سن لیں، دوسرے سلام کی آواز پر سنبھل جائیں اور تیسرے کی آواز پر اجازت دیں یا روک دیں۔

ابن العربیؒ لکھتے ہیں کہ غیر کے گھر میں اذن حاصل کرنا ضروری ہے، اور اپنا گھر ہو تو طلبِ اذن واجب نہیں ہے، مگر گھر میں اگر ماں بہن وغیرہ بھی رہتی ہوں تو جانے کے لیے کھانسے، اس کے بعد اندر داخل ہو، اور دروازہ پر پہنچ کر پیر پٹکے جس سے اندر عورتوں کو آنے کی خبر ہوجائے، کیونکہ کبھی ماں بہن بھی ایسی حالت میں ہوتی ہیں کہ جس حالت میں دیکھنا ہم پسند نہیں کرتے۔[۴]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ماں بہن کی خدمت میں حاضر ہونا ہو تو بھی اجازت لے لی جائے۔

حضرت ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے پوچھنے والوں نے بار بار پوچھا کہ اپنی ماں بہن جس گھر میں رہتی ہو اس میں بھی جائے تو اجازت لی جائیگی؟ آپ نے ہمیشہ فرمایا ہاں لی جائیگی تکرار کرنے پر سمجھایا کہ کوئی بھی اپنی ماں بہن کو بے پردہ دیکھنا پسند نہیں کرتا، پھر تم کو خواہ مخواہ اصرار کیوں ہے۔[۵]

عفت کا اسلام میں لحاظ یہ جو کچھ عرض کیا گیا ان میں غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اسلام نے

---

[۱] ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸ [۲] ایضاً ج ۳ ص ۲۸۱ [۳] ایضاً [۴] احکام القرآن لابن العربی ج ۲ ص ۹۸

اپنے قوانین میں دوسری حکمتوں اور مصلحتوں کے ساتھ ساتھ عفت وعصمت کا بھی کتنا عمدہ تحفظ کیا ہے، اور ان تمام بنیادی باتوں میں عفت وعصمت کا کس اہمیت کے ساتھ لحاظ کیا ہے۔

موجودہ دور میں غفلت

مگر افسوس یہ ہے کہ یہ سارے طریقے اور آداب جو اسلام نے گھر میں داخلہ کے لیے مقرر کیے ہیں جن کو قرآن پاک نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، حدیثوں میں جس کی تاکید آئی ہے، خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کو برتا، صحابۂ کرام کو تعلیم فرمائی، اور پھر صحابۂ کرام نے جن پر زندگی بھر عمل کیا، یہ احکام آج مسلمانوں میں متروک ہیں۔ مسلمان گھرانوں میں ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ضرورت ہے کہ ان آداب واحکام کو عمل سے بھی زندگی بخشی جائے۔

حق یہ ہے کہ عفت وعصمت کے تحفظ کا جو سامان قوانینِ الٰہی میں ہے اور کہیں نہیں مل سکتا۔ اس سلسلہ میں اہتمام کا یہ حال ہے کہ بالغین اور مراہق کا حکم بیان کرنے کے بعد قرآن نے ان کا حکم بھی بیان کیا ہے جو غیر مراہق اور بچے ہیں، اور وہ سوچ سمجھ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ غیر محارم کے متعلق معلوم ہو چکا کہ ان سے مکمل پردہ کیا جائیگا صرف ضرورت کے وقت چہرہ اور کفّین کے کھولنے کا حکم ہے مگر یہ بھی اس وقت جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو محارم کا حکم بھی بیان ہو چکا کہ ان سے بھی تمام اعضاء وجوبی طور پر چھپائے جائینگے، صرف ان موقعوں کے سوا جو عام طور پر کھولے جاتے ہیں یا کھلتے رہتے ہیں جیسے چہرہ، ہتھیلیاں، بازو، سر اور پنڈلی وغیرہ، مگر مطلب یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ان اعضاء کو کھولے۔ غلام عورت کے لیے غیر محرم کے حکم میں ہے، اس سے مکمل پردہ ضروری ہے۔ کافرہ لونڈی کا حکم بھی محرم کا سا ہے۔

خاص اوقات میں سب کے لیے استیذان

یہاں یہ بتانا ہے کہ چھوٹے نابالغ لڑکے اور لونڈیاں جو محرم کے حکم میں ہیں خاص وقتوں میں ان کو بھی پرہیز کا حکم دیا گیا ہے، اگر ان مخصوص وقتوں میں یہ نابالغ لڑکے اور لونڈیاں آنا چاہیں تو یہ سب بھی اجازت حاصل کریں، کہ یہ وقت عموماً بے پردگی کے ہیں اور آدمی کے کھل کر رہنے سہنے کے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ — اے ایمان والو! تم میں سے اجازت لے کر آئیں لونڈی

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ	اور غلام، اور تم میں کے وہ جو بلوغ کو نہیں پہنچے
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ	ہیں، تین وقت ہیں، فجر کی نماز سے پہلے اور جس
وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ	وقت تم دوپہر میں اپنے کپڑے اُتار رکھتے ہو اور
مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ	عشار کی نماز کے بعد، یہ تین وقت تمہارے لیے بدن
لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ	کھلنے کے ہیں، ان وقتوں کے بعد نہ تم پر تنگی ہے
بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى	اور نہ ان پر (کیونکہ) تمہارے بعض بعض کے پاس
بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ	آتے جاتے ہی رہتے ہیں، اللہ یونہی کھولتا ہے باتوں
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (نور - ۸)	کو تمہارے لیے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اس آیت میں تین مخصوص وقتوں کا ذکر ہے، ایک نماز فجر سے پہلے جو آدمی کے لیے خوشگوار وقت ہے اور سو کر بیدار ہونے کا وقت ہے، رات کی بیخبری میں عموماً اس وقت ستر کھلے رہ جاتے ہیں، گہری نیند کی وجہ سے ستر پوشی کا زیادہ اہتمام نہیں ہوتا۔ دوسرا وقت دوپہر کا بیان کیا گیا ہے، جس وقت آدمی دن کا کھانا کھا پی کر قیلولہ کرتا ہے اور تھوڑی دیر کھل کر آرام کرتا ہے، گرمی کے زمانہ میں عام طور پر لوگ اس وقت بے خبر اپنے کمروں میں سوتے ہیں اور بعض عادی لوگ گرمی سردی دونوں زمانوں میں دوپہر میں سوتے ہیں۔ اس لیے کھلی بات ہے کہ نیند اور غفلت میں بے خبری کا غالب قرینہ ہے، تیسرا وقت نماز عشار کے بعد یہ بھی آرام کا وقت ہے، آدمی دن بھر کی تکان لیے بستر پر آتا ہے اور یہ سمجھ کر کہ سب آرام کر رہے ہیں بہت بے پرواہ لیٹتا اور سوتا ہے، مزید یہ کہ ان تینوں وقتوں میں کم وبیش شادی شدہ اپنی رفیقۂ حیات سے دلبستگی کرتا ہے، بوس وکنار کی نوبت آتی ہے اس لیے حق ہے کہ بچے اور لونڈیاں بھی اطلاع دے کر اندر داخل ہوں بغیر اجازت گھس جانے کی ہمت ہرگز نہ کریں، کیونکہ اگر موقع شرم وحیا کا ہوا، تو آدمی شرم سے گڑ جاتا ہے اور دلی رنج وتکلیف محسوس کرتا ہے، لونڈی اور خادمہ چونکہ بالغ ہوتی ہے اس لیے وہ خود بھی بعض موقعوں پر شرمندہ ہوتے

بغیر رہیگی، ان کے علاوہ وقتوں میں چونکہ یہ کیفیتیں عموماً نہیں ہوتیں اس لیے کوئی خاص پابندی نہیں ہے، پھر بچوں کا روکنا بھی مشکل ہے کہ وہ آنے جانے کے عادی ہوتے ہیں، یہی حال لونڈی اور خادمہ کا ہے کہ وہ کام کاج کے لیے آمد و رفت پر مجبور ہے۔ ان کو کہاں تک روکا جائیگا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی آیتوں میں جو استیذان کا حکم آیا ہے وہ اجنبی اور غیروں کے لیے ہے اور اس آیت میں استیذان کا حکم قرابتداروں کے لیے ہے یعنی ان لوگوں کے لیے ہے جو محارم میں داخل ہیں۔ بعض علماء لکھتے ہیں کہ پہلی آیت میں استیذان کا عام حکم تھا اور عام لوگوں کے لیے تھا اور تمام وقتوں کے لیے تھا اور اس آیت میں خاص لوگوں کو طلب اذن کا حکم ہے اور خاص وقتوں میں ہے، اور صحیح یہی ہے۔

اس آیت میں ملکت سے مراد صرف لونڈی ہے، کیونکہ عبد (غلام) غیر محرم میں داخل ہے، یہ مردوں میں آئینگے مگر عورتوں کے سامنے جانے کی ان کو اجازت نہیں ہے۔ پردہ کے خاص وقتوں میں ان پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے، جن کے آنے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ احتیاطی تدبیر اختیار کی گئی ہے، اور عقلاً بہت مناسب ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا تفسیری ترجمہ لکھتے ہیں:۔

"اے ایمان والو! تمہارے پاس آنے کے لیے تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے ایک تو نماز صبح سے پہلے، اور دوسرے جب سونے لیٹنے کے لیے دوپہر کو اپنے بعضے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں، یعنی یہ اوقات چونکہ عادۃً اور غالباً تخلیہ و استراحت کے ہیں، ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں اس لیے اپنے مملوکین اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع اور اجازت لیے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں کہ وجوب استیذان کی علت اس میں پائی جاتی ہے، اور ان اوقات کے سوا نہ تو بلا اجازت آنے دینے میں اور منع نہ کرنے میں تم پر کوئی الزام ہے

نہ بلا اجازت چلے آنے میں ان پر کچھ الزام ہے، کیونکہ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ کوئی کسی کے پاس، اور کوئی کسی کے پاس، مطلب اس کا موافق مذہب حنفیہ کے یہ ہے کہ غلام تو تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں نہ کہ عورتوں کے پاس، کیونکہ غلام کا حکم غیر محرم مرد کا سا ہے، اور لونڈیاں عورتوں کے پاس بھی، اور اسی طرح نابالغ بچے سب جگہ آتے ہیں، پس ہر وقت اجازت لینے میں دقت ہے، اور چونکہ یہ وقت پردے کے نہیں ہیں، اس لیے ان میں اعضاء مستورہ کو چھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں۔ پس مرد تو غلام کے سامنے ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت کا فر لونڈی سے بجز مواقع زینت کے سب چھپائے رکھے اور مرد کو لونڈی سے اگر وہ اس کے لیے حلال ہے، کسی بدن کا چھپانا ضرور نہیں، اور اگر حرام ہے تو ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت مسلمان لونڈی سے صرف ناف سے زانو تک چھپائے رکھے، سو اس استثناء میں کوئی دشواری نہیں، لہذا بے اذن آنا جائز ہوا، اور نابالغ بچہ کے روبرو مرد صرف زانو سے ناف تک اور عورت باستثناء مواقع زینت کے سب چھپائے رکھے۔ یہ بھی دشوار نہیں۔ اور ہر وقت اجازت لینے میں تنگی ہے، کیونکہ اس کی آمد و رفت بھی بہت ہے۔ اور ان تین وقتوں کے ماسوا بھی اگر کوئی عارض مانع ہو تو بھی استیذان واجب ہوگا، پس تخصیص باعتبار اس وقت کی عادت کے ہے، اسی طرح جیساکہ یہ حکم صاف صاف بیان کر دیا اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، پس سب مصالح اور حکمتوں پر اس کی نظر ہے اور احکام میں ان کی رعایت فرماتا ہے۔[1]

نابالغ بعد بلوغ اجازت لیں

ان نابالغ بچوں پر بھی بعد بلوغ اسلام نے عام وقتوں میں استیذان کی پابندی عائد کی ہے، جن پر بلوغ یا قریب البلوغ ہونے سے پہلے صرف مخصوص ہی وقتوں میں بھی،

---

[1] بیان القرآن ص۳۲ و ص۳۳ جلد ۸۔

ہندوستان میں جو یہ رواج ہوگیا ہے کہ بچپن سے جو آتا رہا ہے، بلوغ کے بعد بھی ان کو اندر آنے کی اجازت رہتی ہے اور عورتیں بلوغ کے بعد بھی ان سے پردہ نہیں کرتیں بالکل غلط اور شریعت کے خلاف ہے، پردہ دار گھرانوں میں یہ رسم بھی غلط طور پر رائج ہے، حالانکہ اسلام نے شدت کے ساتھ اس کی روک تھام کی ہے اور صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ بچے جب بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی اجازت لینی ہوگی، بلوغ سے پہلے والی آزادی باقی نہیں رہیگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ	اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کی حد کو پہنچیں تو ان
فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ	کو ایسی ہی اجازت لینی چاہیے جیسے تمہارے اگلے لیتے
مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ	رہے ہیں، اللہ یوں کھول کر تم کو اپنی باتیں سناتا ہے
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (نور-۸)	اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

یعنی اب تک ان بچوں کو تین ہی مخصوص وقتوں میں طلب اذن کا حکم تھا، مگر اب جب بالغ ہو چکے تو اب کسی وقت بھی بغیر اجازت اندر نہ جائیں، جس طرح دوسروں کو استیذان کا حکم ہے ان کے لیے بھی استیذان ضروری ہے، کیونکہ پہلے عدم بلوغ کی وجہ سے پردہ کی باتوں کا ان کو علم نہ تھا، نہ خود ان کے لیے اپنے اندر نہ کوئی کشش تھی اور نہ غیر کے لیے ان کے اندر کوئی کشش تھی، مگر اب ان کی حالت بدل چکی ہے، اب احساس پیدا ہو چکا ہے خود یہ اپنے اندر ایک انقلاب محسوس کرتے ہیں، اور دل جذبات سے معمور پاتے ہیں اور دوسروں کو بھی ان کی طرف کشش ہو سکتی ہے، اس لیے قدرتاً حکم بدلنا بھی ضروری ہے۔ مولانا تھانوی رح اس آیت کا تفسیری ترجمہ لکھتے ہیں:

"اور جس وقت تم میں سے یعنی احرار میں کے وہ لڑکے جن کا اوپر حکم آیا ہے حد بلوغ کو پہنچیں، یعنی بالغ یا قریب بہ بلوغ ہو جائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیے جیسا کہ ان کے اگلے یعنی ان سے بڑی عمر کے لوگ اجازت لیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اس لیے اس کو مکرر لایا گیا کہ قانونِ استیذان کی مصلحتیں نہایت واضح اور اس کے احکام نہایت قابلِ رعایت ہیں، تکریر سے اہتمام ظاہر ہو گیا۔"[1]

مَا ظَهَرَ کی تفسیر اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کا تمام بدن ستر ہے اور اس کا چھپانا ضروری ہے سوائے چہرہ اور کفین (ہتھیلیوں) کے جس کی طرف قرآن پاک نے اِلَّا مَا ظَهَرَ سے اشارہ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کو وہاں اِلَّا مَا ظَهَرَ کے مفہوم کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو، اور وہ اپنے ماحول کے مطابق یہ سمجھے کہ ان کا ہمیشہ کھلا رکھنا جائز ہے، اس لیے یہاں اگر اللہ تعالیٰ نے مَا ظَهَرَ کے مفہوم کو صاف فرما دیا اور مَا ظَهَرَ سے غلط فہمی کا معجزانہ انداز میں ازالہ کر دیا کہ چہرہ اور کفین جو مَا ظَهَرَ میں داخل ہیں بالذات تو ستر نہیں ہے، مگر یہ بھی مطلب نہیں ہے خواہ مخواہ کھلا رکھیں بلکہ وہ بھی ضرورت کے علاوہ دفتوں میں اجنبی سے واجب الستر ہیں تاکہ فتنہ و فساد کی آگ مشتعل نہ ہو سکے، ہاں بوڑھی عورتیں جو اپنی عمر کی انتہا کو پہنچ چکی ہیں وہ ان اعضاء (مَا ظَهَرَ) کو کھلا رکھ سکتی ہیں، گو بہتر چھپانا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ	اور تمہاری عورتوں میں سے جو گھروں میں بیٹھ
نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ	رہی ہیں جن کو نکاح کی کوئی توقع نہیں ان
ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ	کو کپڑے اتارنے میں گناہ نہیں مگر اس طرح کہ
يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ	اپنا سنگار دکھاتی نہ پھریں اور اس سے بھی بچیں
(نور - ۸)	تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے۔

چہرہ چھپانے کا حکم یہاں بوڑھی سنِ یاس کو پہنچی ہوئی عورتیں ہیں ان کو حکم ہے کہ مواقع زینت نہ کھولیں۔ اسی سے جانا جا سکتا ہے کہ جوان عورتوں کو مَا ظَهَرَ کے خواہ مخواہ کھلے رکھنے کی اجازت کیوں کر مل سکتی ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں:

"ایک یہ بات جاننا چاہیے کہ ... وجہ اور کفین کو وجوب استتار سے مستثنیٰ کیا ہے ... اس کا

[1] بیان القرآن جلد ہشتم ص ۳۳۔

مطلب صرف یہ ہے کہ بالذات ستر نہیں، نہ یہ کہ عورتیں کھلی جھار اپنی صورت غیر مردوں کو دکھاتی پھریں، کیونکہ فتنہ کے احتمال سے بالغیر وہ بھی واجب الستر ہے، البتہ جہاں احتمال فتنہ کا نہ ہو مثلاً جو بڑی بوڑھی عورتیں ہیں، جن کو کسی کے نکاح میں آنے کی کچھ اُمید نہ رہی ہو یعنی اصلاً محلِ رغبت نہیں رہیں ..... ان کو البتہ اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے جس سے چہرہ وغیرہ چھپا رہتا ہے غیر محرم کے روبرو اُتار رکھیں، بشرطیکہ زینت کے مواقع کا اظہار نہ کریں جن کا ظاہر کرنا، نامحرم کے روبرو بالکل ہی ناجائز ہے ..... بس صرف وجہ اور کفّین اور بقولے قدمین کا بھی اظہار جائز ہے۔ بخلاف جوان عورت کے کہ بوجہ احتمال فتنہ کے اس کو چہرہ وغیرہ کا پردہ بھی ضروری ہے مگر بعذر شرعی، اور ہر چند کہ عجائز کو کشف وجہ کی اجازت ہے، لیکن اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے"[۱]

ابن العربی لکھتے ہیں :-

وانما خص القواعد بذلك دون غيرهن لانصراف النفوس منهن ولان يستعففن بالتستر الكامل خير لهن من فعل المباح لهن من وضع الثياب	اس بوڑھیوں کو مخصوص کیا اوروں کو چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے کہ نفس ان بوڑھیوں کی طرف سے پھرا رہتا ہے اور اگر یہ تستر کامل اختیار کریں تو بلاشبہ یہ اس فعل مباح سے بہتر ہے کہ کپڑا اُتار دیں۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۴۱۳)

فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ چہرہ گو ستر میں داخل نہیں ہے مگر پھر بھی عورتوں کو لوگوں میں چہرہ کھولنے سے روکا جائیگا، تاکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہونے پائے، قدرت نے عورت کے چہرہ میں کچھ ایسی جاذبیت اور کشش رکھی ہے کہ مرد عورت کے اس حصّہ کو دیکھ کر اس کی طرف کھچتے ہیں، اور مردوں کے دل میں فطری شہوت کروٹیں لینے لگتی ہے۔ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

[۱] بیان القرآن جلد ہشتم ص ۳۳

والمعنی تمنع من الکشف لخوف ان یری الرجال وجھہا فتقع الفتنۃ لانہ مع الکشف قد یقع النظر الیہا بشہوۃ (رد المحتار ج ا ص ۲۸۴)

عورت کو چہرے کے کھولنے سے روکا جائیگا تاکہ مرد دیکھنے نہ پائے، کیونکہ کھلنے کی صورت میں کبھی نگاہ شہوت کے ساتھ پڑتی ہے۔

باریک کپڑے کا استعمال مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں

اوپر کی آیت کے "غیر متبرجات بزینۃ" کے جملہ سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ عورتیں اتنا باریک کپڑا استعمال نہ کریں جو ساتر نہ ہو بلکہ اس سے حُسن چھنتا ہو۔ ابن العربی لکھتے ہیں :-

ومن التبرج ان تلبس المرأۃ ثوباً رقیقاً یصفھا (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۱۴۳)

تبرج میں سے یہ بھی ہے کہ عورت اتنا باریک کپڑا استعمال کرے جو چغلی کرتا ہو۔

اسی سلسلہ میں انہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

رب کاسیات عاریات مائلات ممیلات لا یدخلن الجنۃ ولا یجدن ریحھا (احکام القرآن ج ص ۱۱۴۳)

بہت سی پہننے والی عورتیں ننگی کے حکم میں ہیں جو خود مائل ہوتی ہیں یا دوسروں کو مائل کرتی ہیں لیکن ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہونگی نہ اس کی بو پائینگی

اس حدیث کو نقل فرماکر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں "کاسیات" کے بعد "عاریات" اسی لیے فرمایا کہ وہ اتنا باریک کپڑا زیب تن کرتی ہیں کہ وہ گویا ننگی ہیں، اور پھر فرماتے ہیں کہ اتنا باریک کپڑا پہننا جس سے ستر کامل نہ ہو حرام ہے[1]۔

پہلے ہم یہ آیت نقل کر چکے ہیں :

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى (احزاب)

اور عورتیں اپنے گھروں میں قرار پکڑیں اور جاہلیت کی زیبائش کے ساتھ نہ پھریں۔

اُم علقمہؒ کہتی ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں حضرت حفصہؓ باریک دوپٹہ ڈالے ہوئے تھیں، حضرت صدیقہ نے جب دیکھا تو

---

[1] احکام القرآن لابن العربی ج ۲ ص ۱۱۴۳

اُن سے دوپٹہ لے لیا اور اسے پھاڑ ڈالا، اور اس کے بدلے ایک گاڑھے کپڑے کا دوپٹہ ان کو مرحمت فرمایا۔[1] یہ حفصہ رضؓ حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ کی بھتیجی تھیں۔

ایک دوسرا واقعہ بھی حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر (یعنی ان کی بہن) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں تشریف لائیں، یہ باریک کپڑا ڈالے ہوئے تھیں، ان سے اعراض فرماتے ہوئے ارشاد کیا:

یا اسماء ان المرأة اذا بلغت المحیض لن یصلح ان یری منہا الا ھذا وھذا اشار الی وجھہ وکفیہ (مشکوٰۃ کتاب اللباس)

اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جاتی ہے تو اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا کا دیکھنا درست نہیں ہے۔

مسلم شریف میں ایک حدیث آئی ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذ علیك ثوبك ولا تمشوا عراۃ

اپنے اوپر کپڑا لازم کرلو، ننگے مت پھرو۔

(مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ)

یہ اور اس طرح کی دوسری روایتیں بتاتی ہیں کہ عورت و مرد دونوں کو ایسا کپڑا استعمال کرنا چاہیے جو بدن کو ڈھانپ سکے، اور آدمی کا حسن و جمال عام طرح سے رسوا نہ ہو، جس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ پاکدامنی اور عفت بے داغ رہیگی اور حکماً یا حقیقۃً کوئی دھبہ دامنِ عصمت پر نہیں پڑ سکیگا۔

عورتوں کے پردے سے متعلق جو کچھ اختصار سے عرض کیا گیا، آپ غور کرینگے تو ان میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں پائینگے اور اگر آپ کی نظر میں یورپ کا اخلاق اور بے پردہ لڑکیوں کے دن رات کے واقعات آئینگے تو سمجھنے میں اور بھی سہولت رہیگی۔

---

[1] مشکوٰۃ کتاب اللباس ص ۳۷۷

دشمنانِ عفت وعصمت اسلام کی نظر میں

اسلام کی نظر میں عصمت وعفت اور اخلاق واعمال دین ودنیا کی بڑی دولت ہیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ دنیا سے امن وامان اور سکون واطمینان ناپید ہو جائے، اگر "عفت وعصمت" کے قوانین ناہموار ہوں، اور "اخلاق واعمال" کی مٹی پلید ہو جائے، اگر بدکاری اور عصمت فروشی پر پابندی عائد نہ ہو۔

دنیا کی تاریخ کا "باب اخلاق" پڑھیے، اور غور کیجیے کہ انسانوں کے "اعمال و اخلاق" کو سب سے زیادہ کس چیز سے نقصان پہنچا؟ بلکہ ساتھ ہی اس کا بھی تجزیہ کیجیے کہ قوم اور ملک کی بربادی کی بنیادی وجہ کیا تھی؟ اپنا خیال ہے کہ آپ کو یہ ماننا پڑیگا کہ یہ تمام خرابیاں اس لیے پیدا ہوئیں کہ عفت وعصمت کے تحفظ کا کوئی استوار قانون نہ تھا

اتہام باندھنا اسلام نے اسی وجہ سے اس شعبۂ زندگی کے قوانین میں کہیں سے کوئی رعایت نہیں کی ہے۔ زنا اور زناکار کے متعلق اسلام کا نقطۂ نگاہ شروع کتاب میں پڑھ آئے ہیں، یہاں یہ بتانا ہے کہ اسلام نے ان لوگوں کے متعلق کیا احکام دیے ہیں، جو عفت وعصمت کو داغدار کرنے کی سعی کرتے ہیں یا کسی کی عزت وآبرو اور عفت واخلاق پر حرف لاتے ہیں۔

اسلام کی نظر میں وہ شخص ملعون ہے جو کسی پاکدامن عورت یا مرد کو برائی سے متہم کرتا ہے، رب العزت کا ارشاد ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ	جو لوگ ان عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں جو ایسی
الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ	باتوں سے پاکدامن ہیں، بے خبر ہیں، ایمان والیاں
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ	ہیں، اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے
اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا	اور ان کو بڑا عذاب ہوگا جس روز ان کے خلاف ان
يَعْمَلُوْنَ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ	کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کاموں

وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ (نور-۲)

کی گواہی دینگے جو یہ لوگ کرتے تھے، اس روز اللہ تعالیٰ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا دیگا، اور ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا بات کھول دینے والا ہے۔

اس آیت میں بار بار غور کیا جائے، غیظ و غضب اور وعید و تہدید کس قدر آمیز انداز کا ہے، دنیا میں بھی ایسا شخص ملعون قرار دیا گیا اور آخرت میں بھی۔

اتہام لگانے کی سزا

کسی پاکدامن[عہ] کو زنا سے متہم کیا، اور چار عینی شرعی گواہ پیش نہ کر سکا، تو اس کی سزا یہ ہوگی کہ اُسے اسّی کوڑے لگائے جائینگے اور آئندہ کے لیے ایسا شخص مردود الشہادۃ قرار دے دیا جائیگا، ارشادِ ربانی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (نور-۱)

اور جو لوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لاسکیں، تو ایسے لوگوں کو اسّی دُرّے لگاؤ، اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور یہ لوگ فاسق ہیں۔

اس آیت سے عفت و عصمت کی اسلام میں جو قدر و منزلت ہے اس پر روشنی پڑتی ہے، ایک جرم کی وجہ سے اس قاذف پر قرآن پاک نے تین دفعات قائم کیں۔ یعنی اگر وہ چار گواہ نہ لاسکا تو (۱) اس کو اسّی کوڑے لگواؤ (۲) اس کی گواہی آئندہ کے لیے غیر معتبر قرار دو، گویا یہ سب سے بڑا جھوٹا ہے، اور (۳) یہ کہ اس پر فسق کا عیب چپک گیا۔

مسلمان کی عزت اسلام کی نظر میں

کسی پاکباز مسلمان کی آبروریزی کوئی معمولی جرم ہے بھی نہیں، جتنی قیمت ایک مسلمان کے خون کی ہے کم و بیش اسی درجہ میں اس کی عزت اور آبرو کی بھی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی اہمیت جتائی ہے

عہ جس کو زنا سے متہم کیا جائے اگر اس میں پانچ شرطیں جمع ہوں اور متہم کرنے والے میں تین شرطیں تو حد واجب ہے، متہم بالزنا کی پانچ شرطیں یہ ہیں: بالغ ہو، عاقل ہو، مسلمان ہو، حر ہو، عفیف ہو۔ اور متہم کرنے والے کی شرطیں یہ ہیں: بالغ ہو، عاقل اور حر ہو ۱۲۔

اس میں ایک عزت و آبرو بھی ہے کہ جو درجہ مکہ مکرمہ کے اندر ماہ ذی الحجہ کے یوم عرفہ کو حاصل ہے ایسا ہی درجہ مسلمان کی "عزت و آبرو" کو بھی حاصل ہے۔[۱]

ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

کل المسلم علی المسلم حرام عرضہ ومالہ ودمہ (ریاض ص۱۳۱)	مسلمان کا مسلمان پر عزت و آبرو اور اس کا مال وخون حرام ہے

اور تہمت کرنے والے کا یہ فعل اس آیت کے ضمن میں بھی آجاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ (نور-۲)	جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے۔

اگر فرض کر لیجیے تہمت لگانے والا سچا ہے، مگر جبکہ اس کو معلوم ہے کہ ہم چار گواہ شرعی فراہم نہ کر سکینگے اور یہ کہ بغیر گواہ شرعی حد قائم نہیں ہو سکتی ہے تو ایسی حالت میں بھی اس کو تہمت لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ ایسی شکل میں جس کو تہمت لگا رہا ہے اس کی بے وجہ رسوائی ہے اور اپنی اذیت اور سزا۔ اس لیے اچھا ہے چشم پوشی کر جائے، ہاں خود بدکار کو سمجھانا چاہیے اور عذاب الٰہی سے ڈرانا چاہیے، اس طرح ثواب بھی مل جائیگا اور ممکن ہو مجرم اپنے جرم سے توبہ کرلے۔ لیکن اگر اس نے چار شرعی گواہ پیش کر دیے اور شرعی طور پر اس کا جرم زنا ثابت ہو گیا تو پھر کوئی طاقت اسے قانون کی زد سے نہیں بچا سکتی اور شرعاً اس پر حد جاری ہوگی، اگر محصن شرعی ہے تو اس کی سزا رجم ہے ورنہ سَو کوڑے۔

اسلام میں سزا کی نوعیت اس سزا پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اسلام نے جرموں کی سزا عموماً اس کی نوعیت کے اعتبار سے مقرر کی ہے، یعنی جرم کی جیسی نوعیت ہوتی ہو اسی طرح کی سزا بھی اس کو دی جاتی ہے، مثلاً چور کی سزا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے، کہ اس

[۱] ریاض الصالحین ص۱۳۵

کام میں ہاتھ کو بڑا دخل ہے، ڈاکو کی سزا شریعت نے یہ مقرر کی ہے کہ ایک پیر اور ایک ہاتھ کاٹا جائے۔ کھلی بات ہے اس کا جرم چور سے بڑھا ہوا ہے۔

پھر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے سزا کی دو قسمیں مقرر کی ہیں ایک کا نام حد ہے، دوسری کو "تعزیر" کہتے ہیں، آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ "حدود" میں ان جرموں کو رکھا ہے جن کی طرف طبیعت کو رغبت ہوتی ہے، اور ان میں بھی سزا کے اندر رغبت اور طبعی رجحان کے انداز سے شدت بڑھ گئی ہے۔ حدود میں چوری، ڈکیتی، مے خواری زنا وغیرہ ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ زنا ایک ایسا فعل ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان جلد ہوتا ہے اور اس میں انسانی طبیعت کے لیے بڑی کشش اور ظاہری طور پر بڑی لطف اندوزی ہے، اس لیے اسلام نے اسے "حدود" میں شمار کیا، اور اس جرم کی سزا میں بڑی شدت اور سخت گیری سے کام لیا، نرمی کا کوئی نام ونشان نہیں اور طرزِ سزا بڑا ہی عبرت انگیز اور دردناک ہے، جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا۔

زنا کی سزا اور جرم کی نوعیت

اوپر جس اصول کی طرف اشارہ کیا گیا اس کے مطابق زناکار مرد و عورت کی سزا یہ ہونی چاہیے تھی کہ ان کی شرمگاہیں کاٹ دی جاتیں اور زناکار کے اس حصّہ کو خصوصیت سے اذیت پہنچائی جاتی، جس سے یہ فعل صادر ہوتا ہے۔ مگر اسلام نے ایسا نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا میں وطی ہوتی ہے، اور یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ وطی اور جماع میں لذت صرف خاص اعضا ہی کو نہیں ملتی بلکہ اس وقت جسم کے کونے کونے میں اس لذت کی بجلی دوڑ جاتی ہے، اور وقت خاص میں بال بال آدمی کا لذت اور لطف محسوس کرتا ہے، اس لیے اسلام نے مناسب یہی سمجھا کہ سزا بھی اسی طرح کی تجویز کی جائے جس کی وجہ سے اذیت ظاہری طور پر بھی تمام جسم کو پہنچے۔

عضو خاص کے کاٹ دیے جانے کی صورت میں سزا کا جو منشا ہے وہ پورا نہیں ہوتا

کیونکہ سزا سے تکلیف کے ساتھ یہ بھی مقصد ہے کہ مجرم کی رسوائی اور زجر و توبیخ ہو، ہر شخص دیکھے کہ یہ سزا فلاں جرم کی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اس حصہ کا مقام پردہ میں ہے جس پر کسی طرح نگاہ پڑ سکتی ہی نہیں، مثلاً چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، اس پر ہر شخص کی نگاہ پڑتی ہے، مگر شرمگاہ پر کس کی نظر پڑ سکتی ہے؟

دوسری بات یہ ہوتی کہ سزا جرم سے بڑھ جاتی، کیونکہ "عضو خاص" کے کاٹ دیے جانے سے قطع نسل لازم آتی۔ پھر یہ کہ قطع عضو کی صورت میں ہلاکت کا تیقن نہیں تو ظن غالب بہر حال ہوتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ انہی وجوہ سے زنا کی سزا اسلام نے قطع "عضو خاص" مقرر نہیں کی۔

پھر تھوڑے تامل سے یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جس طرح چور اور ڈاکو کی سزا میں تفاوت ہے، اسی طرح اس شخص کی سزا میں بھی تفاوت ہونا چاہیے جو "محصن شرعی" ہے اور جو "محصن شرعی" نہیں ہے۔ چنانچہ اسلام نے اس کا بھی پورا لحاظ رکھا ہے، اور دونوں کی سزا میں نمایاں فرق ملحوظ رکھا ہے۔

زناکار کی سزا اتنی بات جب آپ معلوم کر چکے تو آیئے بتائیں کہ اسلام نے زنا کی سزا کیا مقرر کر رکھی ہے، ارشادِ ربانی ہے

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (نور - ۱)	زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو اور تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ان دونوں پر ذرا رحم نہ آنا چاہیے، اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

اللہ اکبر! لب و لہجہ پر غور کرکے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے یہاں اپنی ساری نرمی اٹھا رکھی ہے اور اس کے غضب کی تلوار بے نیام ہے، مجرم کی سزا جو ہے وہ ظاہر ہے مگر حاکم کو بھی

تنبیہ اور تہدید ہے، اور اس کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ ترحم اور ترس کھانا یہاں بھول جاؤ۔

اس شخص پر کیسے ترس کھایا جائے، جس کے سامنے اسلام نے عفت وعصمت کی اہمیت کھول کر رکھی، ساتھ ہی زنا کے مفاسد اور اس کے دینی و دنیوی نقصانات اس پر ظاہر کیے اور جائز طریقے سے جنسی میلان کی تکمیل کی اجازت مرحمت کی اور پھر بااین ہمہ اس نے حدود اللہ کو توڑا۔

اس موقع پر عدمِ رافت کی تاکید غالباً اس وجہ سے بھی ہے کہ عموماً ایسے موقع پر آدمی کو یہ سوچ کر رحم آجاتا ہے کہ یہ انسان کی فطری خواہش ہے جس سے کبھی وہ مغلوب ہو جاتا ہے اور یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ جو کچھ ہوا، دونوں کی رضامندی سے ہوا۔ آیت میں اس شیطانی وسوسہ کی بھی مدافعت مقصود ہے۔

زناکار کی سزا کی تشہیر بے رحمی سے سو کوڑے مارے جانے کے علاوہ یہ بھی قرآنی ہدایت ہے کہ جب زناکار نے اپنی عفت کو داغ لگایا، اور اس کی شرم اور حیا کو زمین و آسمان نے جذب کر لیا، تو پھر اس کی سزا پردہ میں کیوں ہو، بلکہ اس سزا کے وقت ایمان والوں کا ایک ہجوم ہو کر سزا کی خوب تشہیر ہو اور دوسرے لوگوں کے لیے بھی یہ عبرت وبصیرت بن سکے۔

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (نور-۱) — اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔

شاید لوگوں کی موجودگی سے یہ بھی مقصود ہو کہ عوام کو اس کا علم ہو جائے کہ اس مجرم نے عذابی کیڑوں کو جذب کر لیا ہے جو ممکن ہے موقع پر ان کو معاف نہ کریں اور دوبارہ جرم پر آمادہ کر دیں، اس لیے اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ قرآن پاک کی یہ آیت

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ (نور-۱) — زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے، اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا، بجز زانی یا مشرک کے۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زنا کار ہوتا ہے اس کی اول نظر زنا ہی پر جاتی ہے، اور اس فعل کی وجہ سے بطور عذاب زنا کا خیال اس کی طبیعت میں رس بس جاتا ہے، اس لیے ایسے شخص سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے۔

بے حیا عورت پر پابندی بے حیا عورت کے متعلق قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اس کی بے حیائی ظاہر ہو چکی تو اس پر پابندی عائد کردی جائے اور خیال رکھا جائے کہ وہ گھر کی چاردیواری سے نکلنے نہ پائے، کیونکہ اس کا نکلنا ہر اعتبار سے نقصان دہ ہے، یا عورت خود پھر بے حیائی کے کام کا موقع ڈھونڈھ نکالیگی، یا بُرے مرد اس کو خواہ مخواہ چھیڑینگے، گو وہ نہ بھی چاہے، کیونکہ یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ جس نے ایک مرتبہ زنا کا ارتکاب کیا، اس سے دوبارہ اس جرم کا ارتکاب لوگ بعید نہیں سمجھتے، ہاں شادی کے ذریعہ، اگر شادی نہیں ہوئی ہے اصلاح کی امید کی جاتی ہے جس آیت سے پابندی عاید کرنے کا حکم سمجھ میں آتا ہے یہ ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ	اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کا
فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ	کام کریں، تو تم لوگ ان پر اپنے میں سے چار آدمی گواہ
شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی	کرلو، سو اگر وہ گواہی دیدیں تو تم ان کو گھروں کے
یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ	اندر مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے
سَبِیْلًا۔ (النساء ر ۲)	یا اللہ تعالیٰ اُن کے لیے کوئی اور راہ تجویز کردیں۔

گو علماء کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ زانیہ عورت کی شروع میں یہی سزا تھی، اب باقی نہ رہی اور اس طرح یہ آیت منسوخ ہے، مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہ ہو، بلکہ زنا کی سزا تو وہی ہو جو اوپر کی آیت میں سو کوڑے بیان کی گئی اور اس آیت کا منشاء یہ ہو کہ اجراءِ حد کے بعد عورت پر پابندی لگادی جائے کہ گھر سے نہ نکلنے پائے، تا کہ اس کی عصمت کو خطرہ لاحق نہ ہو، چنانچہ صاحب کشاف کے قول سے میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں:

ویجوز ان تکون غیر منسوخۃ بان یترک ذکر الحد لکونہ معلوما بالکتاب و السنۃ ویوصی بامساکھن فی البیوت بعد ان یحدون صیانۃ لھن عن مثل ما جری علیھن بسبب الخروج من البیوت و التعرض للرجال (کشاف ج ۱ ص ۲۵۶)

یہ بھی جائز ہے کہ یہ آیت منسوخ نہ ہو اور "حد" کا ذکر یہاں اس لیے چھوڑ دیا گیا ہو کہ یہ کتاب و سنت سے معلوم ہے اور یہاں اس کی تاکید کی جا رہی ہو کہ زناکار عورتوں پر حد کے اجراء کے بعد گھروں کے اندر رہنے کی پابندی لگا دی جائے کہ وہ اب سزا سے محفوظ رہیں جو گھر سے نکلنے اور مردوں کی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ ہے۔

بہر حال اتنی بات ضرور ہونی چاہیے کہ زناکار مرد اور عورت کے ساتھ سلوک اس طرح ہو کہ وہ محسوس کرے کہ جو کچھ میں نے کیا، برا کیا، اتنا برا کہ سماج اور سوسائٹی بھی اسے برداشت نہیں کر سکتی ہے، اور اس طرح وہ اپنے کیے پر پچھتائے، کسی لفظ سے اس کے اس برے فعل پر تائید کا پہلو پیدا نہ ہونے پائے، تاکہ دوسرے پر بھی یہ معاملہ اثر انداز ہو۔

عہدِ نبوی میں "حدِ زنا" کی عملی مثال موجود ہے، کتبِ حدیث میں واقعات پڑھے جا سکتے ہیں اوپر جو سزا بیان کی گئی وہ اس شخص کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ اور غیر محصن ہو یعنی غیر شادی شدہ ہو، اور ایسے شخص نے بخوشی زنا^عہ^ کا ارتکاب کیا ہو تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں جو تمام بدن کے متفرق حصوں پر لگائے جائیںگے، صرف چہرہ اور ان اعضاء کو جن پر ضرب لگنے سے انسان مر جاتا ہے محفوظ رکھینگے۔

انسان کا قانون رجم اور یہ شخص مکلف اگر آزاد ہونے کے ساتھ محصن بھی ہو یعنی نکاح صحیح کرکے اپنی بیوی سے جماع کر چکا ہو تو اس کی "حدِ رجم" ہے۔ یعنی ایسے زناکار مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائیگا۔

عہ زنا کی تعریف فقہاء نے یہ کی ہے کہ "عاقل بالغ کے ذکر کا حشفہ ایسی عورت کی شرمگاہ میں غائب ہو جائے جو نہ اس کی منکوحہ ہو نہ شرعی لونڈی۔ اور یہ وطی شبہ اور دباؤ کی وجہ سے نہ ہوئی ہو۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے بیان کیا کہ میں نے زنا کیا ہے اور اس کی چار بار اپنے اوپر شہادت دی، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے رجم (سنگسار) کا حکم فرمایا جو محصن تھا۔[1]

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ کو پکار کر کہا۔ یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا۔ یہ سن کر پہلے آپ نے منہ پھیر لیا، لیکن اس نے اپنی یہ بات چار مرتبہ کہی۔ اس کی چار گواہی کے بعد آپ نے اُسے بلایا اور پوچھا، تو پاگل ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے پوچھا "ہل احصنت" (کیا تو شادی شدہ ہے؟) اس نے کہا "نعم" (ہاں) اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کو لیجاؤ اور رجم کرو۔[2]

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کا واقعہ کتب حدیث میں بہت مشہور ہے کہ انہوں نے خود آکر خدمتِ نبوی میں جرم کا اعتراف کیا۔ آپ نے پہلے ٹالنے کی کوشش کی مگر انہوں نے چار بار اس کا اقرار کیا، اس طرح جب یقین ہو گیا تو آپ نے ان کے "رجم" کا حکم جاری فرمایا اور وہ سنگسار کیے گئے۔[3]

رجم کی حقانیت یہ بالکل درست ہے کہ قرآن میں رجم کا حکم صراحتاً مذکور نہیں ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا انکار کر دیا جائے جبکہ صحیح حدیثوں میں بکثرت اس طرح کی مثالیں موجود ہیں اور خود ارشادِ نبوی میں بھی صراحتاً رجم کا حکم مذکور ہے،

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے اپنے زمانہ میں اس خدشہ کا اظہار فرما کر اس کی تردید فرمائی تھی، آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

لقد خشیت ان یطول الناس زمان حتی	مجھے خوف ہے کہ ایک عرصۂ دراز کے بعد کہنے والے
یقول قائل لا نجد الرجم فی کتاب اللہ	یہ کہنے پر نہ اتر آئیں کہ ہم کتاب اللہ میں "رجم" کا

[1] بخاری باب رجم المحصن [2] بخاری باب لا یرجم المجنون والمجنونۃ [3] بخاری باب ہل یقول الامام للمقر

فیضلوا بترك فریضة انزلها الله، الا و ان الرجم حق علی من زنی وقد احصن اذا قامت البینة او کان الحمل او الاعتراف (بخاری باب لاعتراف بالزنا)

کا حکم نہیں پاتے ہیں، اگر ایسی بات ہوئی تو وہ اس ایک فریضہ کی ترک کی وجہ سے گمراہ ہو جائیںگے، سُن رکھو شادی شدہ زانی پر رجم حق ہے جب ثبوت شرعی یا دلیل شرعی، یا اعتراف پایا جائے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ خدشہ درست ثابت ہوا اور بعد کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے وہی کہا جس کی حضرت عمرؓ نے پیشین گوئی کی، مگر الحمد للہ ان کی یہ بات انہی تک محدود رہی اور امت اس گناہ سے محفوظ رہ گئی، جمہور امت کے یہاں "رجم" کا حکم بالکل بجا ہے اور امت میں یہی حکم رائج ہے،

عقل سے بھی رجم کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ محصن اور غیر محصن کی سزا میں ضرور فرق چاہیئے اور اس کی یہی صورت ہے، دوسری بات یہ ہے غیر محصن کے راہ راست پر آجانے کی کافی اُمید ہے کہ شادی سے جنسی میلان کا راستہ کھل جائیگا، اور اس میں بُری عادت باقی نہ رہیگی، مگر شادی شدہ سے جب یہ جرم سرزد ہوتا ہے، تو خطرہ ہے کہ اس کا وجود مرض متعدی کی حیثیت اختیار نہ کرلے، اس لیے اچھا ہے کہ اس کے وجود سے سوسائٹی پاک ہو جائے،

رجم کا طریقہ بہر حال محصن مرد اور عورت سے اگر زنا پایا جائے اور ثابت ہو جائے تو ان کو سنگسار کیا جائیگا، اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک کھلی ہوئی جگہ مجرم کو لیجایا جائیگا، جہاں قاضی اور گواہ موجود ہونگے اگر اعترافِ جرم سے یہ فیصلہ ہوا ہے تو حاکم بسم اللہ کریگا اور گواہی سے جرم ثابت ہوا ہے تو گواہ ابتدا کرینگے، یعنی پہلے یہ پتھر اٹھا کر اُس پر مارینگے، پھر عام پبلک۔ اور اس طرح پتھر مارتے مارتے اس کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر دیا جائیگا، عورت کو رجم کرنا ہوگا تو اس کے لیے گڑھا کھودا جائیگا اور نصف بدن اس میں گاڑ دیا جائیگا، تاکہ بے ستری کا خوف نہ رہے۔

غلام اور لونڈی کے احکام میں نے قصداً چھوڑ دیے ہیں۔ بس یوں سمجھیے ان کے لیے "رجم" نہیں ہے اور کوڑوں میں آزاد سے آدھے اُن کو لگائے جائیںگے، یعنی حدِ قذف میں چالیس

کوڑے اور حدِ زنا میں پچاس کوڑے مارے جائیں گے۔

زبردستی زنا اور اس کا حکم

اگر کسی عورت سے زبردستی زنا کیا گیا ہے تو اس پر حد نہیں ہے۔ بخاریؒ نے اپنی جامع میں ایک باب ہی باندھا ہے "اس عورت پر حد نہیں ہے جس سے زبردستی زنا کیا گیا ہو" اور اس باب کے تحت پہلے یہ آیت نقل کرتے ہیں:

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (نور-۴)	اور جو شخص ان کو مجبور کریگا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک غلام نے ایک لونڈی سے زبردستی زنا کیا، یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے یہاں پیش ہوا تو آپ نے ثبوت کے بعد غلام پر حد جاری کی، مگر لونڈی کو بری کر دیا کیونکہ اس سے زبردستی کی گئی تھی۔[۱]

عہدِ نبوی کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک خاتون نماز کے لیے نکلیں، راستہ میں ایک مرد سے ان کی ملاقات ہو گئی، مرد نے اس خاتون کو پکڑ لیا اور زبردستی ان کے ساتھ زنا کیا، یہ خاتون چیخی چلائی تو لوگ دوڑے، اور زانی کو گرفتار کیا، پھر یہ زانی دربارِ نبوی میں پیش ہوا، چنانچہ اس شخص نے جرم کا اقرار کر لیا، عورت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اذہبی فقد غفر اللہ لک" (تو جا، اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بخش دیا) اور زانی کے لیے رجم کا فیصلہ فرمایا۔[۲]

پاگل کا حکم

پاگل کا حکم بھی یہی ہے یعنی اس پر بھی حد نہیں ہے۔

ان القلم مرفوع عن ثلثة عن المجنون حتی یبرأ و عن النائم حتی یستیقظ و عن الصبی حتی یعقل (جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۸۶)	تین سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، پاگل سے جب تک جنون کے مرض سے اچھا نہ ہو جائے سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو اور بچہ سے جب وہ عاقل نہ ہو۔

کسی مرد نے دباؤ کی وجہ سے زنا کیا ہو، اس کے متعلق اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں اس پر حد ہے مگر یہ کہ دباؤ ڈالنے والا خود سلطان ہو تو حد نہیں ہے، اور صاحبینؒ اور امام شافعیؒ

---

[۱] بخاری باب اذا استکرہت المرأۃ علی الزنا فلا حد علیہا۔ [۲] جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۸۶

کا قول ہے کسی کے بھی زبردستی کرنے سے اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہو بہر حال اس پر حد نہیں ہے۔[1]

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اسلام کے ان قوانین سے عصمت و عفت کی جو اہمیت سمجھ میں آتی ہے اس پر بار بار غور کیا جائے، اور انصاف کیا جائے اگر اسلام کا یہی قانون پوری دنیا میں نافذ کر دیا جائے، تو کیا یقین نہیں ہے کہ دنیا سے بدکاری (جو وبا کی طرح پھیل پڑی ہے) ختم ہو جائیگی؟ دنیا چاہتی ہے کہ اخلاق و اعمال کی بلندی اور عفت و عصمت کا تحفظ عمل میں آئے تو اسے اسلام کے ان قوانین پر غور کرنا چاہیے۔

قومِ لوط کا عمل

شروع کتاب میں لکھ آیا ہوں کہ لواطت حرام ہے، اپنی بیوی کے ساتھ ہو یا کسی دوسری عورت یا مرد کے ساتھ، یہ ایسی برائی ہے جس پر تقریباً تمام اہلِ علم سلیم الطبع کا اتفاق ہے۔ غالباً کچھ لوگ شیعی علماء میں ایسے ہیں، جو اپنی بیوی سے لواطت کو جائز کہتے ہیں، اور وہ اپنی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:-

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ (بقرہ - ۲۸)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس تم اپنے کھیت میں آؤ، جس طرف سے چاہو۔

وطی فی الدبر

مگر تعجب ہے کہ وہ اس آیت کو اپنی دلیل میں کیسے پیش کرتے ہیں، یہ آیت تو ان کی تردید کرتی ہے، کیونکہ "حرث" کا لفظ کھلی دلیل اس بات کی ہے کہ موضع کاشت عورت کے آگے کا مقام ہے نہ کہ پیچھے کا، کیا کوئی مثال ہے کہ پیچھے کے حصّہ (دبر) سے کسی عورت کے کوئی بچہ پیدا ہوا ہو، یا کوئی ڈاکٹر اپنے فن کے اعتبار سے اس کی کاشت کو ثابت کر سکتا ہے، جب یقینی طور پر ایسی بات نہیں، تو پھر کوئی ذی عقل اور سمجھدار اس آیت سے کیونکر ثابت کر سکتا ہے، پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ وطی فی الدبر کو جائز قرار دیا جائے تو مقاصدِ نکاح کا کیا حشر ہوگا

[1] احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۳۱۹۔

کوئی بد طینت مرد فرض کر لیجیے اپنی جنسی خواہش عورت کے پچھلے حصہ (دبر) سے پوری کر بھی لے مگر سوال یہ ہے کہ عورت کیا کریگی؟ قرآن میں اس کی تفسیر خود موجود ہے ارشادِ ربانی ہے۔

فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ — سو تم ان کے پاس آؤ جس جگہ ہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو

(بقرہ - ۲۸) — اجازت دی ہے۔

کتبِ حدیث میں بیسیوں حدیثیں صراحتاً بتاتی ہیں کہ عورت کے ساتھ بھی وطی فی الدبر حرام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من اتی النساء فی اعجازھن فقد کفر رواہ الطبرانی ورواتہ ثقات (مفتاح الخطابۃ ص۲۱۷) — عورتوں سے جس نے وطی فی الدبر کی اس نے کفر کیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی

من اتی حائضا او امرأۃ فی دبرھا او کاھنا فقد کفر بما انزل علی محمد رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۵۶) — جو شخص حائضہ سے یا اس کے دبر سے جنسی میلان پورا کرے یا کاہن کے پاس آئے اس نے دینِ محمد سے انکار کیا۔

کا مطلب بھی یہی ہے کہ عورت کے ساتھ لواطت کسی حال میں جائز نہیں۔ صحابۂ کرام میں کوئی بھی اس کی حلت کا قائل نہیں ہے، ائمہ اربعہ بھی لواطت کو (عورت کے ساتھ بھی) حرام ہی کہتے ہیں۔

جس حدیث میں یہ ہے کہ عورت کے پیچھے سے آسکتے ہیں اس کا مطلب خود صحابہ نے یہ بیان کیا ہے کہ پیچھے کی طرف سے اگلے حصہ سے استمتاع کرے، علامہ نووی لکھتے ہیں۔

واتفق العلماء الذین یعتد بھم علی تحریم وطی المرأۃ فی دبرھا حائضا کانت او طاھرا لاحادیث کثیرۃ مشھورۃ (شرح مسلم ص۴۶۳ ج۱) — بہت سی احادیث مشہورہ کے پیشِ نظر قابل اعتماد علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سے وطی فی الدبر کرنا خواہ حائضہ ہو، خواہ پاک حرام ہے۔

بہر حال یہ مسئلہ ثابت شدہ ہے عقلی طور پر بھی اور نقلی لحاظ سے بھی۔

استلذاذ بالمثل مرد کا مرد سے اپنے جنسی میلان کا پورا کرنا، یہ اپنے پیچھے ایک لمبی تاریخ رکھتا ہے، قرآن پاک کی شہادت یہ ہے کہ اس فعلِ بد کی ابتدا قوم لوط نے کی، اس قوم سے پہلے کوئی اس کا مرتکب نہ تھا، قوم لوط کے اس فعلِ بد کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے:۔

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ	اور ہم نے لوط کو بھیجا جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے
مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ	فرمایا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے دنیا
اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ	جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا، کیا تم مردوں
النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۔	کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو، عورتوں کو چھوڑ کر،
(الاعراف ـ ۱۰)	بلکہ تم حد سے گزر گئے ہو۔

اس معنی کی اور بھی متعدد آیتیں قرآن میں مذکور ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے "استلذاد بالمثل" مردوں میں قوم لوط سے شروع ہوا، یہی قوم اس کی موجد ہے، حضرت لوط علیہ السلام کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم نے اس فعل کو اس طرح شروع کیا کہ ان کی قوم کے سامنے اس طرح کی کوئی مثال نہ تھی۔

قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قومِ لوط کی خباثت اس سلسلہ میں بہت بڑھی ہوئی تھی، اس بُرائی پر ان کو ذرہ برابر ندامت محسوس نہ ہوتی تھی بلکہ قوم علی الاعلان اس بُرائی کا ارتکاب کرتی تھی۔ ان کی شیطنت کا یہ حال تھا کہ جہاں کسی خوبصورت کو دیکھا لوگ ٹوٹ پڑے، مہمان کی بھی اس سلسلہ میں پرواہ نہ تھی، زبردستی کرنا چاہتے تھے۔

قوم لوط اور اس کا انجام سورۂ ہود ساتویں رکوع میں رب العزت نے اس وقت کا نقشہ کھینچا ہے، جب عذاب کے فرشتے نوجوان انسان کی صورت میں مہمان بن کر لوط علیہ السلام کے یہاں پہنچے ہیں اور قومِ لوط ان مہمانوں کی بے حرمتی کے لیے آمادہ ہوگئی ہے، یعنی چاہا گیا ہے کہ ان سے اپنی جنسی پیاس بجھائیں۔

لوط علیہ السلام کی پریشانی کا عجیب عالم ہے، قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ عورتوں سے اپنی جنسی

تسکین چاہو، اس غیر فطری فعل پر تم کیوں مصر ہو، پھر درد کے ساتھ فرما رہے ہیں اور اللہ کا واسطہ دے رہے ہیں کہ یہ میرے مہمان ہیں، تم نے کوئی بات کی تو میری رسوائی ہوگی۔ مگر ملعون قوم ہے کہ ایک نہیں سنتی۔

بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور بُری طرح سے قوم لوط تہ و بالا ہوئی، زمین کو الٹ کر اس قوم پر دے مارا اور پھر پتھر کی بارش بھی ہوئی، عذاب کا نقشہ قرآن میں کھینچتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَلَمَّا جَاۤءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ (ہود ـ ۷)

سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا، اور اس سرزمین پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے جو لگا تار گر رہے تھے، جن پر ان کے رب کے پاس خاص نشان بھی تھا

قوم لوط کے بعد قوم لوط کے بعد بھی اس فعل کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ لواطت کا وجود قبل مسیح بھی تھا یونان اور روم کے متعلق بیان ہے کہ یہاں یہ ذوق انتہائی عروج پر تھا، اس تلذذ بالمثل یا امرد پرستی کے سلسلہ میں لوگوں نے سقراط، ارسطو، سکندر اعظم اور جولیس سیزر وغیرہ کا نام بھی لیا ہے۔

فرانس کے متعلق لکھا ہے تیرہویں صدی عیسوی میں "امرد پرستی" اور "تلذذ بالمثل" کا بڑا زور تھا، اور حکومت کو اس سلسلہ میں ۱۲۱۲ء میں یہ قانون پاس کرنا پڑا کہ اس فعل کی سزا قتل ہے۔ اسی طرح چودہویں اور اٹھارہویں صدی کے متعلق بھی بیان ہے کہ فرانس میں بڑی کثرت تھی، جرمنی کا بھی یہی حال تھا۔

آپ یہ سن کر حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ نازی دور سے پہلے ایک صاحب ڈاکٹر ماگنوس ہرشفیلڈ تھے۔ جو دنیا کی مجلس اصلاح صنفی کے صدر رہ چکے ہیں، انہوں نے عمل قوم لوط کے حق میں چھ سال پروپیگنڈا کیا، آخر کار جمہوریت کا آلہ اس حرام کو حلال کر دینے پر راضی ہوگیا اور

جرمن پارلیمنٹ نے کثرت رائے سے طے کر دیا کہ اب یہ فعل جرم نہیں ہے، بشرطیکہ طرفین کی رضامندی سے اس کا ارتکاب کیا جائے اور معمول کے نابالغ ہونے کی صورت میں اس کا ولی ایجاب و قبول کی رسم ادا کرے[1]۔

مشرقی ممالک میں ایران کا نام بدنام ہے، فارسی کی شاعری سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس سلسلہ میں کراچی کا نام بھی لیا گیا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں تین اڈے ایسے پائے جہاں ہیجڑے لڑکے عصمت فروشی کیا کرتے تھے، افغانستان کے متعلق بھی بعض مصنفوں کا بیان ہے[2]۔

مغربی ممالک میں جیسا کہ کنسے رپورٹ کے تذکرے سے معلوم ہو چکا ہے اب تک اس کا چرچا ہے اور کافی ہے۔ ہند و پاکستان کو بھی اس سلسلہ میں پاک نہیں کہا جا سکتا۔ مگر یہاں عوام میں نہیں ہے بلکہ تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ میں ہے، اسکول، کالج، یونیورسٹی اور مدارس بھی اس لعنت میں گرفتار ہیں۔

استلذاذ بالمثل اسلام کی نظر میں

اسلام نے دوسری برائیوں کے ساتھ اس برائی سے بھی سختی سے روکا، اور اس فعلِ بد کی سزا نہایت سخت سے سخت تجویز کی ذرا سی بھی رو رعایت ملحوظ نہیں رکھی۔ اول تو قرآنِ پاک میں قوم لوط کا واقعہ تفصیل سے متعدد مقامات میں ذکر کیا گیا، اس برائی کے سلسلہ میں حضرت لوط علیہ السلام نے جس جس طرح اپنی قوم کو سمجھایا اُسے نقل کیا گیا، اس طرف اشارہ کیا کہ جس قوم کو تلذذ بالمثل اور "امرد پرستی" کی عادت ہو جاتی ہے اس کی اخلاقی حالت کس قدر پست اور ذلت آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے، پھر قوم کی عبرت انگیز سزا کا نقشہ پیش کیا، تاکہ قرآن کے پڑھنے والے اس برائی کے انجام سے اچھی طرح واقف ہو جائیں، اور اس طرح اپنے آپ کو اس غیر فطری فعل سے محفوظ رکھیں۔

قرآن و حدیث میں اس اُمت کے لیے اس غیر فطری فعل کی سزا بھی بیان کی گئی، اور اس سے رک کنے اور امت کو بچانے کے لیے بڑا مواد فراہم کر دیا گیا ہے، شروع میں قرآن میں ان غیر فطری فعل

---

[1] پردہ ص ۴۵ [2] تفصیل کے لیے دیکھیے اسلام اور جنسیات "استلذاذ بالمثل"

کے کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا۔

وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا (نساء ۔ ۳) تم میں سے جو دو مرد بدکاری کریں ان کو ایذا دو۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلنشین پیرایہ میں اس غیر فطری فعل کی برائی ذہن نشین کرنے کی سعی فرمائی، طرح طرح سے روکا، اس کی سخت سے سخت سزائیں بیان کیں، ایک دفعہ آپ نے اپنے خطرہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

ان اخوف ما اخاف علی امتی عمل قوم لوط (جمع الفوائد ج ا ۔ ص ۲۸۹) مجھے اپنی امت میں سب سے زیادہ خطرہ قوم لوط کے عمل کا ہے۔

گویا یہ پیش بندی تھی کہ قوم کا رخ ادھر نہ ہونے پائے، اور امت محسوس کرے کہ یہ ایسی برائی ہے جس کا اندیشہ ظاہر کرکے پیغمبر اسلام روک چکا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اپنا جنسی میلان مرد سے پورا کرتا ہے یعنی لواطت کرتا ہے، رب العزت اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیگا [۱]

لوطی نقل و عقل کی روشنی میں

خالق کائنات کو لوطی سے اتنی شدید نفرت ہوگی اور اس پر اس کا اتنا غضب ہوگا، واقعہ ہے کہ قوم لوط کا عمل دنیا میں سب سے بدترین عمل ہے، بالکل غیر فطری ہے، جو حیوانوں اور جانوروں میں بھی نہیں پایا جاتا، اس عمل کا ارتکاب کرکے انسان انسانیت کی مٹی پلید کرتا ہے، نسل کشی کا اعلان کرتا ہے اور یہی نہیں عورتوں کی تباہی و بربادی بھی اس میں مضمر ہے، خود اس کرنے والے مجرم کی بھی ہلاکت ہے، اپنے کو طرح طرح کی بیماریوں کا شکار بناتا ہے، کیونکہ اس کے اعضائے رئیسہ مضمحل ہوجاتے ہیں، چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کے کسی کام کا نہیں رہتا، یہ محروم القسمت انسان اولاد جیسی نعمت اور عفت جیسی عظیم الشان دولت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوجاتا ہے

لوگوں کا بیان ہے کہ جو اس غیر فطری برائی میں مبتلا ہوا۔ دنیا میں بھی عذابی کیڑے ہمیشہ

---

[۱] ترمذی ج ا ص ۱۳۸ ۔

کے لیے اس سے چپک گئے، یعنی پھر اس لت اور عادت کا دور ہونا قریب ناممکن ہے فاعل و مفعول بہ دونوں کا یہی حال ہوتا ہے، موت ہی اس بُری عادت کو چھڑا سکتی ہے اس سے پہلے کوئی اُمید نہیں، بوڑھے ہونے کے بعد بھی اس بُرے فعل میں مبتلا رہتے ہیں، یعنی فاعل بڑھاپے تک کرنے کی سعی کرتے ہیں اور مفعول بہ کروانے کی۔

لوطی کی سزا غالباً یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سزا قتل بیان فرمائی:

من وجد تموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ (ترمذی)

تو لوط کے عمل میں جس کو بھی مبتلا دیکھو قتل کر ڈالو فاعل (کرنے والے) کو بھی اور مفعول (جس کے ساتھ کیا جائے) کو بھی۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، یہ حدیث شرط بخاری پر صحیح الاسناد ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے[1]

اس حدیث کی بنیاد پر جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص لواطت کا مرتکب ہو اس کو قتل کر دیا جائے، خواہ محصن ہو یا غیر محصن۔ یہ ایسا جرم ہے جس میں معافی کی کوئی صورت ہی نہیں، کیونکہ اس غیر فطری فعل کو زنا سے بھی بدتر سمجھا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رض حضرت علی رض، حضرت خالد بن الولید رض، حضرت عبداللہ بن زبیر رض حضرت عبداللہ بن عباس رض، خالد بن زید رح عبداللہ بن معمر رح، پھر زہری رح، ربیعہ بن عبدالرحمن رح، امام مالک رح، اسحاق بن راہویہ رح اور امام احمد بن حنبل رح، ان تمام بزرگوں کا یہی قول ہے، اور امام شافعی رح کا بھی ایک قول یہی ہے[2]

ایک جماعت کہتی ہے کہ جو زانی کی سزا شریعت میں مقرر ہے وہی لوطی کی بھی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے قائلوں میں عطا بن رباح رح حسن بصری رح، سعید بن مسیب رح، ابراہیم نخعی رح قتادہ رح، اوزاعی رح، امام ابو یوسف رح، امام محمد رح، اور امام شافعی رح (اپنے ظاہر قول میں) ہیں، ایک روایت امام احمد رح سے بھی ہے[3]

---

[1] الجواب الکافی ص۱۳۰ [2] الجواب الکافی ص۱۳۹ [3] ایضاً

اس کے خلاف دوسری جماعت کہتی ہے کہ زنا اور لواطت میں بڑا فرق ہے، زنا پر حد مقرر ہے اور لواطت پر کوئی حد مقرر نہیں۔ اس لیے لوطی کی بعینہ وہی سزا نہ ہوگی جو زنا کار کی ہے۔ ہاں حاکم کو البتہ اختیار ہے کہ اس سے بھی زیادہ سخت اور دردناک سزا دے، لوطی کو ہاتھی کے پاؤں میں باندھ کر کچلوا دیا جائے، پہاڑ کے اوپر سے گرا کر مار ڈالا جائے اور یا آگ میں جلا کر مار دیا جائے۔ حضرت ابو حنیفہ اور حاکم کا یہی مذہب ہے[1]

پس معلوم ہوا کہ اجماعِ صحابہ اسی پر ہے کہ قتل کر دیا جائے اور یہی جمہور کا مذہب ہے، اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زنا والی حد جاری کی جائے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ جس طریقہ سے بھی لوطی کو مارا جائے جائز ہے۔ بہر حال اتنی بات مشترک ہے کہ لوطی کے موت کے گھاٹ اتارنے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، قتل کی نوعیت میں البتہ اختلاف ہے۔

سزا عقل کی روشنی میں لوطی کی سزا کے متعلق صحابۂ کرامؓ اور ائمہ دین کے فیصلے پڑھ کر تعجب نہ ہونا چاہیے قومِ لوط کا جو حشر ہوا اس کو سامنے رکھنے کے بعد کسی سختی کو سختی بھی نہیں کہا جا سکتا، لوطی کی خباثت و شیطنت کو مدِ نظر رکھا جائے تو کہنا ہوگا کہ درست ہے اگر آسمان اس پر ٹوٹ پڑے، پہاڑ گر جائے زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں دھنسا دیا جائے۔

مفعول بہ (جس نے فعل بد کر دیا ہے) یہ تو اس درجہ میں ہے کہ اس کا قتل ہو جانا ہی بہتر ہے کیونکہ جب اس کی رضا سے اس سے لواطت کی گئی تو اس پر ایسی موت طاری ہو گئی جس میں زندگی کی کوئی رمق نہیں، زمین پر متعفن زندہ لاش ہے بے گناہ قتل ہوتا تو اچھا تھا کہ لوگوں میں محبت و شفقت سے یاد کیا جاتا اور مظلوم شہید کا درجہ حاصل کرتا، مگر اس (وطی فی الدبر) کے بعد اس کے حق میں کوئی رحم و کرم نہیں، نہ شریعت کی نظر میں اور نہ انسانی سوسائٹی میں۔ سوچیے تو کہ قاتل کو اگر مقتول کا وارث چاہے بچا سکتا ہے، مگر لواطت کرنے والے اور کیے جانے والے کے لیے بچنے کی کوئی گنجائش ہے؟ یقیناً نہیں۔

[1] الجواب الکافی ص ۲۲۹

عہد صحابہ کا ایک واقعہ حضرت خالد بن الولیدؓ کو اطلاع دی گئی کہ ایک ایسا شخص ہے جو لواطت کراتا پھرتا ہے، حضرت خالد نے یہ واقعہ خلیفۃ المومنین صدیق اکبرؓ کو لکھ بھیجا اور مشورہ طلب کیا۔ چونکہ یہ نئی طرح کا واقعہ تھا حضرت صدیق اکبرؓ نے مجلسِ مشاورت بلائی، اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ نے رائے دیتے ہوئے فرمایا کہ اس عمل کا تعلق قومِ لوط کے عمل سے ہے سزا بھی اسی نوعیت کی مناسب ہے۔ میری رائے ہے اس شخص کو جلا ڈالا جائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے یہی سزا حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی، چنانچہ حضرت خالدؓ کو جب یہ فرمان ملا، تو آپ نے اسے گرفتار کیا اور آگ میں جلوا ڈالا۔[1]

یہ وہ ملعون فعل ہے جس کے ارتکاب کرنے والے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار لعنت فرمائی اور اس کی قباحت کا اظہار فرمایا۔[2]

بچنے کی تدبیر اسلام چاہتا ہے کہ اس غیر فطری فعل سے انسان اپنے کو محفوظ رکھے، اس کی صورت یہی ہے کہ خوبصورت لڑکوں سے اجتناب کیا جائے، اور جو اس کے دواعی ہو سکتے ہیں ان سے الگ تھلگ رہنے کی سعی کی جائے۔

حافظ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں :-

"مالداروں کے لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ یہ اپنی شکل وصورت اور لباس و پوشاک سے سراپا فتنہ ہیں، ایسا فتنہ کہ بسا اوقات عورتوں سے بڑھ کر ثابت ہوتے ہیں"

پھر انہوں نے حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن حضرت سفیانؒ غسلخانے میں داخل ہوئے، اتفاق سے اسی وقت ایک لڑکے نے بھی غسلخانہ میں داخل ہونا چاہا، آپ نے دیکھا تو فرمایا، اسے یہاں سے نکالو اور جلد نکالو۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی۔

فانی اری مع امراۃ شیطاناً و مع کل صبی — عورت کے ساتھ مجھے ایک ہی شیطان دکھائی

---

[1] الجواب الکافی ص ۲۲۹ [2] ایضاً

بضعة عشر شیطانا (مفتاح الخطابة ص۲۱۷) دیتا ہے، مگر امرد کے ساتھ کچھ اوپر دس شیطان

امرد سے پرہیز | اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہے، کہ امام موصوف کی خدمت میں ایک شخص کسی ضرورت سے حاضر ہوا، اس شخص کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا، اُسے دیکھ کر آپ نے پوچھا، یہ کون ہوتا ہے؟ اس شخص نے بتایا بھانجا ہوتا ہے، یہ سن کر آپ نے فرمایا، دیکھو دوبارہ اسے ہمارے یہاں نہ لانا۔ اور تم بھی اس کو ساتھ لے کر بازار میں چکر نہ لگانا، تاکہ کسی کو تمہارے متعلق برا گمان کرنے کا موقع نہ ملے[۱]

یہ ان بزرگوں کی رائے ہے جو اپنے علم وعمل اور زہد وتقویٰ میں مسلّم ہیں۔ پھر کیا یہ رائے بے وجہ ہے۔ واقعہ ہے ان بزرگوں نے جو ہدایت فرمائی وہ بالکل درست ہے اور قابلِ عمل بھی۔ آج کل کے زمانہ کے ان حضرات کے لیے ان واقعات میں عبرت وبصیرت ہے، جو تنہائی میں "امردوں" سے پاؤں دبواتے ہیں اور بے تکلف بن کر ان کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ ان کی نیتوں میں فساد ہے، بلکہ آگاہ یہ کرنا ہے کہ فتنہ کے دواعی سے اپنی حفاظت ایک ضروری فریضہ ہے۔

امرد کا چہرہ دیکھنا | فقہاء شہوت کے اندیشہ کے وقت "امرد" کے چہرہ کو دیکھنا حرام کہتے ہیں۔

فانہ یحرم النظر الی وجھہا ووجہ الامرد اذا شك فی الشھوۃ (درمختار برحاشیہ رد المحتار ج۱ ص۲۸۵) جنسی میلان کا خطرہ ہو تو اس وقت عورت اور امرد کے چہرہ پر نگاہ ڈالنا حرام ہوتا ہے۔

"امرد" اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کی ڈاڑھی ابھی نہ نکلی ہو، مونچھ آرہی ہو۔ بعض علماء تو لکھتے ہیں کہ امرد اگر حسین ہو تو عورت کے حکم میں ہے یعنی سر سے پاؤں تک اس کا جسم ستر ہے، اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے، مگر ابوالقاسمؒ کی رائے ہے کہ شہوت کے ساتھ دیکھنا تو جائز نہیں مگر اس کا اندیشہ نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ ماحصل یہ ہے کہ تلذذ مقصود ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں۔

---

[۱] مفتاح الخطابة ص۲۱۷

قال ابن القطان اجمعوا علیٰ انہ یحرم النظر الی غیر الملتحی بقصد التلذذ وتمتع البصر بمحاسنہ واجمعوا علیٰ جوازہ بغیر قصد اللذۃ والناظر مع ذٰلک امن الفتنۃ۔ (رد المحتار۔ ج ا ص ۲۸۵)	ابن القطان فرماتے ہیں، امرد جس کی ڈاڑھی نہیں نکلی ہو، تلذذ اور اس کی خوبصورتی سے متمتع ہونے کے ارادہ سے ایسے لڑکوں کو دیکھنا بالاجماع حرام ہے اور تلذذ مقصد نہ ہو اور دیکھنے والا فتنہ سے مامون ہو تو بالاجماع جائز ہے۔

شہوت کس کو کہتے ہیں، اس کی تفسیر میں مختلف قول ہیں، مگر زمانہ کے لحاظ سے علامہ شامی کی یہ تفسیر زیادہ صحیح ہے کہ

انہ میل القلب مطلقاً (رد المحتار۔ ج ا ص ۲۸۵)	شہوت نام ہے دل کے میلان کا

دو مردوں کا ایک ساتھ لیٹنا سونا

اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اسی فتنہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چادر میں دو مرد نہ سوئیں۔ ارشاد نبوی ہے:

لا یفض الرجل الی الرجل فی ثوب واحد (مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ عن مسلم)	ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک کپڑے میں لپٹنے سونے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ اس سے جنسی میلان میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جس سے کبھی کبھی لواطت کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

اس حدیث کو دلیل بنا کر امام رازیؒ فرماتے ہیں:

ولا یجوز للرجل مضاجعۃ الرجل وان کان کل واحد منہما فی جانب من الفراش (تفسیر کبیر۔ ج ۶۔ ص ۲۵۹)	دو مردوں کا ایک ساتھ سونا لیٹنا جائز نہیں ہے گو دونوں بستر کے کنارے کنارے ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ حکم نفسیات کے بالکل مطابق ہے۔ دو شخصوں کا یکجا سونا کسی حال میں ضرر سے خالی نہیں، اور غالباً اور وجوہ کے ساتھ یہ وجہ بھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین، تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو اُن کو نماز
واضربوھم علیہا وھم ابناء عشر و فرقوا بینھم کا حکم کرو اور دس کی عمر کو پہنچ جائیں تو نماز کے لیے
فی المضاجع (ریاض الصالحین عن ابی داؤد ص۱۵۹) پیٹو بھی اور ان کو الگ الگ بستر پر سُلاؤ۔

عمر کے اس حصّہ میں بچوں کا بستر علیحدہ کر دینے سے نفسیاتی طور پر بھی بڑا فائدہ ہوگا، اور صحت کے اعتبار سے بھی بچے فائدہ میں رہینگے، عمر کے اس حصّے سے انسان میں جنسی میلان کی سوجھ بوجھ شروع ہونے لگتی ہے۔

ہمارے اس دور میں خصوصیت سے اس پر عمل کرنا چاہیے کہ اس دور میں ایسی چیزوں کی کثرت ہے جو جنسی میلان کو مشتعل کرتی رہتی ہیں، اور کم و بیش ہر شخص پر اس کا اثر بھی پڑتا رہتا ہے۔

پھر یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ جس طرح یہ حرام ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے ان حصوں کو دیکھے جن کو "ستر" سے تعبیر کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی حرام ہے کہ بغیر ضرورت دو مردوں کے جسم اس طرح مل جائیں کہ بیچ میں کوئی چیز حائل باقی نہ رہے، ہاں اس حکم سے مصافحہ وغیرہ طرح کی چیزیں مستثنیٰ ہیں۔[۱]

حافظ ابن حجرؒ اس کی بھی صراحت فرماتے ہیں۔

ویحرم لمس عورۃ غیرہ بای موضع بدنہ کان بالاتفاق (فتح الباری پ۲ ص۱۳۵) غیر مرد کے ستر کو ہاتھ لگانا حرام ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ بدن کے جس حصّہ سے بھی "ستر" چھوئے سب حرام ہے

ہمارے اس دور میں ان لوگوں کے لیے عبرت و بصیرت کا سبق ہے، جو لڑکوں کے سامنے گھٹنے کھولنا اور تیل کی مالش کرانا عیب نہیں سمجھتے، ارشادِ نبوی ہے۔

لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل (مشکوٰۃ عن مسلم) ایک مرد دوسرے مرد کی "ستر" نہ دیکھے

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعِفَافَ وَالْغِنٰی ـــــ محمد ظفیر الدین پورہ نوڈیہاوی

[۱] فتح الباری پ۲۱ ص۱۳۸